

مغل دربار کی گروہ بندیوں
اور
اُن کی سیاست

مغل دربار کی گروہ بندیاں

اور
اُن کی سیاست

(1740 - 1707)

مصنفہ
ڈاکٹر ستیش چندر

مترجم
محمد قاسم صدیقی



قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

ویسٹ بلاک-1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110066

Mughal Darbar Ke Grohbandiyan Aur Unki Siyasat

By :Dr. Satish Chander

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت :

1987 : پہلا ایڈیشن

2001 : تعداد 1100 دوسرا ایڈیشن

قیمت : = 72

سلسلہ مطبوعات : 549

ناشر : ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-ا، آر۔ کے۔ پورم،

نئی دہلی۔ 110066

طالع : لاہوتی پرنٹ ایڈس، جامع مسجد، دہلی۔ 110006

پیش لفظ

”ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے“

پہلے جملوات تھے۔ ان میں نمود پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جہلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو نئی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹہر نہیں سکتا۔ اگر ٹہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انہوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا۔ کا، وہ ہلا کر ضائع ہو گیا۔

پہلے۔ نہایت باتھ۔ نفس کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہن انسانی کی نشوونما طبعی، انسانی علوم اور تکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کے وقت خامی دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائرکٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

فہرست مضامین

9	1 تعارف
11	2 قرون وسطیٰ میں ہندوستانی سراج کے بااثر طبقات
	3 (۲۱) زمیندار
19	4 حاشیہ تعارف
20	5 باب اول
	6 دربار میں جماعتی کشمکش کا آغاز
	7 دربار میں سیاسی جماعتیں
27	8 خان جنگلی
30	9 حاشیہ باب اول
38	10 باب دوم: مفاہمت یا جبر
	11 بہادر شاہ
44	12 راجپوتوں کا مسئلہ
45	13 دکن کا مسئلہ
60	14 سکھوں کی بغاوت
63	15 منعم خاں کی وفات اور وزارت کے لیے کشمکش کا آغاز
65	16 طرز حکومت اور انتظام سلطنت
70	17 باب سوم
	18 عہدہ وزارت کے لیے ذوالفقار خاں کی جدوجہد
	19 وزارت کا مسئلہ
73	20 ذوالفقار خاں اور تینوں شاہزادوں کا وفاق
76	21 ذوالفقار خاں بطور وزیر اعظم، اس کے اختیارات اور اس کا پیغام

79	22	ذوالفقار خاں کا طرز سیاست اور انتظام
87	23	جہاندار شاہ اور ذوالفقار خاں کی شکست اور ان کا زوال
91	24	حاشیہ باب سوم
100	25	باب چہارم
	26	سید برادران کی نئی وزارت کے لیے جدوجہد
104	27	سید برادران کے اختیارات اور ان کی عام پالیسی
115	28	باب پنجم
	29	نئی وزارت کے لیے کشمکش
119	30	فرخ سیر کی تخت سے برطرفی
125	31	سید و مرہٹا معاہدہ
133	32	باب ششم
	33	سید برادران اور نئی وزارت
135	34	سید برادران کے فطرت بغاوتوں کا آغاز
137	35	سید برادران کے سیاسی مسائل
143	36	نظام الملک کی بغاوت اور سید برادران کا زوال
154	37	باب ہفتم
	38	نظام الملک اور وزارت کی کشمکش کا خاتمہ
155	39	نظام الملک کی آمد اور اس کی ابتدائی دشواریاں
159	40	نظام الملک کا اصلاحات کا منصوبہ اور دکن کے لیے اس کی روانگی
163	41	جاٹوں اور راجپوتوں کے معاملات
171	42	حاشیہ باب ہفتم
175	43	باب ہشتم
	44	مرہٹوں کی شمالی ہند کی طرف پیش قدمی
183	45	نظام الملک اور مرہٹے
186	46	مانوہ اور گجرات میں مرہٹوں کی پیش قدمی

199	47	شمالی ہندوستان کا رد عمل
204	48	باب پنجم
	49	مالوہ اور بندیل کھنڈ کی فتح
208	50	دربار میں امن پسند اور جنگ پسند گروہ
211	51	17 اویس قیام امن کے لیے بات چیت
214	52	دو آب پر مڑھٹوں کے حملے
216	53	سہو پال کی جنگ
221	54	مالوہ اور بندیل کھنڈ کی مکمل سپردگی
223	55	ضمیمہ الف
225	56	ضمیمہ ب
226	57	ضمیمہ ج
228	58	باب نہم ملشیے
237	59	باب دہم
	60	مغل سیاست اور نادر شاہ
239	61	1228-1237 کے درمیان سیاست اور گروہ بندیوں
243	62	مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب
251	63	اختتامیہ تصدیقات

تعارف

اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی زندگی میں دور رس تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ مغل سلطنت جس نے ڈیڑھ سو برس تک ملک کو ایک مستحکم نظام دیا، اور زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کے وسائل بہم پہنچائے وہ خود زوال پذیر اور اندرونی خلفشار سے دوچار تھی۔ ملک پر تسلط حاصل کرنے کی مہمیں کی کوشش ناکام ہو چکی تھی اور برطانیہ کے تاجر اس برصغیر میں ایک نئی قسم کی حکومت کی بنیادیں استوار کر رہے تھے۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں اس تبدیلی کے پیچھے جو سیاسی، سماجی اور اقتصادی عوامل ہندوستان، ایشیا اور مغربی دنیا میں کار فرما تھے ان کا تفصیلی تجزیہ اور مطالعہ اس صورت حال کو سمجھنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ جب تک کہ ان عوامل اور اس صورت حال کا باقاعدہ اور سنجیدہ مطالعہ نہ کیا جائے صحیح طور پر اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ سلطنت مغلیہ کا انتشار، مہمیں کی ایک منظم حکومت قائم کرنے میں ناکامی اور ایک نئے سماج کی تشکیل کے اسباب و عوامل کیلئے؛

شاہان مغلیہ نے امرات حکومت کی جو تنظیم قائم کی تھی وہ بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ امور انتظامیہ کی صحیح طور پر انجام دہی سماجی اقدار کی استواری، حکومت کی فوجی اور سیاسی ذمہ داریوں کا سرانجام اور حقیقت میں خود حکومت کے استحکام اور تنظیم کا انحصار امرات کی تنظیم کی کار فرمائی پر منحصر تھا۔ قرون وسطیٰ کے مورخ کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ اس دور میں سلطنت مغلیہ کے اقتدار، استحکام، اندرونی تنظیم اور امرات کی تنظیم کی امور سلطنت پر گرفت کا گہرا اور سنجیدہ مطالعہ کرے) زیر مطالعہ کتاب میں اسکی کوشش کی گئی ہے کہ اورنگ زیب کی وفات اور نادر شاہ کے حملہ کے درمیانی وقفہ میں امرات کا امور سلطنت کے سلسلہ میں کیا طرز عمل رہا۔ اور اس تنظیم میں علاقائی اور مذہبی بنیادوں پر جو فرقہ بندی ہوئی اس کا دربار کی پالیسی پر کیا اثر ہوا اور

اس تنظیم کے مختلف فرقے سلطنت کے اندرونی معاملات میں منسلک اور جاٹوں اور مرہٹوں کی بعض پالیسی پر کس طرح اثر انداز ہوا اس کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے۔ نادر شاہ کے حملہ کے بعد حکومت پر امراکا گرفت ڈھیلی ہو گئی تھی اور چھوٹے چھوٹے علاقوں کے آزاد حکمران اور مرہٹے سرداروں کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ نادر شاہ کے حملہ اور پانی پت کی تیسری لڑائی (1761ء) کے درمیانی وقفہ میں نئے سیاسی مسائل سامنے نہیں آئے۔ سلطنت مغلیہ کے قلب کی طرف مرہٹوں کی پیش رنت، شمالی و مغرب میں افغانوں کی فوج کشی موبہار میں طاقت و درامد کا مرکزی حکومت پر مکمل تسلط یہ سب واقعات حقیقت میں قدیم زمانہ کے مسائل کا اعادہ ہیں۔ مندرجہ بالا اسباب کی بنا پر اور ضمیمہ مآخذ ضروری اور اہم امور کی فراہمی اس زمانہ کے پیچیدہ مسائل کا تجزیہ ایک کتاب میں مجتمع کرنے کی دشواری کے پیش نظر اس مقالہ کو نادر شاہ کے حملہ (1739ء) پر ختم کر دیا گیا ہے۔

مغل امراء کی تنظیم ایک ایسے طویل تاریخی ارتقا کا نتیجہ ہے جو اسلام کے زیر سایہ مغربی ایشیا میں سیاسی اور اقتصادی ترقی کی شکل میں رونما ہوا۔ ہندوستان کے مخصوص سماجی اور اقتصادی حالات جن کے لیے ایک طاقتور سیاسی حکومت کی ضرورت تھی، ہندوستان میں ترکی سلاطین کے تجربات ترک اور منگول روایات جو مغل حکمران اپنے ساتھ لائے اور اکبر کی سیاسی بصیرت اور اس کے دور حکومت کے مخصوص حالات اس مقالہ میں یہ ممکن نہیں کہ اس تاریخی ارتقا کو مجمل طور پر بھی بیان کیا جاسکے۔ سولہویں صدی کے اواخر اور سترہویں صدی کے آغاز میں امرات کی تنظیم نے مغل سلطنت کے قیام، توسیع اور استحکام کے لیے اہم کردار ادا کیا ہے لیکن اس کے ساتھ اس تنظیم کی کامیاب کارکردگی کی راہ میں بہت سی اقتصادی اور انتظامی رکاوٹیں رونما ہوئیں۔ بظاہر ان مسائل کا کوئی حل برآمد نہ ہو سکا اور سترہویں صدی کے آخر تک جاگیرداروں کے فقدان نے ایک سخت بحران پیدا کر دیا۔ بنیادی طور پر اس بحران کا سبب یہ تھا کہ زرعی اور صنعتی پیداوار اس قدر کم تھی کہ وہ حکمران طبقہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی تھی۔ اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کو خصوصیت کے ساتھ اس صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے وقت صورت حال کافی بگڑ چکی تھی اور دکن کی مرہٹوں اور جاٹوں، مرہٹوں، راجپوتوں اور سکھوں سے معرکہ آرائیوں نے یہ صورت حال اور خراب کر دی اگرچہ اورنگ زیب نے سیاسی اور فوجی مسائل کو حل کرنے کے لیے بہت سی تدابیر اختیار کیں

لیکن اس کو پانڈلہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور بالآخر وہ اپنے جانشینوں کے لیے ایک پیچیدہ مسئلہ چھوڑ گیا۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد حکومت کے سامنے جو مسائل تھے ان کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مختصر طور پر حکمران طبقہ کے کردار، شاہ وقت سے ان کے تعلقات، ملک کے سماجی اور سیاسی افراد کے ساتھ ان کا رویہ، خوران کا سماجی اور مدنی نظریہ اور ان کے اندرونی اختلافات اور مسائل کا تجزیہ کیا جائے۔

قرون وسطیٰ میں ہندوستانی سماج کے باثر طبقات

(الف) زمیندار

قرن وسطیٰ میں ہندوستانی سماج میں اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے جو فرقے اہمیت کے حامل تھے ان کو دو طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک راجہ، سردار اور موروثی زمیندار جن کو قائم مورخوں نے رئیس اور ٹھاکر کہا ہے اور بعد کی فارسی تصنیفات میں ان کے لیے زمیندار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور دوسرا وہ طبقہ جس کو مال گزاری کی آمدنی دی گئی ان کو تھنہ دار یا جاگیردار کہا جاتا تھا۔ ان دونوں طبقات میں قدر مشترک یہ تھی کہ ان کا ذریعہ آمدنی کاشتکار کی پیداوار کی بچت تھی اگرچہ اس بچت کو حاصل کرنے کے ذرائع مختلف تھے۔

عملی طور پر زمینداروں کی حیثیت موروثی تھی اور ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو اپنی زمینداریوں پر ہندوستان میں ترکوں کے آنے سے قبل ہی سے متصرف تھے۔ ترک حکمرانوں نے اپنے اقتدار کے فوری استحکام کے لیے ان میں اکثر کو ان کی زمینداری پر بحال رکھا۔ شہر صرف یہ تھے کہ یہ زمیندار ترک حکمرانوں کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کر لیں اور اپنی زمینداریوں کے لگان کسی نہ کسی صورت میں ادا کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ ان کا یہ فرض بھی تھا کہ حکومت کی مختلف قسم کی خدمات مثلاً فوج کے لیے سپاہی وغیرہ ہتیا کرنا۔ اور مقامی حکام کی ضرورت کے وقت مدد کرنا۔

باوجود اس کے کہ ترک اور مغل حکمرانوں کی یہ خواہش رہی کہ وہ زمینداروں سے مفاہمت کا رویہ اختیار کریں لیکن یہ معاملہ ایسا تھا کہ کبھی بہ حسن و خوبی حل نہ ہو سکا۔ زمیندار ہمیشہ اس تباہی میں رہتے تھے کہ نئے حکمرانوں کی اندرونی اور بیرونی مشکلات یا مقامی اور مرکزی حکومت

کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مال گزاری کی ادائیگی بند کر دیں اور دوسروں کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کر لیں^۱۔ ان میں سے بیشتر اپنی زمینداری کے کاشتکاروں پر ظلم کر کے زیادہ سے زیادہ لگان وصول کرتے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ کاشتکار بنیادی طور پر زمیندار کے قبضہ میں تھے اور ان کو اس کے علاوہ موجودہ حصہ پیداوار کے بہت کچھ اور بھی دینا ہوتا تھا۔ زمینداروں کے علاقہ سے جو سوداگر گزرتے تھے ان کو بھی ٹیکس دینا پڑتا تھا اور اس طرح ان کے مال کی قیمت بڑھ جاتی تھی²۔

ترک اور منغل حکمرانوں نے خود اپنے مفاد کے پیش نظر ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کی کہ ان کی سلطنت میں جان و مال محفوظ رہے۔ رائج الوقت سکہ کی قیمت مقرر کی جائے قیمتوں کو نہ بڑھنے دیا جائے اور ناپ تول کے پیمانے مقرر کیے جائیں۔ اس کے علاوہ فوجی اقدامات کے ذریعہ زمینداروں کی خود سری کی بھی روک تھام کی۔ ان عوامل سے ان کو ضمنی کامیابی ہوئی اس کا فائدہ کسانوں اور سوداگروں کو پہنچا۔ سیاسی اور انتظامی امور کے استحکام کے سلسلہ میں جو اقدامات کیے گئے اس سے زمینداروں کی قوت اور اختیارات میں بہت کچھ کمی واقع ہوئی اگرچہ بعض صورتوں میں انھیں بلا واسطہ فائدہ بھی پہنچا۔

اگر زمینداروں نے ان تمام اقدامات کو ناپسند کیا جو ان کے سیاسی اور اقتصادی مفاد کے خلاف تھے مثلاً زمین کی پیداوار کا صحیح اندازہ تمام غیر قانونی ٹیکسوں کو وصول کرنے کی ممانعت اور سکہ ڈھانے پر پابندی با اثر اور طاقتور زمیندار اس پر بھی ناراض رہتے تھے کہ ان کو اس ت کی ممانعت کی جاتی تھی کہ وہ پڑوسیوں کی املاک پر قبضہ کریں، نتیجہ یہ تھا کہ یہ زمیندار اہل طریقوں سے اس کی کوشش کرتے تھے کہ وہ تمام اقدامات اگر بالکل ناہام نہ ہو سکیں م از کم سست ضرور پڑ جائیں جو سلطنت کے استحکام کے لیے کیے جائیں۔ زمینداروں اور ری حکومت کی یہ کشمکش کبھی اعلانیہ اور کبھی خفیہ، قرن وسطیٰ میں ہندوستانی سماج کی خصوصیت ہے۔ اور ملک کی مختلف فرقوں پر اس کا گہرا اثر رہا ہے۔ راجپوتانہ اور بندیکھنڈ کے علاقوں میں ایسوں کو کافی اقتدار حاصل تھا۔ اس علاقہ کے زمیندار یا راجہ اپنے قبیلہ کے سردار ہوتے تھے ان کے اقتدار اور اختیارات پر ملکی سی ضرب بھی قبائلیوں کی مخالفت کے لیے کافی ہوتی تھی سرے علاقوں میں بھی اکثر زمیندار قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور اس کے روایتی اختیارات پر کسی قسم کے پورے قبیلہ پر حملہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس طرح راجپوتوں کے علاوہ جاٹ، گوجر اور افغان وغیرہ

بھی اپنی تباہی روایات کو سینہ سے لگائے ہوئے تھے۔

زیادہ سے زیادہ زمین حاصل کرنے کی کشمکش حقیقت میں قرن وسطیٰ کی سوسائٹی کا اصل مسئلہ تھی اور اس کی وجہ سے مختلف سماجی، اقتصادی اور سیاسی مسائل پیدا ہوئے تھے۔ ترک اور مغل حکمرانوں نے زمینداروں کے اختیارات کو مختلف طریقوں سے کم کرنے کی کوشش کی۔ بڑی بڑی زمینداروں کو ان علاقوں میں جہاں ایک فرقہ کے لوگ آباد اور قابض تھے مختلف فرقوں کے لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ان زمینداروں سے جو تخت کے وفادار نہیں تھے زمینیں لے کر وفادار زمینداروں کی دی گئیں۔ ساتھ ہی ساتھ زمینوں کے انتظام کے لیے ہر صوبہ، سرکار اور پرگنہ میں ایک محکمہ قائم کی گئی۔ اکبر کے زمانے میں بڑے سے بڑا شرف لیاقت کے اعتبار سے دیا جاتا تھا اور بہت سے زمینداروں کو جو اس کے اہل تھے منصب ملے مقرر کیا گیا اور اس طرح زمینداروں کے جاہ طلبی کے جذبہ کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اس کے باوجود زمینداروں کا طبقہ انتظامیہ کے لیے درد سر بن رہا۔ وسطی ہندوستان، راجپوتانہ، پہاڑی علاقہ اور پورے دکنی علاقے میں زمینداروں کو بڑی قوت حاصل تھی اور ان کے بہت سے طاقتور گروہ تھے۔ جب حکومت وسیع ہو کر ان علاقوں پر قابض ہوئی تو ان زمینداروں کے پیدا کردہ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی یہ مسائل حل ہوئے یا حل نہ ہو سکے ہر حال میں ان عوامل کا سلطنت کی پالیسی پر اثر ہوا۔

اس کشمکش میں علاقائی اور رسانی جذبات بھی کبھی کبھی اثر انداز ہوئے ہیں¹³¹⁷ میں امیر خسرو نے علاقائی زبانوں کی مقبولیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "اس زمانہ میں ہر صوبہ کی اپنی ایک زبان ہے جو کسی دوسری علاقائی زبان سے مشتق نہیں ہے۔ سندھی، لاہوری، کشمیری، کباری (جموں کے علاقہ کی ڈوگری)، دھرسناری (میسور کی کناری)، تملگ (تیلنگ) گوجر (گجراتی)، تاماری (تامل)، گوری (شمالی بنگال)، اودھ دہلی اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ۔ یہ زبانیں قدیم زمانہ ہی سے زندگی کی ضروریات پورا کرنے کے لیے استعمال ہوتی تھیں"

اورنگ زیب کے دور حکومت میں مغلوں کی زمرہ جانوں سکھوں اور بھائیوں کے ساتھ دشمنی ہوئی بلکہ راجپوتوں اور مراٹھوں کے ساتھ بھی لمبے عرصے تک کشمکش رہی یہ سب مغل شہنشاہیت کے بڑھتے ہوئے خطرات کی نشان دہیاں ہیں ان کشمکشوں کی بنیادی وجوہات کے بارے میں ناموں میں اختلاف رائے ہے اہم سوال یہ ہے کیا اس تمام کشمکش کا ضروری پس منظر اورنگ زیب کی مذہبی بائبل کی پالیسی تھی یا برعکس کشمکش کا پس منظر الگ تھا۔ دوسرے الفاظ میں کیا یہ سب کشمکش اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کا نتیجہ تھی یا ان کے پس منظر میں سماجی، اقتصادی اور سیاسی وجوہات تھیں۔ ان

سوالات کا جواب دینے کے لیے ہمیں ان سبھی کشمکشوں کا مختصر تجزیہ کرنا ضروری ہے۔

اورنگ زیب کا بائوں کے ساتھ (نکراؤ) 1669ء میں سترہ کے پاس کے علاقے میں شروع ہوا۔ بغاوت تیزی سے پھیلی اور اس کی انتہا تک پہنچنے کے وقت، 20 ہزار جاٹ، اینپور نے منل فوج کا سامنا کیا باقی عام طور سے جاٹ کے ساتھ تھے۔ حالانکہ ان کی تیارات ٹھٹ کے زمیندار گروکلا جاٹ نے کی بائوں نے ڈٹ کر منل فوج کا مقابلہ کیا اور کئی بار منل فوج کے دستوں کے خلاف فتح بھی حاصل کی۔ آخر میں ایک بڑی فوج لے کر اورنگ زیب نے بذات خود ان کا سامنا کیا بائوں نے شکست کھائی لیکن تھوڑے آٹھ ہزار منل سپاہی بھی مارے گئے۔ معمولی کسانوں کا منل بادشاہ کے خلاف اتنی مضبوطی سے مقابلہ کرنا شمالی ہندوستان میں ایک نیا واقعہ تھا لیکن بائوں اور منل حکومت کے درمیان گلے بگلے کشمکش پہلے ہی سے شروع ہو گئی تھی شاہ جہاں کے زمانے میں بھی اگرچہ اورنگ زیب کے آس پاس بائوں کا مغلوں کے ساتھ نکراؤ ہوا جاٹ ہمیشہ لوٹ مار کے موقع کی تلاش میں رہتے تھے مغلوں کے مطابق بائوں کا علاقہ زور طلب تھا یعنی وہاں کے لوگ زور زبردستی اور بڑائی بھرائی کے بغیر آسانی سے مالگزار کی نہیں دیتے تھے اس پس منظر میں مقامی حاکموں کو خوزدہ کرنے کی پالیسی اپنانے کا آسان بہانہ مل گیا تھا جہاں تک فرقہ واریت کا سوال ہے۔ 62-1661ء میں اورنگ زیب کے حکم کے مطابق اگرے میں ایک مندر توڑا گیا۔ لیکن بندیلہ راجہ برہمن گھوڑے کے ذریعہ نبویا ہوا متھرا کا شہر وشنو ناتھ کا مندر بائوں کی بغاوت سے قبل نہیں مہدم کیا گیا۔¹⁷ اس لیے بائوں کی بغاوت کا سیدھا تعلق اورنگ زیب کی فرقہ واریت نہیں جوڑا جاسکتا۔

جاٹ کشمکش کی قیادت ابتدا سے ہی زمیندار کے ہاتھوں میں رہی 1686ء جس کے علاقے کے بائوں نے دوبارہ بغاوت کی اس بغاوت کا سردار شی کا زمیندار راجہ رام تھا اور اس نے بعد بگڑوختا جنگل میں چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے تھے، جن کا محاصرہ کرنا آسان نہیں تھا بائوں کی بغاوت کو دبانے کی ذمہ داری امیر کے راجہ بنش سنگھ کھواہ کے سپرد کی گئی۔ بنش سنگھ کو متھرا کا فوجدار مقرر کیا گیا اور بائوں کے علاقے کی زمینداری اسے دی گئی اس طرح بائوں کی کشمکش صرف شہنشاہ کے خلاف نہیں رہی کچھواہ راجے جاٹ علاقے پر اپنا زمیندارانہ قبضہ قائم کرنا چاہتے تھے جاٹ کسان زمیندار راجہ چوتوں کو اپنا آقا ماننے کے لیے تیار نہیں تھے اس لیے اس کشمکش کی شکل بدل گئی منل فوج کے تعاون سے کچھواہ

نے راجہ رام اور اس کے وارث چوڑا من کو 1691ء میں سر بھکانے پر مجبور کیا تو یہ بائوں کے خلاف مہم جاری رہی۔¹⁸ اس زمانے میں بائوں نے اپنی طاقت و اہلیت کا بھرپور مظاہرہ کیا انھار ہویں صدی

میں آزاد جاٹ ریاست کے قیام کا یہی پس منظر تھا۔

مغل اور سکھوں کی کشمکش بھی اورنگ زیب سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی جہانگیر اور شاہ جہاں کے دور حکومت میں گردوں کے ساتھ جھڑپیں ہوتی تھیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سکھوں کی جانب سے مغل بادشاہ پوری طرح مطمئن نہیں تھے اس کی کئی وجوہات بتائی جاتی ہیں جیسے سکھ گردوں کو مذہب اور دنیا دونوں کا محافظ سمجھا جاتا (گرد کو حقیقی بادشاہ کہا جاتا تھا) گردوں کی مادہ پرستی کا بڑھنا اور گردوں ان کے چیلوں کا ہتھیار بند ہونا، بھائی چارے اور اخوت کے جذبے پر زور دینا جن کی وجہ سے سکھ مذہب پنجاب میں نچلے طبقے، جاٹ، کسانوں، کاریگروں وغیرہ میں مقبول ہوتا جا رہا تھا اورنگ زیب اور سکھوں کی کشمکش کلہا بھی سماجی پس منظر تھا تو بھی اس میں شک نہیں کہ 1675ء میں اورنگ زیب کے ذریعہ گرد تیغ بہادر کا قتل صرف نا انسانی ہی نہیں بلکہ اس کی تنگ نظری اور تعصبانہ پالیسی کا نمونہ تھا کچھ ہم عمر مصنفین کا کہنا ہے کہ گرد تیغ بہادر نے ایک افغان حافظ آدم کے ساتھ ملکر پنجاب میں نجات کیے تھے جن کی وجہ سے اس کا قتل کیا گیا گرد کے خاندان کے کچھ لوگوں کی گرد کے خلاف سازش کا بھی ذکر کیا جاتا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کشمیر کے سوبے دار شیر افغان کی ظالمانہ پالیسی کے خلاف گرد نے آواز بلند کی تھی اس نے کچھ مسلمانوں کو کھکھ ہونے کی ترغیب دی تھی لیکن ایک اہم فرستے کے سربراہ کا اس طرح ظالمانہ قتل کرنا نہ تو منصفانہ ہی تھا اور نہ ہی دانشندانہ۔

گرد تیغ بہادر کا قتل سکھوں کو منظم کرنے اور ایک نئی تشکیل دینے کی سب سے بڑی وجہ بھی جاتی ہے لیکن 1701ء میں سکھوں اور مغلوں کے گنڈاؤ کی صرف یہی ایک وجہ نہیں تھی نا انسانی اور ظلم کے خلاف جدوجہد کرنے کے لیے گرد گوبند سنگھ نے 1699ء میں خالصہ کی بنیاد رکھی اور آئندہ پورے سکھوں کا مرکز بنایا تھا 1702ء تک سکھوں اور مغلوں کے درمیان کوئی ٹھکراؤ نہیں ہوا۔ نہ ہی مغلوں نے سکھوں کی کارروائیوں میں مداخلت کی اس سے پہلے ہندو پہاڑی راجاؤں کی مغلوں کے خلاف بغاوت میں گرد نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ گرد گوبند سنگھ کی مغلوں کے ساتھ کشمکش سیاسی وجوہات سے ہوئی سکھوں کی، برہمنی ہوئی تو اور سیاسی خواہش ہندی کی وجہ سے بلاس پور کے راجہ اور دوسرے مقامی ہندو راجاؤں کے ساتھ سکھوں کی کشمکش کی ابتدا ہوئی ان راجاؤں کی درخواست پر مقامی مغل حاکم گوبند سنگھ کو کچلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سکھ بڑی بہادری سے لڑے لیکن 1705ء کے آخر تک ان کی بغاوت کچل دی گئی۔ سکھ ریاست کے قیام کے لیے اٹھارہویں صدی سے جدوجہد جاری رہی۔ اس کا قیام حقیقی شکل میں اٹھارہویں صدی کے نصف کے بعد ہوا جب مغل حکومت کافی کمزور ہو چکی تھی حالانکہ اسی نئی ریاست

کے پس منظر میں یہ جذبہ کار فرما تھا کہ وہ بھائی چارے اور انصاف کے اد پر مبنی ہوگی حالانکہ طاقت و مسل کے سحر یعنی زمینداروں کے ہاتھ میں رہی اس طرح اس جدوجہد کی شکل بدلتی رہی پولیس میں اقتصادی، سماجی سیاسی اور مذہبی عناصر کی شمولیت رہی۔ گرو کے دو بیٹوں کے قتل کا الزام اورنگ زیب پر نہیں بلکہ مقامی حاکموں کے سر پر ہے 1705ء میں اورنگ زیب نے گرو کو معاف کر دیا اور اسے اپنے پاس دکن میں بلایا، ایسا خیال ہے کہ گرو دیر چاہتا تھا کہ اورنگ زیب اسے آئندہ پورا پس دلادے لیکن گرو کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی اورنگ زیب کی وفات ہو چکی تھی۔

باٹ یا سکھوں کی جدوجہد کو ہم صرف فرقہ وارانہ کشمکش نہیں کہہ سکتے اس کشمکش کا اقتصادی پہلو تھا کسانوں کی مغل شہنشاہیت کی طرف سے بے اطمینانی لیکن اسے واضح طور سے کسانوں کی جدوجہد بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ جاٹوں اور راجپوتوں کے درمیان کشمکش حکومت اور زمیندارانہ اختیارات دونوں کے سلسلے میں تھی مگر گوبند سنگھ نے بھی ایک آزاد سکھ ریاست کی بنیاد رکھی حالانکہ ان کی مقصد برآری میں کافی وقت لگا۔

جاٹوں اور سکھوں کی کشمکش کے تقریباً ساتھ ہی ساتھ اورنگ زیب کو پٹھانوں کے آزاد حکومت کے قیام کے جذبے سے بھی دوچار ہونا پڑا یہ کوئی نئی بات نہیں تھی کابل اور دیلے سندھ کے درمیانی کوہستانی علاقے میں رہنے والے آزاد پسند بہادروں سے اکبر اور جہانگیر کو بھی ایسا پڑا تھا لیکن اورنگ زیب کے دور میں پٹھان جدوجہد میں ایک نیا عنصر دکھائی دیتا ہے اور وہ ہے پٹھانوں کو منظم کر کے ایک آزاد ریاست کے قیام کی کوشش 1667ء میں یوسف زئی قبیلوں کے سردار بھاگو نے محمد شاہ خانی آدمی کو جو پرانے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا بادشاہ بنایا اور اس کے وزیر کی حیثیت سے اپنے نام کا اعلان کیا رفتہ رفتہ بہت سے قبائلی بھاگو کے پرچم تلے جمع ہو گئے اور انھوں نے ہزارا پشاور اور لاکھ وغیرہ علاقوں پر لوٹ مار شروع کر دی۔ دس ہزار چنیدہ سپاہیوں کے ساتھ محمد امین خان نے راجہ مان سنگھ بھدوریہ وغیرہ کے ہمراہ بھاگو پر حملہ کیا کئی گھماسان جنگوں کے بعد مغل فتح یاب ہوئے لیکن 1672 میں پٹھانوں کی بغاوت پھر شروع ہو گئی۔ آفریدی سردار اکمل خان نے اپنے آپ کو بادشاہ کی حیثیت سے اعلان کیا اور سکھ و خطبہ اپنے نام سے جاری کیا دوبارہ محمد امین خان کو ان کے خلاف بھیجا گیا۔ لیکن پٹھانوں نے درہ خیبر میں مغل افواج کو گھیر لیا محمد امین خان کسی طرح جان بچا کر پشاور لوٹ گیا لیکن اس کے سارے سپاہی مارے گئے اور تمام سامان لوٹ لیا گیا اسی پسپائی کی وجہ سے تمام قبائلی علاقے میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی 1674ء میں ایک دوسرے مغل منصب دار شجاعت خاں کو درختیہ

میں بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا چٹانوں کی قیادت اس وقت خوش حال ماں جنگ کے ہاتھوں میں آگئی تھی وہ اورنگ زیب کا پرانا دشمن تھا اور کچھ مدت تک قید میں بھی رہ چکا تھا۔

چٹانوں کو دہلنے اور کابل کا راستہ صاف کرنے کے لیے اورنگ زیب کو بذاتِ خود پشاور جانا پڑا چٹان قبائلیوں میں پھوٹ ڈال کر ہمارا جہنم سسنگھ کی قیادت میں راجپوتوں کو فیبر کے علاقے میں تعینات کر کے اور کابل کے صوبے دار امیر خاں کی خوش انظامی کی وجہ سے 1678 تک رفتہ رفتہ اورنگ زیب پٹھان بغاوت پر قابو حاصل کر سکا۔²²

جاٹوں اور سکھوں کی طرح چٹانوں کی جدوجہد بھی ایک عوامی جدوجہد تھی اور اس کے پیچھے بھی آزاد ریاست کے قیام کا جذبہ کارفرما تھا۔ چٹانوں کی جدوجہد سے مغلوں کو ہمیشہ کابل کی حفاظت کا فکر رہنے لگا کیونکہ کابل کو مغربی ہندوستان کا بیرونی دروازہ سمجھا جاتا تھا اکبر کے زمانے میں ازبک اور زونگیز کے زمانے میں ایرانی بادشاہ کے ذریعے کابل پر حملہ ہونے کے سلسلے میں مغل کافی پریشان رہے جنگی و اقتصادی دونوں نظریوں سے مغلوں کے لیے چٹان قبائل کے علاقے میں آمدورفت کا نہ رکنا انتہائی اہم تھا۔ سکھ دغاٹ بغاوت کے علاقے بھی جنگی اور آمدورفت کے نقطہ نظر سے اہم تھے اس لیے ان سب تحریکوں کی جانب اورنگ زیب کا نظریہ سخت ہی نہیں بے رحمانہ بھی تھا۔ یہ تمام تحریکیں تبھی کامیاب ہو سکیں جب مرکز میں کمزوری آگئی لیکن انھوں نے مراٹھا تحریک کو پینڈا و مرکزیت سے بچنے کے مسائل کو اور زیادہ الجھانے کا کام فرو کیا۔

راجپوتوں اور مراٹھوں کی جدوجہد کا پس منظر جاٹوں سکھوں اور چٹانوں کی جدوجہد سے بہت مختلف تھا راجپوتوں کے ساتھ مغلوں کے تعلقات بڑے دیرینہ تھے اور منغل حکومت کی ترقی اور استحکام دونوں میں راجپوتوں کا کافی ہاتھ تھا لاٹھور اور سسودیہ راجپوتوں کے ساتھ اورنگ زیب کی کشمکش ایک نئی پالیسی کا نتیجہ ہے یا راجپوتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی پالیسی کے تحت کچھ ذاتی یا اس دور کی وجوہات سے یہ سوال قابلِ غور ہے۔ سرنیدر ناتھ سرکار کی رائے میں کشمکش کی بنیادی وجہ اورنگ زیب کی یہ پالیسی تھی کہ وہ پرانی ہندو ریاستوں پر اپنا قبضہ مکر ہندوستان میں ایک سی اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتا تھا جس کے نتیجے میں ہندوں کو تبدیلی مذہب کے لیے مجبور کیا جاسکے لیکن یہ تمہیم تحقیق اس رائے کی تائید نہیں کرتی²³۔ تخت نشینی کے وقت اورنگ زیب کے راجپوت راجاؤں سے تعلقات دوستانہ تھے آئیر کارا جہ مرزا راجہ سسنگھ اورنگ زیب کا معتمد خاص تھا اس نے ہر مصیبت میں اورنگ زیب کا ساتھ دیا تھا اسی وجہ سے

مارواڑ کے راجہ ہمارا جسونت سنگھ نے کچھوا جنگ سے قبل داراشکوہ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اورنگ زیب نے رانا راج سنگھ کو بھی شاہ جہاں کے دور میں ضبط کئے گئے پر گئے پڑ، منڈل، منڈل گڑھ اور بڈنور واپس دے کر اپنی طرف ملا لیا تھا لیکن رفتہ رفتہ اورنگ زیب کی نظر میں راجپوتوں کی اہمیت کم ہوتی گئی اسکی وجوہات کسی حد تک ذاتی تھیں مرزا راجہ بے سنگھ کی 1667ء میں موت کے بعد اس جیساکوئی لائق اور قابل اعتماد راجپوت راجہ اورنگ زیب کو نہیں ملا جوت سنگھ اور رام سنگھ کچھوا دونوں کی جانب سے اورنگ زیب کا دل صاف نہیں تھا اسی زمانے میں اورنگ زیب کی مذہبی تنگ نظری بھی بڑھی اس نے دربار میں موسیقی بند کرادی، سونے چاندی کے ظروف کو غیر شرعی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا اور بہت سی پرانی ہندو رسموں کو ممنوع قرار دیا۔²⁵ 1679ء میں ہمارا جسونت سنگھ کی جبرود میں وفات ہو گئی آنجنائی راجہ کا کوئی بیٹا زندہ نہیں تھا ایسی حالت میں مارواڑ کی گڈی کے دو خاص دعوے دار تھے ایک جسونت سنگھ کے بڑے بھائی امر سنگھ کا پوتا اندر سنگھ جو ناگور کا جاگیر دار تھا اور دوسرا امر سنگھ کا نواسہ انوپ سنگھ وارث کے اس مسئلے کے حل ہونے تک پرانی مغلیہ روایات کے مطابق مارواڑ کو اورنگ زیب نے خالصہ کر لیا جسونت سنگھ کی رانیوں اور خدمت گاروں کے اخراجات کے لیے سوجت اور بے تار ان ای کہہ گئے انہیں دے دیئے گئے۔²⁶ جو وہ پور پر شاہی تسلط حملے کے بعد جسونت سنگھ کا سامان ضبط کر لیا گیا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ہمارا جہ کے اوپر تقریباً پچاس لاکھ روپے جو انہیں خرچ کے لیے دیئے گئے تھے۔ بھایا تھے۔²⁷ کچھ روز بعد ہمارا جہ کی دو رانیوں کے بطن سے دو بیٹے اجیت اور دتھن پیدا ہوئے گڈی کا سوال طے کرنے کے لیے ان کو بھی اورنگ زیب کے دربار میں بلایا گیا۔

تعارف

- 1:- برنی کی رائے (سر سید ایڈیشن) 180 صوبہ داروں کو ہدایات آئین اکبر (N.K.) (1893) سرکار مغل انتظام سلطنت 60-57 271 جتا پر تا کے مصنف (سترہویں صدی) کی ایک دستاویز نے لکھا ہے۔ زمیندار اس پر قناعت نہیں کرتے جو ان کے قبضہ میں ہے اور نہ ہمیشہ شاہ وقت سے وفاداری کا ثبوت دیتے تھے اور ہمیشہ وہ اپنے مقبوضات کو تھوڑا تھوڑا بڑھاتے رہتے تھے تاکہ ان کی قوت میں اضافہ ہوا اور طاقت حاصل کرنے کے بعد دوسروں کے مقبوضات پر جبریہ قبضہ کرتے اور اس طرح مغلوں کا طوفان کھڑا کر دیتے (I. H. P. 405)۔
- 2:- محمد تغلق نے غیر شرعی ٹیکسوں کو اور باہر سے آنے والے مال پر جو ٹیکس لگایا جاتا تھا اس کو معاف کر دیا تھا (ابن بطوطہ 288) فیروز شاہ نے 52 غیر قانونی ٹیکس معاف کئے (فتوحات) شیر شاہ 'اکبر' اور نگ زیب وغیرہ نے غیر قانونی ٹیکس خصوصاً رادھاری وصول کرنے کی ممانعت کے احکامات جاری کئے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غیر قانونی ٹیکس باوجود اس قدر ممانعتوں کے برابر وصول کئے جاتے تھے۔ (مورلیڈ 50-46 'سرکار iii 85)

باب اول

دربار میں جماعتی کشمکش کا آغاز

دربار میں سیاسی جماعتیں

اورنگ زیب کے دور حکومت کے آخر اور اٹھارویں صدی کے آغاز میں مغل دربار میں امرار کی دو جماعتوں نے ممتاز حیثیت اختیار کی۔ ان جماعتوں نے آئندہ چالیس برس تک مغل دربار میں ایک اہم کردار ادا کیا اس لیے ان جماعتوں کے کرداران کی تشکیل، ان کا پس منظر، نقطہ نظر اور سیاسی ٹھنڈو کا مطالعہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلی جماعت کے رہنما وزیر الممالک اسد خاں اور اس کا بیٹا ذوالفقار خاں تھے۔ ذوالفقار خاں 1702ء میں بخشی الممالک بھی ہو گیا تھا۔ اسد خاں ایران کے ایک شہر خاندان سے متعلق تھا اور اس کا دادا ذوالفقار خاں، شاہ عباس اول کے عہد میں شروان کا بیگلر بیگی تھا 1601-1600ء میں کسی شبہ کی بنا پر ذوالفقار خاں کو شاہ عباس کے حکم سے مار ڈالا گیا۔ بس کی بنا پر اس کے خاندان کو شدید شکلات سے دوچار ہونا پڑا اور اسد خاں کے باپ خاں لارہ - کو (المخاطب بہ ذوالفقار خاں ترمان لو) جہانگیر کے دور حکومت کے آخر میں ہندوستان کا رخ کرنا پڑا۔ شاہ جہاں نے اس کے ساتھ بہت مہر و محبت کا سلوک کیا یا میں الدولہ آصف خاں کے برادر نسبتی صادق خاں کی لڑکی سے اس کی شادی کرائی اور بالآخر تین ہزاری منصب پر فائز کرایا۔ شاہ جہاں کے دور حکومت کے آخر میں فوج کی بنا پر وہ عملی زندگی سے دست کش ہو کر پٹنہ میں جا گزیں ہو گیا۔

محمد ابراہیم المخاطب بہ اسد خاں صادق خان کی بیٹی کے بطن سے ذوالفقار خاں ترمان لو کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور جو 1055 ہجری مطابق 1625-26ء میں پیدا ہوا تھا۔ وہ شاہ جہاں کے چچا قریب تھا۔ اور آصف خان کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ 1654ء میں اسے اسد خاں کے لقب سے سرسراز کیا گیا اور آختہ بیگی گھوڑوں کا مزار اور فوراً بعد بخشی دوم کے عہدے پر مامور کیا گیا۔ اسد خاں کی زندگی کے باقی حالات کا جائزہ لینا ہمارے موجودہ مقصد کے لیے ضروری نہیں۔ اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ وہ اورنگ زیب کا بھی خاص آدمی تھا اور بطور بخشی دوم اس کے تحت کام کرتا رہا 1661ء میں اس کا عہدہ بڑھاکر چار ہزاری

دو ہزاری منصب پر فائز کیا گیا۔ 1669ء میں جب جعفر خاں وزیر مملکت کا انتقال ہو گیا تو اس کی جگہ پر کسی لاجی تقرر نہیں کیا گیا بلکہ اس جگہ پر بھی اسد خاں ہی کو بطور نائب وزیر کے منتخب کیا گیا۔ اگلے برس وہ میر بخشی کے عہدہ پر شکر خاں تنوئی کی جگہ پر منتخب ہوا۔ اور 1673ء تک نائب وزیر رہتے ہوئے اس عہدہ پر بھی کام کرتا رہا۔ 1676ء میں اسے ترقی دے کر عہدہ وزارت پر سرفراز کیا گیا اور پورے رسم و رواج کے ساتھ باقاعدہ قلمدان وزارت اس کے سپرد کیا گیا اس کے بعد اسے ایک زبردست لشکر کا سپہ سالار بنا کر دکن بھیجا گیا اور راجپوتوں کے قلعہ کو فرو کرنے میں بھی اس نے بڑی مستعدی سے حصہ لیا۔ بیجا پور کے محاصرہ میں اس نے ایک اہم کردار ادا کیا جس کے لیے اسے سند وزارت سے سرفراز کیا گیا۔ اگلے سال گوکنڈہ کی فتح کے نتیجہ میں اسے 7000 ہزاری 7000 سواروں سے فائز کیا گیا اس طرح 1676ء تک اسد خاں ایک اہم مقام حاصل کر چکا تھا جس پر وہ اورنگ زیب کے در حکومت کے باقی 36 برسوں میں بھی قائم رہا۔ غرض کہ اس کی وزارت کی مدت دوسرے وزراء کے مقابلے میں دراز ترین مدت تھی۔ اس کے عہدہ اس کے بلند مقام اس کے اعلیٰ نسب و حسب اور شاہی خاندان سے اس کے تعلق کی بنا پر اسے ہر طرف سے بے انتہا عزت و احترام حاصل تھا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے اورنگ زیب اس کی قابلیت اور صلاحیت کا بہت قدر داں تھا۔ اگرچہ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اورنگ زیب کی پالیسیاں کس حد تک اثر انداز ہوئیں۔

اورنگ زیب کی حکومت کے آخری دور میں اسد خاں کو کچھ عرصے کے لیے اسلام پوری میں خیمہ زن لشکر کا انصر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ کیونکہ اب اسے کسی علی کردار کے لیے ضعیف و نحیف مانا جانے لگا تھا اس کے بعد بھی کونانا؛ راج گڑھ اور داکن کھڑے کے محاصرہ میں اورنگ زیب کا ہمراہ تھا۔

ذوالفقار خاں پسر اسد خاں 1649ء میں پیدا ہوا اور 1660ء میں جب وہ گیارہ سال کا تھا اسے پہلا منصب عطا ہوا۔ 1677ء میں اورنگ زیب کے کاموں امیر اعظم شائستہ خاں کی بیٹی سے اس کی شادی ہو گئی اور اعتقاد خاں کا خطاب ملا۔ اس نے اعتقاد خاں کی حیثیت سے 1689ء میں راجپوت راج گڑھ پر قبضہ کر کے پہلا کارنامہ انجام دیا۔ راج گڑھ کا قلعہ بے حد مضبوط تھا اور وہاں خزانہ کے ساتھ ساتھ شیشہ جاتی اور راجہ رام کے خاندان بے ہوئے تھے۔ لہذا انعام کے طور پر اس 2000 دو ہزاری 3000 بی ہزاری سوار منصب کر دیا گیا۔ اور موروثی لقب ذوالفقار خاں دیا گیا۔ اس کے بعد میں اسے پن ہائیکہ عہدہ فوج کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔

ذوالفقار خاں کا اصلی رتبہ اس وقت سے مانا جاتا ہے جب کہ 1680ء میں اسے فوج کی کمان سپرد

کی گئی اور جنہی پر قبضہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ بہت ہی اہم کام تھا۔ شہساجی کے جانشین نے وہاں پناہ حاصل کر رکھی تھی اور ایک طرح یہ مرہٹوں کے اجتماع کا مرکز بن چکا تھا جنہی کی نفع اور راجہ رام کی گرفتاری کے بعد اورنگ زیب کو امید تھی کہ مرہٹوں کی ہم ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد مہاراشٹر میں نظم و نسق کا قیام کوئی مشکل مسئلہ نہیں رہے گا۔ لیکن ذوالفقار خاں کو زبردست مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جنہی غیر معمولی طور پر طاقتور قلعہ ثابت ہوا اس کے سپرد جو کام کیا گیا تھا اس کے مقابلہ میں نوج ناکافی تھی مرہٹوں کی کاروائیوں کے پیش نظر رسل و رسائیں اور رسد کے بھیجنے کا انتظام بہت مشکل تھا۔ اس کے علاوہ مقامی آبادی کا عدم تعاون اور خود ذوالفقار خاں کے اپنے امرا کا غیر اطمینان بخش رویہ تھا کیونکہ وہ دل سے اس ہم کے ساتھ نہ تھے 1692ء میں کرناٹک میں سنت جی گھور پانڈے اور دھاناجی جاوہ کی آمد نے صورتحال کو دشوار بنا دیا۔ ذوالفقار خاں نے اپنے آپ کو مشکل میں گرفتار پایا اسلحا اور شہزادے کام بخش کو اس کی مدد کے لیے حکم دیا لیکن کام بخش کی سازشوں کے نتیجے میں مزید انتشار پھیل گیا اور اس کو گرفتار کر کے قید کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ محاصرہ کو عارضی طور پر ترک کر دیا پڑا۔

1698ء میں ذوالفقار خاں نے جنہی کو فتح کیا لیکن اصل مجرم راجہ رام فرار ہو گیا اورنگ زیب اس پر فخر تو نہ ہو سکا مگر ذوالفقار خاں کو ایک 1000 ہزار سوار کا انعام دیا اب اس کا منصب پانچ ہزار ذات / پانچ ہزاری سوار کر دیا گیا۔

ذوالفقار خاں کی زندگی میں جنہی کے محاصرہ کا زمانہ بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ بظاہر یہی وہ زمانہ تھا جس میں اس نے اپنے گرد و جانشان ساتھی اور پیر و اکٹھا کیے اور کئی امرا سے تعلقات قائم کیے۔ بعض ہم عصر مشاہدین کا خیال ہے کہ اس کے یہاں دکن میں آزاد سلطنت کے قیام کی ہوس پرورش پانے لگی تھی۔ ذوالفقار خاں کے سیاسی خیالات کی بھی اس دور میں نشو و نما ہوئی 1697ء میں اس نے اورنگ زیب کو راجہ رام کی طرف سے معاہدہ کی ایک تجویز بھیجی لیکن اورنگ زیب اس کو سننے کے لیے تیار نہ ہوا۔

جنہی کی فتح کے بعد ذوالفقار خاں کو سب سے پہلے مراٹھا جنرل دھاناجی جاوہ سے کون کان میں ٹھٹھے کے لیے مقرر کیا گیا۔ اور اس کے بعد گشتی کیشن کی حیثیت سے مرہٹوں سے جہاں بھی وہ مل سکیں، ٹھٹھے کا کام سپرد ہوا۔ ذوالفقار خاں اسے نقصان پہنچانے میں ناکام رہا۔ کیونکہ وہ تیزی سے اپنے پڑاؤ کی جگہیں بدلتا رہا۔ لیکن دوسرے مرہٹ سرداروں کے خلاف اس نے بہت سی کامیابیاں حاصل کیں اور ایک کامیاب جنرل کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔

بحرہ مندغاں کے انتقال کے بعد 1702ء میں وہ میر بخش کے عہدہ پر فائز ہوا 1705ء میں جبکہ اورنگ زیب واکھی کھرا کے مقام پر مصیبت میں مبتلا تھا ذوالفقار خاں کو اپنے تمام امراء اور جنرل کے ساتھ طلب کیا۔ اس کی آمد سے مڑائی کا پانسہ پلٹ گیا اور جلد ہی قلعہ فتح کر لیا گیا لیکن اورنگ زیب کو چونکہ پڑیا ناگ کے فرار میں ذوالفقار خاں اور اس کے ساتھی دلپت راؤ کے ساز باز کا شبہ تھا اس لیے اسے خیر رقم سے نوازا گیا۔ پھر بھی جلد ہی اس کا منصب (6000) چھ ہزاری ذات / 6000، چھ ہزاری سوار کر دیا گیا 1706ء میں اورنگ زیب نے ایک اور اہم قدم اٹھایا۔ ذوالفقار خاں کی فوج کے سپہ شاہو کو دیا گیا اس کا مقصد مرہٹوں سے معاہدہ کرنا اور بات چیت کرنا تھا۔ شاہو کی سپہرگی ذوالفقار خاں کی سیما اہمیت کو خاموشی سے تسلیم کرنے کے مترادف تھا۔ مرہٹوں سے خاص تعلقات کی بنا پر اگر پہلے نہیں تو اس وقت سے ذوالفقار خاں نے شاہو میں ذاتی طور پر دلچسپی یعنی شروع کر دی۔ مرہٹہ سردار منگل پالیسی کے بارے میں اس قدر مشکوک تھے کہ ان کی طرف سے کوئی مثبت رویہ اختیار نہیں کر سکے۔

اورنگ زیب کی وفات تک اسدغاں اور ذوالفقار خاں دربار میں وزیر اور میر بخش کے دو اہم عہدے حاصل کر چکے تھے اور ان کے ذاتی مناصب (7000) سات ہزار ذات اور (6000) چھ ہزار سوار تک بڑھ گئے تھے۔ علاوہ ازیں ان کو غیر معمولی شہرت اور عزت مل چکی تھی۔ ذوالفقار خاں اپنے وقت کا کامیاب ترین جنرل تھا اور ایک درخشندہ ستارہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ بام عروج پر پہنچنے والا ہیر تھا۔ اس کے خاص مددگاروں میں داؤد خاں پانی پتی راؤ دلپت بندیہ اور راؤ رام سنگھ ہاٹی قابل ذکر ہیں تینوں ہی شہورہ جنگجو تھے اور کرناٹک میں ایک عرصہ تک ذوالفقار خاں کے ماتحت کام کر چکے تھے۔ 1692-93ء میں ذوالفقار خاں کے اشارہ پر راؤ رام سنگھ ہاٹی کا سردار کوٹہ کی گدی پر بیٹھا، اور ذوالفقار خاں کی ماتحتی میں کام کرتا رہا۔ 1706ء میں ذوالفقار خاں بوندی کی زمینداری کو بدھ گھ کی بجائے جسے برطرف کر دیا گیا تھا اپنے لیے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ راؤ دلپت بندیہ جس نے 1666ء میں نوکری کی تھی، 1690ء میں ججی میں مستقر کیا گیا اور اس کے بعد ذوالفقار خاں کے ساتھ کام کرتا رہا۔

داؤد خاں پتی خضر خاں کا بیٹا تھا۔ یہ ایک سواراگیر تھا۔ جو بیجاپور کے مشہور سرداروں کی پوزیشن تک پہنچ گیا تھا۔ 1677ء میں دکنی پارٹی کے ہاتھوں خضر خاں کے قتل کے بعد داؤد خاں اپنے بھائی سلیمان خاں کے ساتھ شاہی فوج میں شامل ہو گیا۔ اور اس کو اس کے چچا رن سست خاں سے وابستہ کر دیا اس نے بعد میں کافی شہرت حاصل کی اور اس کو بہادر خاں کے خطاب سے نوازا گیا اس کے بعد

اسے ذوالفقار خاں سے منسلک کر دیا گیا۔ اس نے ججی کے محاصرہ کے دوران کافی نام پیدا کیا۔ ججی کی فتح کے بعد جب ذوالفقار خاں کو دربار میں واپس بلا لیا گیا داؤد خاں کو حیدر آبادی کرنا تک کی فوجداری میں نائب بنا دیا گیا اور دو سال کے بعد 1701 میں بیجاپوری کرنا تک کی فوجداری بھی اس کے حوالے کر دی گئی۔ 1704 میں اسے شہزادہ کام بخش کا جو اس وقت حیدر آباد کا صوبہ دار تھا نائب مقرر کر دیا گیا اور اس کا منصب (6000) چھ ہزاری ذات / (6000) چھ ہزاری سوار کر دیا گیا۔

داؤد خاں کے دکن کے امراء سے بہت تعلقات تھے اور وہ ایک امیر آدمی کے طور پر مشہور تھا۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ وہ کٹر خیالات کا حامی نہ تھا اس کا جھکاؤ ہندوؤں کی طرف جانبدارانہ تھا۔ اوہ کے بیانات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اسد خاں اور ذوالفقار خاں اور اس کے ساتھیوں کا گروہ بہت طاقتور تھا اس کے خاص ممبروں کے منصب چوبیس ہزار (24000) ذات اور چوبیس ہزار (24000) سوار تک جابنچہ تھے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ گروہ کسی ذات یا فرقہ پر مبنی نہ تھا۔ اسد خاں اور ذوالفقار خاں کو اس بات پر فخر تھا کہ وہ ایرانی ہیں۔ لیکن ہندوستان میں پیدا ہوئے اور اورنگ زیب کی وفات کے وقت تک تقریباً تین چوتھائی صدی سے یہیں رہتے آئے تھے۔ یہ گروہ ایک ہی خاندان سے وابستہ ایک ذاتی گروہ تھا۔ اور ذوالفقار خاں سے رشتہ داری اور اس سے ذاتی وفاداری رکھتا تھا اس گروہ کی مخصوص سیاست نہ تھی لیکن ذوالفقار خاں کی ذاتی دلچسپی اور وقار شاہو میں تھا اور مرہٹوں سے اس کے تعلقات بنانے کے لیے کوشاں تھا بنیدیلہ سے اور راجپوت سرداروں سے اس کے تعلقات بھی غیر اہم نہیں ہیں۔

دربار کے دوسرے گروہ میں غازی الدین فیروز جنگ اس کے بیٹے چن تلچ خاں (بعد کو جو نظام الملک بنا) حامد خاں بھادر اور اس کا عم زلد محمد امین خاں تیرہ جنگ کا باپ شامل تھے۔ خواجہ عابد شاہ جہاں کے آخری دور میں ہندوستان آیا تھا اور دکن میں اورنگ زیب کے ساتھ اس وقت شامل ہوا جب وہ تخت کے حصول کے لیے شمالی ہندوستان کی طرف کوچ کر رہا تھا خواجہ عابد کے والد عالم شیخ بخارا کے مشہور عالموں میں سے ایک تھے اور شیخ شہاب الدین ہرودی سے ان کا سلسلہ ملتا ہے۔ شیخ شہاب الدین دارا شجاع اور جسونت سنگھ کے خلاف ہمت میں حصہ لیا اور صدر مل کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔ بعد کو انھیں امیر کا ادھر ملتان کا گورنر مقرر کیا گیا حکومت کے سولہویں سال میں 75-1674ء میں ان پر متاب نازل ہوا اور انھیں مکہ کی زیارت کے لیے بھیج دیا گیا۔ 81-1680ء میں انھیں پھر صدر مل کے عہدہ پر فائز کیا گیا اور آخر کار ہلاک

گورنر بنادیا گیا 1667ء میں گوکٹھہ کے محاصرہ کے دوران بدوق کی گولی سے زخمی ہو کر ان کا انتقال ہو گیا اس وقت ان کا عرصہ پانچ ہزاری تھا۔

غازی الدین خاں (میر شہاب الدین) 1069 میں ہندستان آیا 80 ہجری 1668-79ء اور بلوچت کی جنگ میں بڑا کارنامہ انجام دیا۔ اس نے آراولی کی پہاڑیوں میں حسن علی خاں کی چھتری کی موجودگی کی خبر سخت خطرہ لے کر پہنچائی تھی۔ اس نے مرہٹوں کے ساتھ بھی جنگ میں نام کمایا اور غازی الدین خاں د فیروز جنگ کے خطابات سے نوازا گیا۔ 1685ء میں بیجا پور کے محاصرہ کے دوران اعظم کے پاس رسد پہنچانے کے انعام میں باہمی مراتب ملا۔ اس پر قبضہ کا سہرا بھی اسی کے سر ہوا اور اس کا عہدہ سات ہزار ذات/سات ہزار سوار مقرر کر دیا گیا اگلے سال اودنی پر قبضہ کر کے اس نے اپنی شہرت میں مزید اضافہ کیا لیکن اس سے اگلے سال حیدر آباد میں پلیگ کی بیماری میں وہ اندھا ہو گیا 1698 میں اسے براہ گورنر مقرر کیا گیا جس عہدہ پر وہ اورنگ زیب کی حکومت کے دوران آخر تک فائز رہا 1700ء سے 1705ء تک اسلام پوری کے کیمپ کا انچارج رہا اور برادر مالوہ میں نیماجی کا بیچھا کرنے کا کام سپرد کیا گیا 1701 میں بہادر پور سے واپسی پر اورنگ زیب غازی الدین کے کیمپ سے گزرا اور اس نے اپنی عادت کے مطابق خاں کی فوجوں کا معائنہ کیا خاں کی فوجیں چار کوس تک پھیلی ہوئی تھیں اور بکتر بند گاڑیوں سے مسلح تھیں ان کے معائنہ کے بعد اورنگ زیب نے ان میں سے بکتر بند کی ایک بڑی تعداد پر اپنا قبضہ جالیا اور شہزادہ بدرخت کو خط لکھا "تم دو گئے خراج پر بھی ایسے ہتھیار نہیں رکھ سکتے جیسے فیروز جنگ کے پاس ہیں اس کے پاس وہ تمام سامان موجود ہے جو ہونا چاہیے بلکہ وہ سامان بھی موجود ہے جو نہیں ہونا چاہیے۔"

جن تلخ خان 1069 ہجری 1671 میں پیدا ہوا غالباً اگرہ میں۔ اس نے اپنے باپ کی شروعات کی مہمات میں حصہ لیا اودنی بھی اس میں شامل ہے اس کے بعد مرہٹوں کا بیچھا کرنے پر مقرر کیا گیا اور اسی سال وہ بیجا پور کا گورنر اور تل کونکان۔ اعظم نگر اور بنگام کا فوجدار بنایا گیا 1705ء میں کھنکیرا کے محاصرہ میں اس نے نمایاں حصہ لیا۔ یہ بتایا جاتا ہے کہ کھنکیرا کے قبضہ کے بعد جن تلخ خان کا شہنشاہ پراثر برصہ گیا اور وہ تمام اہم معاملات میں اس سے مشورہ کرنے لگا چنی تلخ خان کے بھائی حامد خاں بہادر اور رحیم الدین خاں نے بھی فیروز جنگ کے ماتحت کام کیا 707 میں 2500/1500 کے اور 1600-1500 کے منصب پر رہا۔ چنی تلخ خاں کے دوسرے عم زاد محمد امین خاں 1687 میں بخارا کے خاں کے ذریعہ باپ کی موت کے بعد آیا وہ 2000/1000 کے منصب پر فائز ہوا اور

تھوڑے وقفہ ہی میں ایک بہادر اور 2000/1000 جنگجو حیثیت سے پہچانا جانے لگا۔ شروع میں وہ نیروز جنگ کے ماتحت کام کرتا رہا 898ھ میں وہ دربار میں بلایا گیا اور صدر منصب پر مقرر کیا گیا یہ کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب نے یہ قدم جان کر اٹھایا تھا تاکہ ایرانیوں کا خاص طور سے اسد خاں اور ذوالفقار خاں کا اثر کم کیا جاسکے۔ اس بات پر شہ کیا جاسکتا ہے اورنگ زیب نے خواجہ عبداللہ کو صدر مقرر کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ دربار میں جاتا خواجہ کا احمد نگر میں انتقال ہو گیا۔

اس کے بعد اورنگ زیب نے محمد امین خاں کو مقرر کیا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کی نسبت سے وہ اس عہدہ کے لیے مناسب ترین آدمی تھا اور اس کا چچا خواجہ عابد اورنگ زیب کی حکومت کے اولین دور میں اسی عہدہ پر فائز تھا۔ حقیقت میں اس بات کا بہت کم ثبوت ملتا ہے کہ اورنگ زیب ایرانی امرا میں شیعہ عقیدہ کی وجہ سے تفریق کرتا تھا حالانکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس نے شیعہ عقائد کی ناپسندیدگی کو کبھی نہیں چھپایا اس طرح اس کے بہت سے انصاریان سے نکلے ہوئے اور شیعہ عقیدہ کے ماننے والے ہی تھے صدر کے عہدہ کے فوراً بعد محمد امین خاں نے بخشی کے عہدہ کے لیے ایک درخواست گزار کی دوئوں بخشیوں کی جگہوں پر شیطان شیعوں کو نابض کر دیا گیا اور اس طرح شیعوں کو تقویت بخشے گا۔ اورنگ زیب نے اس درخواست کو نامنظور کر دیا اور ذوالفقار خاں کے 1702ء میں یہ بخشی کے عہدہ پر فائز ہونے سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ اس کے خاندان کے بارے میں شہنشاہ کو کوئی شبہ تھا

مختلف بیانات اور ثبوت سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ جن گروہوں کو بہت اہمیت اور طاقت حاصل تھی ان کے مراتب اور منصب کی مجموعی طاقت (20,000 ماہی ہزاری ذات) (1560) پندرہ ہزار چھ سو ... سوار تک پہنچتا ہے۔ نیروز جنگ اور محمد امین خاں دوئوں ہی توران سے ہند آئے تھے وہ ہمیشہ اپنے بھائی بندوں کی سرپرستی کرتے اور بہت سے تورانی ان کے ساتھ تھے چن قلیج خاں اور حامد خاں بھی تورانیوں کی سرپرستی کرتے تھے انھوں نے اسد خاں اور ذوالفقار خاں کے گروہ پر سبقت حاصل کر لی اور نیروز جنگ چن قلیج خاں کے تعلقات کی کشیدگی اور نیروز جنگ کے نابینا ہونے کی وجہ سے یہ گروہ کمزور تھا۔

ان دوئوں گروہوں کے درمیان شروع ہی سے شاہی مراتب کے لیے ریسہ کشی تھی خاص طور سے دوئوں نوجوان ذوالفقار خاں اور قلیج خاں میں ذاتی عداوت تھی اور ایک دوسرے سے تعلقات اچھے نہ تھے۔ اس طرح کی عداوت کوئی عجز نہیں اور اسے بڑھا چڑھا کر نہیں پیش کرنا چاہیے۔ مغل دربار میں

چوتھائی صدی تک شاہی طاقت کے حصول کے ان دونوں گروہ میں سخت کشمکش اور زور آوری رہی اور اس طرح اس زمانہ کی سیاست اور دوسرے حالات پر ان کا گہرا اثر پڑا۔

خانہ جنگی

شہزادے کے درمیان فاذ جنگی سے جاگیرداروں اور صوبہ داروں کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا تھا اور وہ اس جنگ میں ملوث شہزادوں سے مختلف مراعات حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ منفرد جاگیرداروں اور صوبہ داروں کے لیے بھی یہ ایک آزمائش کا زمانہ تھا اور ان کو سخت مراحل درپیش ہو جاتے۔ کامیاب امیدواروں کا ساتھ دینے سے خود ان کا مستقبل خطرے میں پڑ سکتا تھا اور نگ زیب کے بیٹے یعنی معظم اعظم اور کام بخش عرصہ سے وفادار جاگیرداروں کو اپنے گرد جمع کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور یہ سعی اس فاذ جنگی کے پیش نظر تھی جس کا اورنگ زیب کی وفات کے بعد وقوع میں آنا ناگزیر معلوم ہوتا تھا۔ ان میں سے بڑے بھائی یعنی معظم کو اورنگ زیب نے 1687 میں تید کر دیا تھا اور جب 1695ء میں وہ رہا کیا گیا تو اسے گورنر بنا کر کابل روانہ کر دیا گیا۔³² کام بخش عالم فاضل اور نہایت سمجھدار شخص تھا لیکن اس کی طبیعت میں گہرائی نہ تھی۔ معظم دربار کے متاز ہمدہ داروں کی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ خصوصاً اس نے اسد خان اور ذوالفقار خاں کو اپنی طرف ملاحظہ و مائل کر لیا تھا۔³³ دربار میں اعظم شاہ اور کام بخش آپس میں تنازع اور کشیدہ رہتے تھے اور اعظم اپنے مقربین اور اپنے وسائل پر بھروسہ کر کے، کام بخش کو نیچا دکھانے کے موقع کا متلاشی رہا کرتا تھا۔ کام بخش کی زندگی کی حفاظت کے پیش نظر اور دونوں بھائیوں میں جنگ کے امکان کو اپنی زندگی میں روکنے کے لیے اورنگ زیب نے 1707ء میں کام بخش کو بیجاپور کا صوبہ دار مقرر کر کے رخصت کر دیا۔ کام بخش کو تمام شاہانہ لوازمات نذر کیے گئے اور اسے شاہی علاقوں ہی سے اپنے فہارے بھلنے کی اجازت بخشی گئی۔ یہ وہ خصوصی مراعات تھی جو فقط حکمرانوں اور بادشاہ تاجوں کے لیے مخصوص تھی اس سے قبل احسان خاں کو اس کا بخشی خاص مقرر کیا گیا تھا اور اس کو کام بخش کی نگہداری کا منصب سپرد کیا گیا ممد امین خاں کو بھی اسی کے ساتھ شامل ہونے کی ہدایت کی گئی۔ محمد اعظم کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے صوبے مالوہ کی طرف کوچ کرے اس پر وہ نہایت چیراغ پا ہو کر رخصت ہوا۔³⁴

ایک وصیت نامہ میں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے تنحیہ کے نیچے سے برآمد ہوا، حکومت کی تقسیم کے احکامات پائے جاتے ہیں جن کے مطابق

بیجا پور اور حیدر آباد کام بخش کو دے دیئے گئے تھے۔ ممکن ہے کہ کام بخش کو بیجا پور کا انتظام سنبھالنے کے لیے بھیجے وقت اورنگ زیب اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنلے کی خواہش سے متاثر رہا ہو، اور اس امید میں کہ ممتاز جاگیر داروں اور عہدہ داروں کی مدد سے کام بخش جو اورنگ زیب کی ضعیفی میں باپ کا بہت چہیتا تھا اپنے دشمنوں سے دفاع کر سکے۔ لیکن شاید اورنگ زیب کاس کی زیادہ فکر تھی کہ وہ اپنے بیٹوں کے درمیان ایک توازن برقرار رکھ سکے تاکہ ان میں سے کوئی بھی باپ کو کسی یک طرفہ میلان اور تعصب کا مجرم نہ قرار دے سکے۔ اور اس پر بھی دہی الزام عائد نہ کیا جاسکے جو خود اورنگ زیب نے اپنے باپ پر کیا تھا کہ وہ دارا شکوہ کی طرف رجحان رکھتا ہے۔ لیکن اورنگ زیب کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ محمد امین خاں کو کام بخش کے ساتھ منسلک کیا جاسکے کیونکہ کام بخش نے احمد نگر سے چند منزلیں ہی طے کی ہوں گی کہ اس کو اورنگ زیب کی وفات کی اطلاع ملی اور اس خبر کو سنتے ہی محمد امین اعظم شاہ کے ساتھ شامل ہونے کے لیے روانہ ہو گیا۔

اعظم اپنے شاہی پڑاؤ کے شاید دو منزل تک بھی نہ پہنچا تھا کہ 3 مارچ 1707ء کو احمد نگر میں اورنگ زیب کی وفات ہو گئی۔ وہ اٹھ پانچ دن واپس لوٹ گیا اور اس نے شاہی املاک و اثاثات پر قبضہ کر لیا تمام امراء نے جو ہر وقت دربار میں موجود تھے وزیر اعظم اسد خاں کے ساتھ اعظم کی تخت نشینی کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ ذوالفقار خاں جو میر بخش تھا اور جو مرہٹوں کو پسپا کرنے کی طرف سے ایک اہم پر گیا ہوا اتحادی تنگ بھدرادو آب سے تیزی کے ساتھ واپس آیا اور اورنگ آباد کے قریب اعظم شاہ کے ساتھ مع رام سنگھ ہارادپیت بندیلہ اور تربیت خاں میر آتش شامل ہو گیا۔³⁵

حکومت کے با اثر امراء کی مدد سے، نیز شاہی رسد، نوپ خانے اور دکن کی اہم پڑاؤ کے ہوئے تجربہ کار اور جہایت ہوشیار سرداروں کی وقاداری کے پیش نظر اعظم کے بارے میں عام طور پر یہ پیش گوئی کی جانے لگی تھی کہ دوسرے امیدواروں کی بہ نسبت جلدی پر قابو اور فتح پانے میں صرف دہی کا سیلاب ہو سکے گا۔ لیکن اس کی فتح و نصرت کے اسباب حقیقی سے زیادہ محض اندازے اور تجانیے پر مبنی تھے امراء میں سے بیشتر خانہ جنگی کے خطرات مول لینے کو تیار نہ تھے اور وہ جی جان سے منظم کے ساتھ نہ تھے اور با اعلان اس کا ساتھ دیتے ہوئے کترار ہے تھے چنانچہ چن گروہ جو ایک طاقتور عسکری گروہ تھا اس نے اس امکانی خانہ جنگی میں حصہ لینے کی خواہش کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے کے بعد اعظم نے اس طاقتور گروہ کو خوش کرنے کے لیے مملہ من فاس کو چھ ہزار اور سات ہزار اوسنت ہزار کا عہدہ عطا کیا اور چن تلج خاں کو خاں دوران کا خطاب

عطا کیا۔ اور اس کو خجابت خاں کی بجائے برہان پور (خاندیش) کا گورنر بھی مقرر کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ خود تو دربار سے منسلک رہے اور اپنی جگہ کسی نائب کو مقرر کر دے لیکن چن قلیج خاں نے اورنگ آباد سے ایک یاد و منزل کا سفر کرنے کے بعد ہی شاہی کیمپ سے اپنی علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ اور سبب یہ ظاہر کیا کہ اس کے صوبے میں خود اس کی موجودگی بہت ضروری تھی۔³⁸

فیروز جنگ دولت آباد ہی میں ٹھہرا ہوا اور اعظم کے ساتھ شامل ہونے کے لیے کوئی اقدام نہ کیا۔ ذوالفقار خاں نے اعظم کو صلاح دی کہ وہ دولت آباد کے راستہ آگرہ کا سفر کرے اور فیروز جنگ کو اپنے ساتھ شامل ہونے کے لیے مجبور کرے۔ لیکن اعظم آگرہ کا سیدھا راستہ ترک کرنے پر تیار نہ تھا اور اس نے یہ مفروضہ جواب دیا کہ اس کا مقابلہ داراشکوہ نہیں ہے نیز یہ کہ شاہی افواج (والا شاہی) اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔³⁷ دراصل اعظم فیروز جنگ اور چن قلیج خاں کے شامل ہونے سے انکار کرنے پر سخت ناراض تھا۔ لیکن اس نے اس وقت اپنی ناراضی کو پوشیدہ رکھنا ہی مصلحت جانا۔ نیز یہ سوچ کر کہ فیروز جنگ کو دشمن کی بجائے دوست بنا کر چھوڑا جائے زیادہ مصلحت آمیز اقدام ہے۔ اس کو سب سالار کے خطاب سے فائز کیا اور اورنگ آباد کا گورنر اور دکن کا نائب حکمران یعنی وائسرائے مقرر کر دیا۔ ایک نفر باقی اور دوسرے بہت سے تحائف چن قلیج خاں کے ذریعہ اس تک پہنچانے کے لیے سپرد کئے گئے۔ منصوبہ خاں سے جو دار و درخواب خاند وکن تھا فیروز جنگ کی آمد تک اورنگ آباد کی نگہداشت کے لیے کہا گیا۔³⁸

محمد امین خاں بھی برہان پور سے ایک دو منزل سے زیادہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اس نے فوج کے پچھلے دستوں کو لوٹ لیا جبکہ فوج داؤد نگر کے پہاڑی مقامات سے گزر رہی تھی اور اس کے بعد وہ برہان پور لوٹ گیا۔ بہت سے سپاہی بھی باغی ہو گئے جن کو دکن میں بھرتی کیا گیا تھا۔ بعد ازاں محمد امین اورنگ آباد کے مقام پر چن قلیج خاں سے مل گیا جہاں اس دنوں نے ملکر بہت سے اضلاع پر قبضہ کر لیا۔³⁹

صرف فیروز جنگ اور چن قلیج خاں بلکہ اسد خاں اور ذوالفقار خاں بھی دکن چھوڑ کر اعظم شاہ کے ساتھ چلنے کو تیار نہ تھے اور انھوں نے اعظم شاہ سے پر زور درخواست کی کہ انھیں دکن ہی میں چھوڑ دیا جائے اور اس کا سبب یہ بتایا کہ وہ مرہٹوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھ سکیں گے۔⁴⁰

امادت خاں نے ان امر اور دیگر امراء کی بددلی کو اعظم کے مجنونانہ غرور پر محمول کیا ہے جس کے سبب وہ دوسروں کے صلاح دشمنوں کو خاطر میں نہ لاتا تھا نیز اس کے شیعی رجحانات اور خواہاں

میں اضافوں اور ترقیوں میں بخل کو بھی اس کا سبب بتایا ہے⁴¹ لیکن ارادت خاں کے یہ الزامات کچھ صحیح بنیادوں پر مبنی معلوم نہیں ہوتے جیسا کہ ایک دوسرے ہم عصر مصنف خفی خاں نے لکھا ہے کہ دراصل اس کے یعنی اعظم کے پاس فباضی کا اظہار کرنے کے لیے دولت نہ تھی⁴² دکن کی لڑائیوں میں کثیر دولت خرچ ہو چکی تھی۔ دکن روایتی طور پر ایک خسارہ کا علاقہ تھا۔ اور چونکہ اورنگ زیب کو شاہجہاں کے جمع کردہ خزانے کو خرچ کرنے میں پس و پیش رہتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کی حکومت کے آخری ايام میں فوج کی تنخواہ تقریباً تین سال سے واجب الادا چلی آتی تھی اور اب شہنشاہ کی دولت کا خاص ذریعہ جنگل کی مانگڑاری کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ جو تھوڑا بہت روپیہ شاہی خزانے سے اعظم کو حاصل ہوا وہ سپاہیوں کی واجب الادا تنخواہیں دینے میں خرچ ہو گیا۔⁴³ اس میں کوئی شک نہیں کہ دکن ختم ہو جاتا تو جنگ عظیم کی اور بد مزاجی اعظم سے سرزد ہوتی تھی اس کے سبب اس کے بہت سے ہم نوا اور مددگار اس سے علیحدہ ہو گئے۔ چنانچہ اگرچہ امر اس سے کوئی اعظم سے روپیہ اور ترقی و فیرہ کے بارے میں گفتگو کرتا وہ اپنے مفروضہ اور حکمانہ انداز میں نیچے جواب دیتا تھا کہ اس کی فوج کو کسی چیز کی ضرورت نہ تھی بجز اس کے کہ مخالف گردوہل کا خوف دہراں⁴⁴۔ بہر حال دربار میں دونوں مخصوص گروہوں کے سرداروں کا خاندان جنگی میں حصہ لینے سے پس و پیش دکن سے مراجعت نہ کرنے کی ان کی شدید خواہش اور ان کے ساتھ ساتھ دکنی افواج کی علیحدگی ان سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں گروہوں کی دلچسپیوں کا مرکز صرف دکن ہی بن کر رہ گیا تھا اور یہ آئندہ کے لیے ایک خطرہ کا نشان تھا کہ اہل دکن شمالی ہند کو ایک دوسرا ملک تصور کرتے تھے اور مغلوں کی حکومت کو غیر ملکبوں کی حکومت سمجھتے تھے۔ اس لیے مرکزی حکومت میں کمزوری کے موقع پر دکن میں آزاد اور خود مختار حکومتوں یا سلطنتوں کی تحریک کا زور پکڑ جانا یقینی اور فطری تھا۔

اعظم کی بہت سی مشکلات حل ہو جاتیں اگر وہ سب سے پہلے آگرہ پہنچ جاتا اور اس پر قابض ہو جاتا کیونکہ یہاں (آگرہ میں) شاہ جہاں کے خزانوں کا بہت سا حصہ موجود تھا لیکن کوئی ایک فرد واحد بھی ایسا نہ تھا جس کو اس میں شک تھا⁴⁵ اعظم شاہ کی لاکھ رکا دوڑوں اور پشاور کے فاصلہ کے باوجود شاہ عالم اس سے قبل ہی آگرہ آ پہنچے گا۔ اعظم آگرہ پر اپنا قبضہ جمالیتا اگر اس نے اپنے فرزند بیدار بخت کو جو احمد آباد کا گورنر تھا آگرہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا ہوتا لیکن اعظم کے دماغ کو بیدار بخت کے سلسلے میں زہر آلود کر دیا گیا تھا اور اس کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ خود بیدار بخت تخت شاہی پر بیٹھنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اس لیے اعظم نے بیدار بخت کو مالوہ ہی

میں منتظر رہنے کا حکم دیا۔ جب تک کہ وہ دکن سے نہ آجائے۔ بیدار بخت نے اعظم کا ماموہ میں بیٹا مہینہ اٹھائیس دن انتظار کیا۔ دریں اثنا شاہ عالم کا تیسرا بیٹا عظیم الشان جس کو کہ اورنگ زیب نے اپنی وفات سے کچھ ہی پہلے بہار سے واپس بلا لیا تھا، اگر وہ پہنچ گیا۔ قلعہ سنگا حکم باقی خان نے جو بیدار بخت کا خسر تھا، قلعہ کو سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ تخت کے دعویداروں میں سے ایک خود وہاں پہنچ گیا۔ چونکہ شاہ عالم کی قبل از وقت آمد متوقع تھی اس لیے اگر وہ باسانی اس کے قبضہ میں آگیا۔

محمد معظم ملقب بہ شاہ عالم، اورنگ زیب کی وفات کے وقت کابل اور لاہور کا گورنر تھا۔ علاوہ ازین، ملتان کی گورنری بھی اسی کے سب سے بڑے بیٹے جہاندار شاہ کے سپرد تھی۔ دوسرا بیٹا عظیم الشان، بنگال اور بہار کا گورنر تھا ان صوبوں کے ذرائع آمد اور پنجاب اور افغانستان کے فوجی اڈوں پر صاحب اختیار ہونے کے سبب سے شاہ عالم تخت کے دوسرے دعوے دار اعظم سے طاقت آزمائی کے لیے زیادہ تیار تھا۔ اگرچہ موافقہ کر اس کے لیے محض حقارت کے جذبات رکھتا تھا اور اسے ابا بتا بقال (یعنی دکاندار) کہہ کر یاد کیا کرتا تھا۔ دوردراز کابل میں شاہی دربار سے اس کی بلا وطنی پر دہ زحمت میں رحمت ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس نے اپنے گرو قابل اعتماد معاویہ کو جمع کر لیا تھا اور بار بار کی آمد و رفت سے اپنی افواج کو فوجی نقل و حرکت کی مشق کراتا رہا یہاں تک کہ کسی بھی سقف والے مکان میں سونے سے اس کو وحشت سی ہونے لگتی تھی اس کی یہ عادت زندگی بھر جاری رہی 1703 میں خوش قسمتی سے اسے ایک گننام سردار اور امیر منعم خاں کی خدمات میسر آگئیں جو امور مالیات کا ماہر تھا اور شاہ عالم کی مامندہ کی حیثیت سے جلد ہی اس کی مالیات کو جمع کر دیا۔ شاہ عالم کی سفارش پر منعم خاں کو کابل کا دیوان مقرر کر دیا گیا اور پنجاب کا نائب صوبے دار بھی اور پندرہ سو سولے کمر ہزار کے عہدے پر فائز کیا۔⁴⁶ خانہ جنگی کے احتمال کے پیش نظر منعم خاں نے شاہ عالم کے لیے کچھ خزانہ جنگ جمع کر لیا اور غاموشی سے اونٹ اور نرگاؤ وغیرہ توپ خانہ کھینچنے کے لیے ہتیا کر لیے اور ساتھ ہی ساتھ کچھ کشتیاں بھی فراہم کر لیں تاکہ پشاور اور لاہور کے درمیان وریاؤں کو عبور کیا جاسکے⁴⁷

شاہ عالم کو اورنگ زیب کی رحلت کی خبر 20 مارچ 1707ء کو پشاور کے قریب جام رود کے مقام پر ملی، منعم خاں کی تیاریوں کی رو سے وہ کافی سرعت کے ساتھ لاہور اور لاہور سے دہلی تک پہنچتا چلا گیا۔ لاہور کے خزانے سے اسے 28 لاکھ اور دہلی کے خزانے سے 30 لاکھ روپے دستیاب

ہوئے جس سے اس کو اپنے سپاہیوں کی ادائیگی کرنے میں بہت مدد ملی۔ اتنے پر ہی کہا جاتا ہے کہ بہت سے سپاہی ناخوش رہے اور ان کو سخت تلکی ترشی کا سامنا کرنا پڑا۔⁴⁸ یہاں تک کہ 12 جون کو وہ آگرہ پہنچ گیا۔ طلعہ کے حاکم بائی خاں نے شاہ عالم کے سامنے تسلیم خم کیا اور قلعہ کی کینیاں اس کو پیش کر دیں۔ شاہ عالم نے شاہ جہاں کے خزانے سے دو کروڑ ماحصل کر کے اپنے اعموان و انصاف میں تقسیم کر دیئے۔

جب اعظم کو الیار پہنچا اس کو خبر ملی کہ اس کے حریف نے آگرہ پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ بکھلا اٹھا۔ اس نے طے کیا کہ اپنے وزیر اسد خاں کو گوالیار میں حرم سرا اور دیگر غیر ضروری ساز و سامان جو اہرات اور خزانوں کے ہمراہ چھوڑ کر فوراً آگرہ کا رخ کرے۔

دولوں حریف 14 جون 1707 کو جاجو کے میدان میں سا موگر ٹھہ کے قریب مد مقابل ہوئے اعظم کی افواج بلا شک شاہ عالم کی افواج کی بہ نسبت ہر طرح کم تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اعظم پینیس ہزار موجودی سوارے کر گوالیار پہنچا تھا اور اس کے سواروں کی تعداد وہاں پہنچتے پہنچتے پچاس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔⁴⁹ اور اس کے علاوہ توپ خانہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ شاہ عالم کے ساتھ موہن میں نے ایک لاکھ پچاس ہزار سواروں کی تعداد بتائی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اصل تعداد اس سے کچھ کم ہی ہو۔⁵⁰ علاوہ اس برتری اور فوقیت کے جو اسے اتنی بڑی تعداد اتنے زبردست خزانے کے سبب حاصل تھی شاہ عالم اپنی طاقت میں ان بھاری توپوں سے بھی اضافہ کر چکا تھا جو اسے آگرہ کے قلعہ سے حاصل ہوئیں تھیں۔ جبکہ دوسری طرف اعظم کو اپنا بھاری توپ خانہ دکن اور گوالیار ہی میں چھوڑ دینا پڑا تھا تاکہ وہ جلد از جلد پیش قدمی کر سکے۔⁵¹ اس کی فوج سخت ترین تکان اور موسم گرما کی بدترین مصائب سے بھی دوچار ہو چکی تھی۔ اس لیے ہر طرح فزع، اعظم کی دسترس سے باقی تھی۔ جاجو کی جنگ درحقیقت اس کے لیے ایک جوئے کی بازی تھی۔ اسے توقع تھی کہ وہ حریف کو اچانک آئے گا اور شاہ عالم کے سنبھلنے سے قبل ہی ایک بھر پور وار کر سکے گا۔ شاید اسی سبب سے وہ کارگر علی کا کوئی مناسب منصوبہ مرتب نہ کر سکا۔ اس کے بجائے وہ بے باکانہ آگے بڑھنا رہا۔ جس طرح کہ ایک خونناک شیر بھڑوں کے جھنڈ پر چھپٹ پڑتا ہے۔⁵²

اعظم کو ابتدائی مدد بھڑ میں کچھ برتری حاصل ہوئی لیکن وہ غلطی سے اس کو شاہ عالم کی فوج کا خاص دستہ سمجھ بیٹھا جبکہ وہ دستہ شاہ عالم کی فوج کا محض ہزدل دستہ تھا۔ جیسے ہی شاہ عالم کی مخصوص افواج نے جنگ میں شمولیت کی، اعظم کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ شاہ عالم کے توپ خانے

نے اس کی افواج میں تباہی مچادی۔ معتقد و سرکردہ امراء شاہزادہ بیدار بخت اور اس کا بھائی والا جان نغز اجل بن گئے۔ ذوالفقار کو بھی کچھ ضرب پہنچی۔ اس یقین کے بعد کہ میدان اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور فتح کی کوئی امید باقی نہیں وہ اعظم شاہ کے پاس حاضر ہوا اور اس کو بھاگ نکلنے کی صلاح دی تاکہ اگر زندہ رہے تو کسی اور موقع پر قسمت آزمائی کی جاسکے۔⁵³ لیکن اعظم نے انکار کر دیا کیونکہ شاید دارا کا انجام اس کے ذہن میں تھا۔ اور اس نے اپنی زندگی کا مہنگا سودا کرنا منظور کیا وہ تین سو سے چار سو سواروں کے ساتھ جو اس کے ساتھ تھے جنگ کرتا ہی رہا۔ حمید الدین خاں کے ہمراہ ذوالفقار گوالیار کو چلا گیا اور دیگر لوگوں نے بھی اس کی پیروی کی۔ انجام یہ ہوا کہ اعظم ایک تیر سے گھائل ہو گیا۔ رستم دل نے اس کا سر قلم کر لیا اور اسے لے کر شاہ عالم کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ ذوالفقار خاں نے جو اپنے حاکم اور بادشاہ کے ساتھ آخر تک وفادار رہنے اور لڑنے سے انکار کیا۔ اس پر متعدد معاصرین نے سختی سے رائے زنی کی ہے، کچھ تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ اس کا فرار ہونا ہی اعظم کی شکست کا خاص سبب تھا۔⁵⁴ اگرچہ یہ رائے مبالغہ سے خالی نہیں رہتا، ہم اس میں بھی شک نہیں ہے کہ ذوالفقار خاں کا عمل وفاداری کے ہر معیار کے برعکس تھا اور اس سے ذوالفقار خاں پر خود غرض اور ناقابل اعتماد ہونے کا الزام عائد ہوتا ہے۔

دیہد کی جنگ نے سلطنت کو مزید کمزور کر دیا۔ تقریباً دس ہزار نفوس اور متعدد ایسے جبری تجربہ کار معتمد امراء جاں بحق ہوئے جو مرہٹوں کے خلاف ہم میں عظیم شہرت حاصل کر چکے تھے دلپت بندید اور دام سنگھ ہاراجو ذوالفقار خاں کے دست راست تھے وہ بھی میدان جنگ میں کام آگئے۔ دونوں حربوں خاص طور پر شاہ عالم نے افواج اور امراء کو پیش قیمت تحائف اور فرمان بننے تاکہ ان کی اعانت حاصل رہے۔ اس طرح ان دونوں نے حکومت کی حالت کو مزید کمزور کیا جو کہ پہلے ہی خراب ہو گئی تھی۔⁵⁵

مرہٹوں اور راجپوتوں کے واقعات

اب ہم اعظم شاہ کے ان دو زبردست تاریخی اقدامات کا جائزہ لیں گے جو اس نے شکست سے پہلے کئے۔ نرمدا کے قریب دورا کے مقام پر شاہو کو فرار ہونے کا موقع دیا گیا۔ یہ ایک متنازعہ امر ہے کہ آیا وہ ان خود فرار ہو گیا یا اس کی رہائی کسی سازش کا نتیجہ تھی۔⁵⁶ دورِ جدید کے کچھ مورخین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اعظم نے شاہو کے ساتھ ایک فتح نامہ پر دستخط کئے اور اس کو

چوتھ اور سردیش سکھی کے دکنی علاقے اور شیواجی کا سوراج بھی بخش دیا اور دیگر متعدد مراعات بھی دیتا منظور کیں۔⁵⁷ اس بیان کی صداقت نہ صرف مشکوک اور غیر مستند ہے بلکہ ان مبالغہ آمیز مراعات کا کوئی بدیہی سبب نہیں معلوم ہوتا خصوصاً ایک ایسے نظر بند سردار کے لیے جس کو انفرادی طور پر مرہٹہ سرداروں کی حمایت حاصل نہ تھی۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ شاہوکار پھیا کرنے کا کوئی حکم جاری نہیں کیا گیا اور دکن کے شاہی دفاتر کو شاہوکار کے سلسلے میں کسی قسم کے فرمان جاری ہی نہیں کیے۔ یہ بات اس مفروضہ کو کمزور کرتی ہے کہ شاہوکار خود فرار ہو گیا درحقیقت شاہوکار نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ وہ ایک شاہی فرمان کی تعمیل میں رہا کیا گیا ہے اس لیے آزادانہ احمد نگر کے قریب اورنگ زیب کے مزار پر حاضری دی اور شاہی افواج نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔⁵⁸

مندرجہ بالا ان حقائق کے پیش نظر یہ نتیجہ ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ شاہوکار کی رہائی ایک سازش تھی جس کے پیچھے مصلحت اور حکمت عملی دونوں ہی کار فرما تھیں۔ اس کی رہائی سے اعظم کی غیر موجودگی میں مرہٹے منقسم اور غیر متحد رہے اور اگر وہ مرہٹوں کا حکمران بننے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کے ذریعہ مرہٹوں سے ایک صلح نامہ مرتب ہو جانے کی توقع بھی نظر آتی تھی۔ بقول خفی خاں یہ تھا ذوالفقار خاں کے اشارے پر اٹھایا گیا تھا جو شاہوکار سے بہت زیادہ قریب تھا اور ایک عرصہ سے اس کے معاملات میں دلچسپی لیتا تھا۔⁵⁹

دوسرے یہ کہ ذوالفقار ہی کے اشارے پر سات ہزاری سات ہزاری کے منصب اور مرزا راجہ اور مہاراجہ کے خطابات بے سنگھ اور اجیت سنگھ کو عطا کیے گئے۔ دونوں راجاؤں سے کثیر افواج کے ذریعہ اعظم کی مدد کرنے کو کہا گیا اور بے سنگھ شاہزادہ بیدار بخت کے ساتھ مالوہ کے مقام پر آکر شریک بھی ہو گیا تھا۔ دونوں راجاؤں سے اس بات پر بھی گفتگو شروع ہو گئی تھی کہ انکا وطن مالوہ ان کو واپس کر دیا جائے۔ اور ان سے ایسی مراعات کا بھی وعدہ کیا گیا تھا جس کا ان کے آباء و اجداد نے تصور بھی نہ کیا تھا۔⁶⁰ یہ دو اقدامات اگرچہ فائدہ جنگی کی ضرورت کے پیش نظر اٹھائے گئے تاہم یہ اورنگ زیب کی پالیسی سے گریز کی ضرور نشاندہی کرتے ہیں شاید اعظم اور ذوالفقار کی نگاہوں میں اورنگ زیب کی سخت گیری کی پالیسی ناکام ثابت ہو چکی تھی، ان کے ان اقدامات سے کسی ایسی نرم پالیسی کا امکان ظاہر ہوتا تھا جو راجپوت مرہٹوں اور مغلوں کی حکومت کے درمیان کی علیحدگی کو دور کر سکے۔ اعظم کی زندگی نے اتنی وفاداری کی کہ وہ اس پالیسی کو اس کے منطقی نتیجے تک پہنچا دیتا۔ اب یہ کام شاہ عالم کے کاندھوں پر آ پڑا تھا اور مغلیہ سلطنت کے اچھے ہوئے مساکین

باب اول

32:- شاہزادوں کی اوائل عمر کی سوانح کے لیے، دیکھئے مصنف سرکار کی "اورنگ زیب کا دور حکومت" از صفحہ 46 تا صفحہ 129۔ سب سے بڑا فرزند محمد سلطان 1639 میں اس کی ہندو ملک ذاب بائی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اس کو 659ء میں شجاع سے مل جانے کے جرم میں نیکر کر دیا گیا تھا اور وہ قید ہی میں 1676 میں لقوۃ اہل بن گیا۔ جو روہ کے زندہ بچے ان میں سے محمد معظم ذاب بائی کے بطن سے 1643ء میں پیدا ہوا۔ اعظم دل بانو بیگم سے 1653 میں اور کام بخش اور دوسے پوری محل کے بطن سے 1670 میں پیدا ہوا۔

33:- خفی خاں (رخ - خ) صفحہ 547 ذوالفقار خاں کو اعظم کی سفارش پر ماہی مراتب "پھلی کا نشان" بخشا گیا تھا۔ اگرچہ اصول یہ تھا کہ یہ نشان چھ ہزار والے منصب سے نیچے کے منصب کو نہیں دیا جاسکتا تھا۔ اعظم کی سفارش پر ہی اس کو سپہ سالار بھی مقرر کر دیا گیا۔ رتعات 6 رادت 14 معاصر الامراء مصنفہ شاہ تراز خاں جلد 1 صفحہ 310۔

34:- معاصر عالمگیر مصنفہ ساتی مستعد خاں صفحہ 520 و خفی خاں جلد 2 صفحات 547 48 نسخہ دل کشا مصنفہ بصیم سین صفحہ 158۔ جے پور کی وکیل کی رپورٹ کے مطابق (جے پور ایکارڈس 26۔ ذی قعدہ سال 51-26 مطابق فروری 1707ء معلوم یہ ہوتا ہے کہ اعظم تمام وکال وکن کے علاقے کا دعویٰ کرتا تھا (تما وکن اعظم است) اور وہ مانوہ کو بڑی دل برداشتگی سے رخصت ہوا۔ 35:- اخبارات :- ذوالفقار خاں کے شریک ہونے کی تاریخ 29 ذی الحجہ مطابق 2 اپریل 1707ء۔

36:- اخبارات کے مطابق 10، 25 ذی الحجہ مطابق 29 مارچ 1701۔ خفی خاں صفحہ 572۔ نسخہ دل کشا 158 ب 162 الف۔ کام کرنے 5 ہزار منصب کا ذکر کیا ہے۔

37:- معاصر الامراء جلد 3 صفحہ 877

38:- اخبارات - 4 محرم مطابق 29 مارچ، خفی خاں صفحہ 572۔ قاسم کا طرف نامہ بہادشاہ

39 :- خفی خاں صفحہ 522 اعظم نے اس کا پیچھا کرنے کے متعدد مواقع سے منہ موڑ لیا اور صرف اس مسئلہ پر فیروز جنگ اور چن قلیج خاں کو فرمان بھیجنے پر قناعت کی۔

40 :- دل کشا - 162 الف ، اعظم الحرب 188 تا 192 و اخبارات 27 محرم مطابق

30 راپریل کام در -

41 :- ارادت 11 12 کام در جب سے اعظم دوران علالت 1693 میں ایک امامیہ غیر کے زیر اثر آگیا تھا۔ تب سے اس کے بارے میں شیعہ رجحانات کا شبہ پیدا ہونے لگا تھا (اورنگ زیب جلد 5 صفحہ 363) اس نے نماز جمعہ ترک کر دی تھی اور نصف سے زیادہ اس کی فوج شیعہ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔

42 :- خفی خاں صفحہ 521 ، 583

43 :- اسد خاں نے اعظم کو اطلاع دی کہ خزانہ رکاب میں صرف 52 لاکھ نقد اور 13 لاکھ سونے کی اشرفیاں جبکہ سپاہیوں کی تنخواہ تقریباً ایک کروڑ کے قریب الادا تھی۔ اعظم خاں نے کہا کہ کل رقم سے سپاہیوں کی ادائیگی کی جائے تاکہ وہ خدا کو منہ دکھا سکے اور مرحوم شہنشاہ (اورنگ زیب) کے قرضوں سے سبکدوش ہو سکے (خوش حال صفحہ 8 ، 9)۔

44 - خفی خاں صفحہ 581 ، 583

45 - خفی خاں اردن نے جلد اول صفحہ 19 پر اس اقتباس کو غلط سمجھا ہے اور اسی لیے بالکل اس کے برعکس تحریر کی ہے۔

46 - شمع خاں کے حالات زندگی کے لیے دیکھئے معاصر الامرا معنفہ شاہ نواز خاں جلد صفحہ 576 اور کتاب ہذا کا باب 2 جو آگے آتا ہے۔

47 - ارادت و خفی خاں صفحہ 573

48 - چہار گزدار شعاعی معنفہ ہرچرن صفحہ 17

49 - خفی خاں صفحہ 583 باجوے تیل کل انواع کی تعداد 85000 گھوڑے اور 45 ہزار پیدل کی قوت کا منظر تھی۔

50 - دیلستان صفحہ 276 ، نسوہ دلکش از ہمیم سین صفحہ 164 - الف

51 - نسوہ دل کشا صفحہ 182 الف - اعظم نے ایک خاص انداز سے فاخرانہ طور پر اعلان

کیا کہ توپ خانے کی مدد سے جنگ کرنا بہادری کے خلاف ہے اس لیے وہ اب صرف تلواروں کے ذریعہ ہی جنگ کرے گا۔

52۔ ارادت ۔

53۔ خلی خاں صفحہ 596

54۔ چنانچہ دانش مند خاں اور بھیم سین کا یہ خیال ہے کہ ”اگر اپنی وفاداری کے تقاضے کے ماتحت نصرت جنگ دوسرے سرداروں کو ساتھ لے کر حملہ میں شرکت کر لیتا اور اگر ذرا دیر کے لیے بھی ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا تو اعظم شاہ کے اور پر جو مصائب کے پہاؤ گرے وہ خارج از امکان ہو جاتے۔ بہادر شاہ نام از نصرت خاں عالی (دانش مند خاں) وہ نسخہ دل کشا از بھیم سین (نولیہ)

55۔ خلی خاں صفحہ 576 پر لکھا ہے کہ شاہ جہاں کے پس انداز کردہ 24 کروڑ میں سے علاؤ چاندی و سونے کے ظروف کے کھروڑ تو قلعہ آگرہ ہی میں سے دستیاب ہوئے تھے یا ایک دوسرے بیان کے مطابق تفصیل اس طرح ہے۔ 13 کروڑ نقد جس میں 100 تولہ سے لے کر تین سو تولہ تک کی اشرفیاں شامل تھیں اور جو خصوصاً تحفہ تحائف کے استعمال کے لیے بنائی گئی تھیں اور اگر کے دور حکومت کی 12 ماہ اور 13 ماہ کی مزید اشرفیاں بھی موجود تھیں۔

باب دوم

مفاہمت یا جبر (الف)

بہادر شاہ

تخت نشینی کے بعد، بہادر شاہ (شاہ عالم) کو مجبوراً ان مسائل سے دوچار ہونا پڑا جو اورنگ زیب سے اس کے جانشینوں کو بطور وراثت ملے تھے۔ مثلاً بگڑی ہوئی مالی حالت، جاگیر داری نظام کے عمل درآمد میں زبردست نقائص کے نتیجے میں امراء کی اخلاقی پستی، ہندو اور مسلمانوں میں ایسے خیالات کی تحریک جو باہمی اختلافات اور شکوک و شبہات کو ہوا دے رہے تھے۔ نظم و نسق کے نفاذ عام مسائل خصوصاً دکن میں جہاں، مرہٹے مغلوں کے لیے ایک درد سر بن گئے تھے، سکھوں کے ساتھ ساتھ برہمنوں اور سیوڈیاؤں کے ساتھ روز افزوں اختلافات اور ان سب کے مجموعی نتائج جو شہنشاہیت کی عظمت و حرمت پر اثر انداز ہو رہے تھے خصوصاً امراء پر جو حکومت کی بڑھتی ہوئی مشکلات سے فائدہ اٹھا کر اپنے اثرات میں اضافہ کرنے کے مواقع تلاش کر رہے تھے۔

درپیش حالات اور اپنی افتاد طبیعت کے پیش نظر ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے بہادر شاہ نے سمجھوتے اور مصالحت کی پالیسی اختیار کی۔

بہادر شاہ نے اپنے والد ماجد اورنگ زیب کی مذہبی عصیت کی پالیسی کو اختیار نہیں کیا اگرچہ وہ خود ایک مذہبی رجحان رکھتا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کبھی کسی درویش کے پاس حاضر ہونے اور اس سے ملنے کے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا، اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح وہ بھی تصوف کا قائل معلوم ہوتا تھا اور اس کے بارے میں شیعہ رجحانات کا کبھی شک بھی نہ تھا۔ وہ ایک ہندو ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور مغلوں کی روایات کے مطابق اس کی شادی بھی ہندو گھرانے ہی میں ہوئی تھی۔ لیکن بایں ہمہ یہ کہنا قدرے دشوار ہے کہ کیا یہ تمام امور اس کے سیاسی اور مذہبی نظریات پر اثر انداز ہوئے یا نہیں۔ معاصر مورخین اس نظریے کی طرف مائل نہیں معلوم ہوتے کہ بہادر شاہ کی سیاسی حکمت عملی کسی قابل لحاظ حد تک اس کے مذہبی نظریات سے متاثر تھی۔ البتہ اس کی تخت نشینی کے ساتھ

ہی حکومت کی مذہبی عصبيت کا ضرور غائب ہو گیا۔

شہزادگی کے زمانے میں بہادر شاہ کے سیاسی نظریات کا معاصر مورخین کو کوئی علم نہیں تھا اس نے متعدد بار دکن کی نیابت کی ذمہ داری سنبھالی لیکن اس کی مصالح سیاسی اور نظم و نسق پر گرفت سے شہنشاہ غیر مطمئن تھا اور اس کی پالیسیوں کو کمزور اور غیر مستحکم سمجھتا تھا اسی وجہ سے اس نے بہادر شاہ کو کبھی بھی کسی طویل عرصہ کے لیے دکن کی خود مختار ذمہ داری نہیں سونپی³۔ بیجا پور اور گوکنڈہ پر آخری اقدامات کے زمانے میں اس پر گوکنڈہ کے حکمران ابوالحسن کے ساتھ سازش کے الزامات عائد کئے گئے اور شہنشاہ نے اس کے نتیجے میں اس کو حراست میں بھی رکھا۔ غنی خاں کے بقول جس نے ان واقعات کے چالیس برس بعد اپنے تاثرات سپرد قلم کیے ہیں شہزادہ گوکنڈہ پر حملہ کرنے کو ایک قسم کی بد عہدی سمجھتا تھا اور اس کا خواہشمند تھا کہ صلح اور جنگ اس کی مرضی کے مطابق ہو کیونکہ وہ ولی عہد تھا اور امکا نی حد تک وہ ابوالحسن کو اپنے مقاصد کے لیے آلہ کار بنانا چاہتا تھا انھیں وجوہات کی بنا پر وہ اپنے تاثرات اپنے لڑکے شہنشاہ ابوالحسن کے لیے معافی نامہ منظور کرانا چاہتا تھا بہادر شاہ کو 1695ء تک حراست میں رکھا گیا تھا۔ پھر اس کو شمال ہند میں آگرہ کا گورنر بنا

کر بھیج دیا گیا۔ بعد ازاں ملتان کی گورنری پر اس کا تقرر ہو گیا۔ 1698ء میں اس کو کابل کا گورنر مقرر کیا گیا اور خصوصاً ہندوستان اور فارس کی سرحد کی نگہداشت کی ذمہ داری اس کے سپرد کی گئی 1700ء میں پنجاب کی گورنری کے لیے بھی اسکو نامزد کیا گیا۔ اس طرح اورنگ زیب کی حکومت کے ایک نہایت اہم دور میں بہادر شاہ مرکزی حکومت کے نظم و نسق کے سیاق و سباق سے غیر متعلق ساربا راجپوتوں کے سلسلے میں یہ پتہ چلتا ہے کہ 1681ء میں بہادر شاہ نے میواڑ کے رانا کے ساتھ ایک تحفیہ صلح نامہ کر رکھا تھا جس کے مطابق اس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ جانشینی

کی جنگ میں شریک ہو تو وہ جزیہ کو ختم کر دیگا اور راجپوتوں کو دوسری اور بہت سی مراعات بھی دے گا بشرطیکہ وہ اس کو فوجی امداد ہم پہنچائیں۔ پتہ یہ چلتا ہے کہ اس قسم کے صلح نامے اعظم اور شہزادہ اکبر کے اور بہت سے راجپوتوں سرداروں کے مابین بھی طے پا چکے تھے⁴۔ اگر ایک طرف اس وقت کے حالات کے پیش نظر راجپوتوں کی سیاسی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ سب ہی شاہزادے ان کو اپنی طرف مائل کرنے اور ان کی مدد حاصل کرنے کے خواہاں تھے لیکن دوسری طرف یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ راجپوتوں کی آپس کی نا اتفاقی اور پھوٹ نے ان کی دوستی کی قیمت گھٹا دی تھی۔ امتداد کے ساتھ ان صلح ناموں اور غیر عددوں کی قیمت بھی کم ہوتی گئی اور جانشینی کی جنگ کے دوران بہادر شاہ کو

راجپوتانہ کے حکمران سرداروں سے کوئی مدد حاصل نہ ہوئی۔

جن حالات کا اوپر حوالہ دیا گیا وہ ان امور کے ذمہ دار معلوم پڑتے ہیں جن کے سبب راجپوتوں اور مرہٹوں کے مسائل کے سلسلے میں بہادر شاہ کے نظریات میں استحکام نہ تھا۔ چنانچہ شروع شروع میں اس کی پالیسی تجربہ اور اس کے نتیجہ میں ناہموار اقدامات کی رہی اور اس کا مقصد یہ رہا کہ مصلحت اور اقتیاط کے ساتھ اہم مسائل اور تنازعات کو مصالحت کی روشنی میں حل کیا جاسکے۔

بہادر شاہ کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ ممتاز عہدہ داروں کے انتخاب اور مصالحت کا تھا۔ اعظم کو شکست دینے کے بعد بہادر شاہ نے اعلان کر دیا کہ وہ کسی شخص کو صرف اس لیے مجرم نہ قرار دے گا کہ اس نے اعظم کا ساتھ دیا۔ کیونکہ اس نے اس کو تسلیم کیا کہ اگر خود اس کے اپنے بیٹے بھی دکن میں ہوتے تو وہ بھی حالات کے تحت اعظم کا ساتھ دینے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ جنھوں نے فوری طور پر خود کو اس کے سامنے پیش کر دیا۔ ان کو ملازمت دینے کے وعدے کیے گئے اور ان کو اورنگ زیب کے عطا کردہ منعوں کی بحالی کا بھی یقین دلایا گیا^{۱۵}۔ گوارلیا میں اسد خاں و ذوالفقار خاں اور دوسرے بہت سوں کو یقین دہانی کے خطوط روانہ کیے گئے اور ان کو دربار میں آنے کی دعوت دی گئی اور دکن سے غازی الدین خاں، فیروز جنگ، چن قلیج خاں اور محمد امین خاں کو طلب کیا گیا؟ شکست خوردہ حریفوں کے معاونین کو مرنار دینے کی پالیسی ہندوستان میں مغلیہ خاندان کی روایات کے عین مطابق تھی۔ نیز یہ پالیسی حکومت کے مفاد میں اور انفرادی طور پر بہادر شاہ کے مفاد میں بھی تھی۔ اس سے بہادر شاہ کے لیے پرانے عالمگیری امراء کی وفاداری حاصل ہو گئی اور اس طرح کام بخش بھی تنہا رہ گیا جو ابھی تک بیجا پور اور حیدر آباد کو اپنی کمزور گرفت میں لیے ہوئے تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ اب جانشینی کی جنگ کو ختم ہی سمجھا جانے لگا تھا۔ اور یہ یقین کیا جانے لگا تھا کہ کام بخش کی شکست کسی لمحہ بھی رونما ہو سکتی ہے قدیم عالم گیری امراء کی خواہشات اور توقعات کو خود اپنے معاونین کے مطالبات کیساتھ منضبط کرنا بہادر شاہ کی حکمت عملی کے لیے ایک سخت امتحان تھا۔ اورنگ زیب کی نام نہاد وصیت میں جس کو بہادر شاہ ظاہر صبیح مانا تھا اور جو اسے باجو کی جنگ کے موقع پر تسلیم کیے جانے کے لیے پیش کی گئی تھی۔ شاہزادگان سے ایک یہ اہم وصیت کی گئی تھی کہ خواہ کوئی شاہزادہ تخت نشینی میں کامیاب ہو، اسد خاں کو پھر حال اور بالضرور وزارت پر قائم رکھے اس شعارش کی بنا پر نیز اس کے ساتھ خاندانی تعلقات اور اپنی خدمات اور تجربات کی بنا پر اسد خاں وزارت کا دعویدار رہا اور میر بخش کا عہدہ اپنے فرزند ذوالفقار علی خاں کے لیے طلب کیا۔ اس کے مطابق

کی جہاں شاہ نے بھی تائید کی جہاں شاہ اس وقت باپ کا بہت چہیتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ بیگم نے بھی اسی کے حق کی حمایت کی⁸۔

بادشاہ کو ذوالفقار خاں کے حق کو تسلیم کرنے میں تو کوئی قباحت ہی نہ تھی کیونکہ اس نے اس کو سات ہزار سات ہزار کے منصب پر فائز کیا تھا اور میر بخشی کا عہدہ دینا بھی اسی کے لیے قبول کر لیا تھا لیکن وزارت کا تو اس نے پہلے ہی سے اپنے معتمد اور وفادار اور آزمودہ ایئر منعم خاں سے وعدہ کر رکھا تھا جس کی خدمات تخت و تاج کے حصول کو ممکن بنانے کے سلسلہ میں پہلے ہی بیان کی جا چکی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ بہادر شاہ اسد خاں اور ذوالفقار خاں جیسے دولتمند اور با اثر امرا کو بھی اپنے سے علیحدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس دشواری کا ایک حل اس طرح نکالا گیا کہ منعم خاں کو تو وزارت سونپی گئی اور اسد خاں کو دکیل مطلق کا وہ قدیم عہدہ سپرد کیا گیا جو شاہ جہاں کے عہد میں آصف خاں کے بعد کسی کے بھی حصہ میں نہ آیا تھا۔ اس عہدہ کو اعظم خاں نے یہ ظاہر تو قبول کر لیا لیکن خفیہ طور پر اس نے ایک عرضداشت پیش کی جس میں وہ تمام حقوق اور مناصب اسد خاں نے اپنے لیے طلب کیے تھے جو آصف خاں کو مخصوص طور پر حاصل تھے۔ ان خصوصی حقوق کا مطلب یہ تھا کہ اس کے دربار میں سب کے سب امراء مع وزیر اعظم پیش ہوا کریں اور اس کے دستخطوں کے لیے وہ تمام خطوط پیش ہوں جو صوبہ داروں، نوبداروں اور دیوانوں وغیرہ کی تفریدی علیحدگی اور منتقلی سے متعلق ہوں ایک نقل ان تمام خبرناموں اور رپورٹوں کی اس کو پیش کی جائے جو صوبہ داروں اور دیوان صاحبان کی بھیجی ہوئی ہوں۔ اور وہ شاہی مہر بھی اس کے قبضہ میں ہو جو تمام فرمانوں پر لگائی جاتی ہے اس کے علاوہ اس نے کچھ اور انفرادی امتیازات بھی طلب کئے مثلاً نو ہزار نو ہزار کا منصب 'توغ ٹپا' لاہور کی گورنری، دیوان عام میں بیٹھنے کا حق اور شاہزادگان کے بعد اپنے نقارے بجانے کا بھی اس کو حق عطا کیا جائے⁹۔

بہادر شاہ کو اسد خاں کے ان فلک بوس مطالبات سے سخت فکر لاحق ہوئی لیکن اس کو خوش کرنے کی غرض سے اس نے اس کے تقریباً سبھی مطالبات تسلیم کر لیے۔ سوائے نو ہزار منصب کے اور دیوان عام میں بیٹھنے کے اس کا سبب یہ بتایا گیا کہ یہ آخری دو حقوق آصف خاں کو اس لیے عطا ہوئے تھے کہ وہ شہنشاہ کا رشتہ دار تھا اس لیے اسد خاں کو آٹھ ہزاری منصب دیا گیا نیز اسے آصف الدولہ کے خطاب سے بھی ملقب کیا گیا۔ منعم خاں کو وزارت کا قلمدان سونپا گیا اور اسے سات

ہزاری منصب دودا سپہ سہ اسپہ اور ایک کروڑ دام انعام عطا ہوئے اور خان خانان کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ نیز اپنی غیر حاضری میں اگرہ کی گورنری بھی اسی کو دی گئی۔ اس کے دو بیٹوں یعنی ہابٹ خاں اور خان زمان کو بالترتیب پانچ ہزاری اور چار ہزاری منصب عطا ہوئے اور ہابٹ خاں کو بخشی سوم کا عہدہ بھی بخشا گیا اور زیادہ تر امراء اور عہدیداران کو ان کے پچھلے ہی منصوبوں پر برقرار رکھا گیا۔¹⁰ لیکن اس سب کے باوجود مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ پرانے امراء اس لئے خوش نہ تھے چونکہ ایک گنام امیر یعنی منعم خاں کو وزارت جیسے منصب اعلیٰ پر فائز کیا گیا تھا۔ خصوصاً اسد خاں اور ذوالفقار خاں کو وزارت نہ ملنے کا بڑا ہی صدمہ تھا۔ دوسری طرف منعم خاں ان شرائط اور قوانین کو ناپسند کرتا تھا جو بظاہر اس کو اسد خاں کا ماتحت قرار دیتے تھے چنانچہ جس روز آصف الدولہ نے بطور دیوان کے اپنا منصب سنبھالا تو خان خانان کے لیے یہ ضروری ہوا کہ وہ اس کی خدمت میں حاضر رہے جس طرح کہ دوسرے وزراء کے لیے بھی لازم تھا اور اس کے دستخط لینا بھی وزیر اعظم کے لیے ناگزیر تھا کیونکہ کوئی فرمان آصف الدولہ کے دستخط کے بغیر مکمل نہ ہو سکتا تھا چونکہ منعم خاں اپنے اقتیارات میں اسد خاں کی مداخلت کو ناپسند کرتا تھا جب اس لیے جب بھی کوئی اہم وزارتی معاملہ درپیش ہوتا تھا وہ آصف الدولہ کو اس معاملہ کی اطلاع ہی نہ کرتا تھا۔¹¹

بالآخر وکیل مطلق کو راستے سے ہٹانے کا ایک بہانہ ہاتھ آ ہی گیا۔ یہ طے پایا کہ چونکہ اسد خاں کو عیش و ثناء کو زندگی بہت عزیز تھی اور وہ عمر بھی ہو چلا تھا اس لیے وہ دہلی چلا جائے اور وہاں سکون کے لمحات گزارے۔ اس فیصلہ کے مطابق اسکو حکم دیا گیا کہ زینت النساء بیگم کو دہلی لے جائے اور اسکو دہلی لاہور اور اجیر کے صوبوں کا ذمہ دار بنا دیا گیا۔ ذوالفقار خاں کو اپنے والد ماجد کا نائب مقرر کیا گیا لیکن اس استثناء کے ساتھ کہ آصف الدولہ کی مہر، تحصیل کاغذات شہری پر دالوں اور سندوں پر ذریعہ سرکی مہر کے بعد لگے گی۔ اس کے علاوہ حکومت کے نظم و نسق میں اس کا کوئی دخل نہ رہے گا۔¹² اس کے کچھ ہی عرصے بعد دکن سے چن قلیج خاں اور محمد امین خاں پہنچ گئے محمد علی خاں کو پانچ ہزاری اور ساٹھ تین ہزاری منصب عطا ہوا اور پہلے تو صدر کے ہی عہدے پر مامور کیا گیا لیکن اس کے فوراً بعد اس کو بٹایا گیا اور مراد آباد اور سنبھل کا فوجدار مقرر کیا گیا۔ یہ ایک اہم منصب تھا کیونکہ مراد آباد کی فوجداری رقبہ کے لحاظ سے ایک پورے صوبے کے برابر تھی۔¹³

چن قلیج خاں کو چھ ہزاری / چھ ہزاری منصب پر ترقی دے کر فائز کیا گیا نیز اس کو خان دوداں کا خطاب عطا کیا گیا اور ادوھ کا گورنر اور گورکھ پور کا فوجدار بھی مقرر کیا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس نے

اس منصب کو کچھ پس و پیش کے ساتھ قبول کیا۔ ایک بنگہ اس کا دل ابھی تک دکن ہی میں پڑا ہوا تھا۔ اور اسی لیے چھ ہفتوں کے بعد اس نے "استعفیٰ پیش کر دیا۔ لیکن منعم خاں کے اشارے پر اس نے اپنا استعفیٰ واپس لے لیا اور اب اسے سات ہزاری کے منصب پر ترقی کے ساتھ فائز کیا گیا۔¹⁶ 1685ء میں جو گرگنڈہ کا محاصرہ ہوا تھا اس میں بہادر شاہ کے قید ہونے اور اس کی اہانت کا ذمہ دار نیروز جنگ تھا اس لیے اسے دبار میں حاضر ہونے کے سلسلہ میں سخت تردد تھا۔

اس کی انتہائی رعایت کرتے ہوئے نیز منعم خاں کے اشارے پر اس کو گجرات کا گورنر مقرر کیا گیا اور اجازت دی گئی کہ وہ شہنشاہ کے سامنے حاضر ہوئے بغیر اپنا عہدہ سنبھالنے کے لیے روانہ ہو سکے۔ دکن میں کام بخش کی موجودگی اس بات کا ثبوت تھی کہ ابھی سلطنت کا ایک اور دعوے دار موجود ہے۔ یہی سبب تھا کہ وہاں کے امراء کے ساتھ ایک نرم پالیسی اختیار کی گئی اور اسی لیے نیروز جنگ کے دبار میں حاضر ہونے سے گستاخانہ انکار کو محض اس خوف و ہراس پر محمول کر کے مٹا دیا گیا¹⁷ اس کے بعد کے عرصہ میں نیروز جنگ پیش قلیچ خاں اور محمد امین خاں حکومت کی پالیسی پر کچھ خاص اثر انداز نہ رہے۔ کچھ مصنفین نے اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ شاید منعم خاں اور بہادر شاہ کے دل میں ان لوگوں کی طرف سے کشمکش تھی¹⁸ لیکن اس گروہ کی دل شکنی کا اصل سبب یہ تھا کہ انہیں اپنے حقوق کی پائمالی کا بڑا احساس تھا نیز یہ لوگ راجپوتوں اور مرہٹوں وغیرہ کے ساتھ بہادر شاہ کی نرم پالیسی اور مراعات پر بھی انصردہ تھے جو بہادر شاہ نے منعم خاں اور ذوالفقار خاں کے اشارے پر اختیار کر رکھی تھی انہیں اس کی بنا پر یہ لوگ حکومت کے نظم و نسق کے حجان اور اس کی پالیسی سے خود کو غیر متعلق سمجھتے تھے۔¹⁹

1710ء میں نیروز جنگ کی وفات اس گروہ کی مزید کمزوری کا باعث ہوئی۔ تقریباً اسی زمانے میں جن قلیچ خاں نے اپنے منصب اور اپنی ذمہ داری سے استعفیٰ دے دیا۔ اور سبکدوش ہو کر دہلی میں عزلت کی زندگی گزارنے لگے۔²⁰

اس طرح اب بساط سلطنت پر صرف دو ہی اہم شخصیتیں باقی رہ گئیں یعنی وزیر اعظم منعم خاں اور میر بخشی ذوالفقار خاں بہادر شاہ کے دربار میں جو سیاسی کشمکش تھی وہ اب ان دو شخصیتوں کی طاقت آزمائی میں مرکوز ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ طاقت آزمائی محض انفرادی یا شخصی نہ تھی۔ بلکہ یہ سیاسی حاشیہ آزمائیاں بھی رکھتی تھی۔ ذوالفقار خاں کھلے طور پر راجپوتوں اور مرہٹوں کے ساتھ دور رس رعایتی پالیسی کا خواہاں تھا اور یہ اس مقصد سے کہ اس قلیچ کو ہمارا کیا جاسکے جو ان تو

اور حکومت کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔ یہ اس کے اس عمل سے بھی مترشح ہوتا تھا جس کے تحت اس نے اعظم شاہ کو بطور مشیر خاص کے دکن سے تخت و تاج کی طاقت آزمائی کرنے کے لیے روانہ ہونے کا مشورہ دیا تھا۔ منغم خاں اپنے کردار اور اپنے نظریات میں بہادر شاہ سے بہت قریب تھا۔ بہادر شاہ کی طرح وہ بھی صوفیانہ خیالات سے متاثر تھا۔ اس کے بارے میں یہ بھی شہور تھا کہ اس نے تصوف کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی تھی جس پر مذہبی دائروں کے سخت گیر علماء بہت چراغ پاتھے۔²¹ نیز بہادر شاہ کی طرح وہ بھی سمجھوتے اور امن و صلح کی پالیسی کی طرف رجحان رکھتا تھا۔ وہ کسی حد تک اس خیاضانہ پالیسی پر بھی اثر انداز تھا جس کے تحت ان پرانے عالمگیری مہمل کے ساتھ رعایتی سلوک برتا گیا جنھوں نے کہ اعظم کا ساتھ دیا تھا۔ تاہم ایک ایسا امیر ہونے کے باعث جو حال ہی میں عروج پر پہنچا تھا اس میں ابھی سیاسی اور انتظامی سوجھ بوجھ کی کمی تھی اسی لیے اس سے موجودہ پالیسی میں تبدیلی کرنے ہوئے پس و پیش ہوتا تھا نیز ایسے اقدامات پر بھی اسے تردد تھا حالات جن کے متقاضی تھے اس کی میانہ روی کی پالیسی سے کوئی مطمئن نہ تھا۔ اور بالآخر اسی سبب سے ایسے حالات پیدا ہو گئے جن میں حکومت کے مسائل اور بھی الجھ گئے اور دربار میں جوگزینوں اور افراد کے درمیان کشمکش تھی وہ اور سخت ہو گئی۔

راجپوتوں کا مسئلہ (ب)

مندرجہ بالا معاملات کے بعد راجپوتوں کے مسئلہ نے بہادر شاہ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا۔ خانہ جنگی کے دوران اعظم اور بہادر شاہ دونوں نے ہی راجپوتوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اعظم نے اجیت سنگھ اور جے سنگھ کو مہاراجہ اور مرزا راجہ کے خطابات عطا کئے اور سات ہزاری منصب سے بھی سرفراز کیا نیز دونوں کو علی الترتیب گجرات اور مالوہ کی گورنری بخشی۔²² جے سنگھ اعظم سے مالوہ میں آلا تھا لیکن اس نے جاجو کی جنگ میں اعظم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ تاہم اس کو بہادر شاہ سے کچھ خاص مراعات حاصل نہ ہوئیں کیونکہ بہادر شاہ سے جے سنگھ کا چھوٹا بھائی دے سنگھ مل گیا تھا۔ اجیت سنگھ رنجیت میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی شامل نہ ہوا بلکہ اس نے اس خانہ جنگی سے یہ فائدہ اٹھایا کہ جو دھ پور سے مغل سپہ سالار کو برطرف کر دیا۔ اس نے نہ تو دربار میں حاضری دی اور نہ بہادر شاہ کی تخت نشینی پر اسے رسمی مبارکباد بھیجی۔ اس کے بارے میں بھی کہا گیا کہ وہ جو دھ پور میں مسلمانوں پر سختیاں کر رہا ہے اس نے گادگشی کو ممنوع قرار دیا تھا آذان دینے پر بھی پابندی

لگادی تھی اور وہ ان مساجد کو منہدم کر رہا تھا جو پہلی حکومت کے دوران مندروں کو توڑ کر بنائی گئی تھیں اور پہلے مندروں کی مرمت کر رہا تھا اور نئے مندروں کی بنیادیں رکھ رہا تھا یہی بتایا گیا کہ اودے پور کا لانا اور جہاں جے سنگھ اس کی زبردست معاونت کر رہے ہیں۔²³ اس لیے اکتوبر 9، 1707 کو ایک جنگ کا فیصلہ کیا گیا جس کا مقصد اجیت سنگھ کو منزادینا اور اس کے گردہ کو پارہ کر دینا تھا۔ محراب خاں کو جو دھ پور کا فوجدار مقرر کیا گیا۔ ارزو مبر کو شہشاہ بنات خود امیر اور امیر کے راستہ سے راجپوتانہ کے لیے روانہ ہوا۔²⁴ خراماں خراماں چلتے ہوئے، شاہی لشکر جنوری 1708 کے اوائل میں جے سنگھ کے دارا سلطنت امیر بیچا۔ بہادر شاہ نے حکم دیا کہ چونکہ جے سنگھ اور وجے سنگھ دونوں بھائیوں کے درمیان کچواہا کی راج گدی کے سلسلے میں تنازعہ تھا۔ ان کی ریاست کو شاہی عملداری میں لے کر ضبط کر لیا جائے اور شہر کا نام بدل کر اسلام آباد رکھ دیا جائے اور وہاں سید احمد سعید خاں بارہ کا تقرر بطور نئے فوجدار کے کر دیا جائے۔²⁵ شہنشاہ نے تین روز تک امیر میں پڑاؤ کیا اور اس دوران میں شہر کے باشندے شہر سے کوچ کر کے اس کو دیران کر گئے۔ مٹھدی صاحبان جے سنگھ کی املاک کو ضبط کرنے کے لیے روانہ ہوئے لیکن جلد ہی ان املاک کو واپس کر دیا گیا۔ اور حکومت وجے سنگھ کو سونپ دی گئی۔²⁶

یہ بات صاف طور پر واضح نہیں ہے کہ بہادر شاہ کے اس عمل کا اصل مقصد کیا تھا بظاہر یہ مترشح نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی ارادہ امیر پر مغل حکومت کو بے واسطہ طور پر مسلط کرنے کا تھا اس نے راج گدی کے تنازعے سے فائدہ اٹھا کر تخت کو خاندان کی اس شاخ کے ہاتھ سے نکال دیا جس پر اسے بحروسہ نہیں تھا۔ اور اسے خاندان کی دوسری شاخ کے سپرد کر دیا جے سنگھ نے خانہ جنگی میں اعظم کا ساتھ دیا تھا۔ مزید برآں اس پر یہ بھی شک تھا کہ وہ اجیت سنگھ کے ساتھ مل کر جو دھ پور پر حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کر رہا تھا۔²⁷ دوسری طرف جے سنگھ کا چھوٹا بھائی، وجے سنگھ کابل میں بہادر شاہ سے مل چکا تھا اور جاجو کی جنگ میں اس نے مکمل تعاون کیا تھا لیکن ریاست وجے سنگھ کے حوالے فوراً ہی نہیں کی گئی۔ جیسا کہ ان معاملات میں مغلوں کا دستور تھا پہلے تو اس کو خالصہ کی تویت میں دیا گیا تاکہ مقامی بد امنی کو روکا جاسکے اور ضروری تبدیلی سہولت کے ساتھ عمل میں آ سکے۔²⁸ چنانچہ ایک ہم عصر مورخ لکھتا ہے کہ میواڑ کے فوجدار سید حسین خاں بارہ کو امیر احمد شاہی تختہ قائم کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ امیر ہی کچواہا کے راجاؤں کا پایہ تخت تھا اور یہ اس وقت تک جب تک کہ راجہ جے سنگھ کے آدمیوں کو وہاں سے نکالا جائے۔²⁹ چنانچہ جب رعایت کو وجے سنگھ

کو سوئپ دیا گیا تب بھی ریاست کا پایہ تخت شاہی فوجدار کے محاصرہ میں جاری رہا۔³⁰ پس امیر میں بہادر شاہ نے جو اقدام کیا وہ اورنگ زیب کے اس عمل سے مشابہ ہے جو اس نے جسوت سنگھ کی وفات پر جو ردھپڑ میں اختیار کیا تھا اس کے مقاصد بھی شاید یکساں ہی تھے یعنی راجپوتانہ پر زیادہ سے زیادہ قابو کرنا اور وہاں سے گزرنے والے تجارتی راستوں پر تسلط کرنا۔ جیسے ہی بہادر شاہ ابیر سے آگے بڑھا، اودھ پور کے رانا امر سنگھ نے اپنے ملک پر حملے کے خطرہ کو اس طرح ٹالاکہ اپنے بھائی بخت سنگھ کو مبارکباد کا خط دے کر ستے شہنشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور نذر کے طور پر ایک سوا اشرفیاں ایک ہزار روپے سونے کے ساز سے مرصع دو گھوڑے، ایک ہاتھی اور توپوں اور غیر ہتھیاریں۔ اس پر بھی اس کی بدگمانیاں اس حد تک تھیں کہ وہ اپنے پایہ تخت سے فرار ہو گیا اور اپنے خاندان و املاک وغیرہ کو پہاڑیوں میں چھپا دیا کیونکہ شاہی فوج اس کی سرحد کے قریب تک آ پہنچی تھی۔ لیکن شہنشاہ نے ازراہ عنایت اس کا نذرانہ قبول کر لیا۔

جب بہادر شاہ امیر کے قریب پہنچا تو اسے اجیت سنگھ کی طرف سے صلح کے پیغامات وصول ہوئے لیکن یہ پیغامات قبول نہ کیے جاسکے۔ وراں اثناء جو دھ پور کا نامزد فوجدار محراب خاں³¹ مراٹھا کے قریب پہنچ گیا اور اجیت کی زیر کمان ایک فوج کو شکست دے کر وہ شہر پر قابض ہو گیا اب درگاداس اور اجیت سنگھ کو دربار میں حاضر ہونے کے فرمان بھیجے گئے۔ اجیت سنگھ نے جو جواب بھیجا اس میں اس نے معافی کی درخواست کی لیکن شہنشاہ کے ارادوں کے بارے میں اپنے شکوک کا اظہار بھی کیا۔ چنانچہ منعم خاں کے صاحبزادے خان زمان کو راجہ بدھ سنگھ ہارا اور نجابت خان کی معیت میں اجیت سنگھ سے ملنے اور اس کی تسلی کے لیے روانہ کیا گیا۔³² 24 فروری کو اجیت سنگھ نے قانونی طور پر مراٹھا کے مقام پر خود کو شہنشاہ کے حوالے کر دیا۔ اس کا عزت کے ساتھ استقبال کیا گیا اور اس کو قدیم تین ہزاری اور ساٹھ تین ہزاری منصب پر بحال کر دیا گیا جس پر وہ پہلے سے فائز تھا اور ہراجہ کے خطاب سے بھی سرفراز کیا گیا اور اس کے علاوہ اور بہت سے تحفے تحائف سے بھی نوازا گیا اس کے دو بیٹوں کو اعلیٰ عہدے پر مقرر کیا گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ قاضی خاں اور محمد غوث مفتی کو جو دھ پور میں دوبارہ اسلام کو مضبوط کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔³³ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اورنگ زیب کے زمانے میں وہاں جو حالات تھے انھیں حالات کو دوبارہ پیدا کر دیا گیا۔

کچھ جدید مورخین نے بہادر شاہ پر دھوکہ دہی کا الزام عائد کیا ہے۔ اور انھوں نے یہ کہہ ہے

کہ خواجہ خاں کو چوری سے جو دھپور پر قابض ہونے کے لیے بھیجا گیا تھا اور جب اجیت کو اس کا علم ہوا تو وہ غصہ کی آگ سے مل اٹھا۔³⁴ لیکن خفی خاں واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ اجیت سنگھ عاجزی کے ساتھ خود اس پر راضی ہو گیا تھا کہ خان زماں اور قاضی القضاۃ قاضی خاں اس عرض سے جو دھپور آئیں کہ دوبارہ مساجد تعمیر کریں، مندروں کا انہدام کریں۔ اذان کے لیے احکام شرعی نافذ کریں اور گاؤں کشی کو بحال کریں اور منصفوں اور جزیہ جمع کرنے والے حاکموں کا تقرر کریں۔ مصنف مذکور مزید لکھتا ہے کہ اجیت سنگھ کی یہ درخواست قبول ہوئی اور اس کی خطاؤں کو درگزر کیا گیا اور قاضی، مفتی، موزن اور امام وغیرہ قسم کے دوسرے اہل کاروں کو جو دھپور اور قرب وجوار کی آبادیوں میں مقرر کیا گیا۔³⁵

اس لیے بہادر شاہ پر صلح نامے کے شرائط سے انحراف کا الزام غلط معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں بھی قطعاً شبہ نہیں ہے کہ اجیت سنگھ جو دھپور کے ہاتھ سے نکل جانے پر خوش نہ تھا۔ سلطنت کی مستند ترین تاریخ کے مطابق اجیت سنگھ نے متعدد بار جو دھپور کی بحالی کے لیے درخواست پیش کی لیکن چونکہ وہ اپنے دل میں بغاوت اور نقص امن کے ارادے چھپائے ہوئے تھا اس لیے شہنشاہ نے جس پر سب کچھ روشنی تھا اس کی درخواست نامنظور کر دی۔³⁶

راجپوتوں پر عدم اعتماد کی بنا پر اور شاہی رعب اور دبدبے کو ان پر قلم رکھنے کے لیے بہادر شاہ نے جو دھپور پر اپنا تسلط رکھنا مناسب سمجھا۔ وہاں پر جزیہ بھی مائدہ کیا گیا۔³⁷ اس سے بھی زیادہ برا یہ ہوا کہ اجیت سنگھ اور جے سنگھ کو شاہی کیمپ میں نیم نظربندی کی حالت میں رکھا گیا اور شہنشاہ خود کام بخش کی سرکوبی کے لیے دکن کی طرف روانہ ہو گیا۔ ادھر 30 اپریل 1708 کو دونوں راجاؤں نے شاہی کیمپ سے راہ فرار اختیار کی لیکن اس وقت شہنشاہ کام بخش خالی بہم کو نسبتاً زیادہ اہم سمجھتا تھا اور اس لیے اس نے فرار شدہ راجاؤں کا تعاقب کرنے کا حکم جاری نہیں کیا۔ یہ اصل بہادر شاہ کی اس راجپوت پالیسی کی ناکامیابی کا اشاریہ تھا، جو اس نے منم خاں کے مشورے سے اختیار کی تھی۔ ایک ہم عصر صاحب قلم مرزا محمد نے منم خاں پر سخت تنقید کی ہے اور اس نے اس پالیسی کو یہ کہہ کر ناکارہ قرار دیا ہے کہ یہ غلط اصولوں پر مبنی تھی، اس کی رائے ہے کہ انھیں (اجیت سنگھ اور جے سنگھ کو اعتماد دلانا چاہیے تھا اور ان کے ساتھ مردت اور مراعات کا راستہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ لیکن وزیراعظم منم خاں ان سب پہلوؤں کی طرف سے غافل رہا بلکہ اپنے شہنشاہ کو یہ سمجھایا کہ ان لوگوں کو میٹھے میٹھے الفاظ اور جھوٹے وعدوں کے ساتھ ٹال دیا جائے۔ اور ان کی

الٹک کو شاہی حکام کے سپرد کر دیا جائے اور ان کو بڑی بڑی جاگیروں کے وعدوں کا لالچ دلا کر دربار میں رکھا جائے اور ان کے معاملات کو اس مدت تک طول دیا جائے جب تک کہ کام بخش کو کام تمام نہ ہو جائے۔ اس کے بعد جیسا مناسب ہو گا کر دیا جائے گا اسی اثناء میں راجپوتوں کی بغاوت کو کچل دیا جائے گا اور ان کی طاقت کا قلع قمع کر دیا جائے گا۔³⁹

نظر بندی سے فرار ہو کر بے سنگھ اور اجیت سنگھ اودے پور پہنچے جہاں پر انھوں نے ہمارا نا کے ساتھ مغلوں کے خلاف متحد ہو کر لڑنے کے لیے ایک عازم بنانے کا فیصلہ کیا۔ اگر راجپوت بدایات پر یقین کیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ راجپوت راجاؤں نے نہ صرف اپنے مالک کو واپس لینے کا منصوبہ بنایا بلکہ اس کا بھی کر مغلوں کے اثرات کو راجپوتانہ سے بالکل ختم کر دیا جائے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ پورے ہندوستان کو اپنے زیر اثر ملے آنے کا خواب دیکھنے لگے۔⁴⁰

عازم بندی کے مشورے کے بعد بے سنگھ نے جودھ پور پر حملہ کیا اور اس پر اپنا قبضہ جمایا اور بے سنگھ نے اسیر کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ بعد ازاں انھوں نے ہندوان اور بیانہ کی مغلیں چوکیوں پر بھی لشکر کشی کی۔ جب شہنشاہ کو اس راجپوت بغاوت کا علم ہوا۔ اس نے اسد خاں ذکیل مطلق کو دہلی سے آگرہ روانہ ہونے کا حکم دیا اور اس بغاوت کو دبانے کے لیے اقدامات کیے تو کہا۔ متعدد سپہ سالاروں اور فوجی سرداروں کو اس کی معاونت کا حکم دیا گیا ان سالاروں اور سرداروں میں جن قلع خاں، خاں دوراں صوبہ دار اودھ، خان جہان، صوبہ دار الہ آباد اور محمد امین خاں فیدل مراد آباد شامل تھے۔ لیکن ان امرائے کوئی جنبش نہ کی ان کی بجائے اسد خاں اور ذوالفقار خاں نے جو بظاہر منعم خاں کی راجپوت پالیسی سے متفق نہ تھے، بے سنگھ اور اجیت سنگھ سے گفت و شنید شروع کی۔⁴¹

اسی اثناء میں 1708ء کا برسات کا موسم ختم ہوا۔ راجپوت فوجوں نے اجیر کے نواح پر لشکر کشی شروع کی اور گیارہ روز تک شہر کا محاصرہ کیے رہے یہاں تک کہ صوبہ دار سید شجاعت خاں بارہنے ان کو پسپا کر دیا۔ اس کے بعد انھوں نے سامبر پر حملہ کیا۔ ایک لڑائی کے حادثہ میں شہر سردار سید حسین خان کام آیا۔ اور اس طرح راجپوتوں کو ایک شاندار فتح نصیب ہوئی۔ لیکن اس کے علاوہ انھیں کہیں اور کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور محض لوٹ مار پر ہی قانع رہے راجپوتوں کی یہ مختصر سی کامیابی بھی شاہی وقار کو صدمہ پہنچانے کے لیے کافی تھی۔ مرزا محمد بکر تلخ پے میں کہتا ہے: "اگر کوئی ایسا پیرانا تجربہ کار امیر جس کے ہمراہی میں آزمودہ کار لوگ ہوتے اجیر

کا صوبہ دار مقرر کیا جاتا اور دوجری اور ہر دھڑ سدا ضروری اسلحہ جات سے ایس ہو کر جو دھڑ کے اوپر مسلط کیے جاتے تو راجپوتوں کی بھلا کوئی طاقت تھی جو اپنے ممالک کو واپس لے سکتے۔ سید حسین خاں بارہ ایک جبری اور بہادر انسان تو ضرور تھا لیکن وہ ایک نیا ترقی یافتہ امیر تھا اور اسے لوگوں کا اعتماد حاصل نہ تھا اور نہ اس کے پاس حالات کا سامنا کرنے کے لیے دافر سامان ہی موجود تھا۔⁴³

۴ اکتوبر 1708 کو راجپوت راجاؤں کو ان کے منصب پر بحال کروا گیا اور یہ اسد خاں اور شاہزادہ عظیم الشان کے مشورے سے ہوا جو اس وقت باپ کا بڑا چیتا تھا۔⁴⁴ لیکن ان کے پاپیہ تخت (وطن جاگیر) کو لوٹانے کا مسئلہ ابھی طے نہیں ہوا تھا۔ اسد خاں نے جو کہ لاہور دہلی اور اجیر کے صوبوں کا مختار کل تھا راجاؤں کو ان کے وطن مالوٹ کی سندیں دینا طے کیں بشرطیکہ وہ اپنے تعلقہ سامعہ اور دیدوانہ سے ہاتھ اٹھائیں اور کابل اور گجرات میں تقرر کیے جانے پر رضی ہوں یہی راجے اب ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کو تیار نہ تھے نہ اپنے گھروں سے دور جا کر کوئی عہدہ لینے کو تیار تھے اور مالوہ اور گجرات کی صوبے داری کا مطالبہ کرنے لگے۔⁴⁵

فروری 1709 میں کام بخش کو شکست دینے کے بعد بہادر شاہ نے دوبارہ اپنی توجہ راجپوتوں پر مرکوز کی۔ وہاں راجاؤں کو ان کے منصبوں پر بحال کیے جانے کے بعد اکتوبر 1708 سے ایک ناقابل اعتبار جنگ بندی چل رہی تھی۔⁴⁶ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دربار میں ایک طاقتور گروہ راجپوتوں کے خلاف ایک سخت اور درشت پالیسی اپنانے کے حق میں تھا۔ چنانچہ اجیر میں غازی الدین فیروز جنگ کا تقرر ہوا اور اس کو حکم ہوا کہ فوری طور پر احمد آباد سے اپنے نئے منصب کو سنبھالنے کے لیے روانہ ہو جائے۔⁴⁷ ایک جبریہ تھی کہ شہنشاہ راجپوتوں کو سزا دینے کی غرض سے اور انھیں سبق دینے کا تہیہ کیے ہوئے تھا۔ خائف ہو کر راجپوتوں نے اپنے پرانے ہمدردوں یعنی اسد خاں اور شاہزادہ عظیم الشان سے بیچ بیچنے کی درخواست کی۔⁴⁸

ان موثر شخصیتوں کے بیچ میں پڑ جانے سے اور ساتھ ہی ساتھ پنجاب میں سکھ بغاوت کی خبروں کے اٹھنے معاہدات کی پالیسی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ سکھوں کی بغاوت کا علم شہنشاہ کو دسمبر 1709 میں نرملا کے قریب ہوا۔⁴⁹ اس کے فوراً بعد یہ خبر آئی کہ دزب خاں سرہند کا فوجدار بارہ کے ہم نواؤں کے ہاتھ مار گیا۔ شاہی پاپیہ تخت کے قریب اور شمال مغربی سرحد کے نازک مقام کے پاس سکھوں کی بغاوت کے اسکاکی اثرات کو راجپوتوں کے طول طویل معاملوں سے زیادہ اہم تصور کیا

گیا۔ سوا اقل ذکر تو مغلوں کے پرانے معاونین تھے اور جیسا کہ ایک مصنف کہتا ہے ”وہ نسلوں اور صدیوں سے (مغل شہنشاہوں کے) علوم رہنے کے حامی ہو گئے تھے: اس کا امکان نہ سمجھا گیا کہ اگر ان کو ان کے قدیمی اور آبائی علاقوں پر قابض رہنے دیا گیا تو وہ ملک گیری کے لیے کوئی اقدام کریں گے“⁵⁰

اس لیے راجپوت راجاؤں سے بہت تیزی کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا۔ ان کے آبائی علاقے انھیں واپس کر دیئے گئے اور ان کا مطالبہ بھی قبول کر لیا گیا کہ وہ شہنشاہ سے اس کی نقل و حرکت کے درمیان (سرسوا ری یعنی دربار میں نہیں) ہی گفتگو کر سکیں گے اور وہاں تک شاہزادہ غلام شاہ ان کی رہنمائی کرے گا یہ بھی طے پایا کہ شہنشاہ کے سامنے حاضری کے بعد انھیں چھ ماہ کی رخصت ملے گی اور اس کے بعد ان کا جہاں بھی تقرر کیا جائے گا وہ وہاں جا کر اپنے فرائض منصبی انجام دیں گے 21 جون 1710 کو جبکہ شہنشاہ سفر میں تھا اس کے حضور منعم خاں کے فرزند ہبابت خان نے دورا جاؤں کو پیش کیا۔ دستور کے مطابق آداب و تحائف پیش کرنے کے بعد انھیں چھ مہینے کی ہولت گھر واپس جانے کے لیے دی گئی۔⁵¹

یہ شرائط جن کے بارے میں ایکہ م عمر لکھتا ہے کہ ”یہ حد سے زیادہ متجاوز تھیں“⁵² اور ایک دوسرا م عمر کہتا ہے کہ وہ شہنشاہ کے وقار اور اس کی حکمت عملی کے خلاف نہیں تھیں۔⁵³ یقیناً راجپوتوں کے ساتھ صلح اور امن کی پالیسی کی طرف ایک پہلا قدم ہو سکتی تھیں۔ بہادر شاہ بہت خواہشمند تھا کہ راجپوت سکھوں کے خلاف اس کی اعانت کر سکیں اور یہ بھی چاہتا تھا کہ مرہٹوں کے خلاف بھی کام آسکیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ پہلے کی طرح راجپوتوں کو اب بھی مغل سلطنت کا دہتا بازو بنائے رکھنے اور محافظ و معاون کی طرح قائم رکھنا چاہتا تھا لیکن ایسی پالیسی کی کامیابی کے لیے ایک نیا فیضانہ سلوک کی ضرورت تھی نہ کہ شک و شبہ کی۔ راجپوت راجا نہ صرف آبائی علاقوں کی واپسی چاہتے تھے بلکہ یہ بھی کہ پہلے کی طرح انھیں بلند منصب عطا کیے جائیں اور انھیں مالوہ اور گجرات جیسے اہم صوبوں کا صوبہ دار مقرر کیا جائے۔⁵⁴ یہ دونوں صوبے ان کے آبائی علاقے سے بھی متصل تھے اور یوں بھی ایک دوسرے کے قریب تھے اور اپنی بے اعتمادی کی وجہ سے دونوں راجا ان صوبوں کے صوبہ دار مقرر کیے جانے کو شہنشاہ کے اعتماد اور بھروسہ کا ایک ثبوت سمجھتے تھے۔

بہادر شاہ کی حکومت کی باقی مدت میں بھی راجپوتوں کے معاملات ایک ہی حالت پر قائم رہے منعم خاں راجپوت راجاؤں کی اس مانگ کو قبول کرنے کو تیار نہ تھا کہ انھیں مالوہ اور گجرات کے صوبوں کا صوبہ دار مقرر کیا جائے۔ اس نے ان کے بجائے انھیں کابل اور گجرات کی تقرری قبول

کرنے کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ عظیم الشان نے جو خود کو راجپوتوں کا دوست بنا کر پیش کرتا تھا ان سے شرتی ملا توں کی تعزری کا وعدہ کیا اور عدم تعزری کی حالت میں وطن کو واپس جانے کی رخصت کا یقین بھی دلایا بشرطیکہ وہ دربار میں حاضر ہوں⁵⁵ لیکن راجپوت راجا ان تجویزوں میں سے کسی ایک کو بھی ماننے کے لیے تیار نہ تھے اس لیے وہ دربار میں حاضری کو ملنے کی کوشش کرتے تھے یہ کہیں اکتوبر 1711 میں جا کر ممکن ہوا اور وہ بھی بار بار کے بلا سے کے بعد اور چھ مہینے کی رخصت ختم ہونے کے بھی پندرہ مہینے بعد کہ دونوں راجہ دربار میں اپنے فرائض ادا کرنے کے لیے حاضر ہوئے⁵⁶ اس وقت تک منعم خاں فوت ہو چکا تھا اور تمام معاملات کا مرکز شاہزادہ عظیم الشان بنا ہوا تھا۔ راجاؤں کا تقرر سادھو را کے لیے کیا گیا جہاں انھوں نے ایک بڑی فوج کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کیے اور پہاڑ کے دامن کو باندھ دے گئے۔ گروہ کے حملوں سے محفوظ رکھا⁵⁷

ڈھائی مہینے کے بعد بے سنگھ کو احمد آباد کھو راعن چتر کوٹ کا فوجدار مقرر کیا گیا اور اجیت سنگھ کو گجرات کے سوراٹھ کا⁵⁸ یہ تقرر راجپوتوں کی توقعات سے کہیں کم تھے⁵⁹ اس لیے انھوں نے فوج لوٹ جانے کی درخواست پیش کی۔ اپنے وعدہ کے مطابق شہنشاہ نے اس سے اتفاق کیا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اپنے پیچھے ایک چوکی چھوڑتے جائیں اور جنوری 1712ء میں یہ دونوں راجے وطن کے لیے روانہ ہوئے⁶⁰

اس طرح بہادر شاہ کی راجپوت پالیسی میں ایک ارتقائی تبدیلی رونما ہوئی۔ پہلے تو اس نے جو دھپہ پر بزدل شمشیر مغلوں کا تسلط قائم رکھنا چاہا اور راجپوتانہ پر اپنا اثر اس طرح بڑھانا چاہا کہ بے سنگھ کو امیر کی گدی سے ہٹا کر اس کے چھوٹے بھائی کو گدی نشین کیا اور امیر میں بیک شاہی فوجدار کو رہنے کا حکم دیا اس سے راجپوتانہ میں ایک بغاوت پھیل گئی اور وہ بھی اس وقت جبکہ بہادر شاہ دکن میں کام کر رہے تھے۔ کچھ حالات سے مجبور ہو کر اور کچھ دربار کے اس گروہ کے زیر اثر جو راجپوتوں کے ساتھ ایک رعایتی پالیسی کا حامی تھا، بہادر شاہ نے بے سنگھ اور اجیت سنگھ کو ان کے پایہ تخت اور آبائی علاقے واپس کر دیئے لیکن اتنے پر بھی راجاؤں کو اس قسم کے منصب دینے سے انکار کر دیا جس طرح کہ وہ چاہتے تھے۔

اس طرح راجپوتوں کے درمیان جو خلیج مائل ہو گئی تھی وہ خلیج تنگ تو ضرور ہو گئی لیکن ختم نہ کی

جاسکے۔

دکن کا مسئلہ

دکن کا مسئلہ جیسا کہ پہلے ہی خوب واضح کر دیا گیا ہے ان دشوار مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ خاجن کا مغلوں کو سترہویں صدی کے آغاز سے سامنا کرنا پڑا۔ اور بہادر شاہ بھی زیادہ عرصہ تک اس سے بے خبر نہ رہ سکتا تھا اس مسئلہ کو دوہری ذمیت کا مسئلہ کہا جاسکتا ہے پہلے تو مغربی مہل برودہ علاقہ جہاں مرہٹی زبان بولی جاتی تھی اور جہاں شیواجی نے آزادی یعنی سواراج حاصل کرنے کی تحریک چلائی تھی۔ دوسرے میسور تک دکنی پہاڑ کا مسئلہ ایک زرخیز اور نہایت ہی فائدہ مند علاقہ جس پر کہ اکثر شمالی فوجوں نے لوٹ مار چائی تھی لیکن جس پر شمالی ہندوستان کی مکمل حکمرانی کا امکان شاید ہی نظر آتا تھا۔ مغل حکمران ایک عرصہ سے اس علاقہ کی دولت کو لپٹائی ہوئی نظروں سے یکھ رہے تھے لیکن اس کو مغل سلطنت کے ماتحت لانے کی مستقل کوشش تقریباً 1776ء ہی شروع ہوئی۔ شیواجی کے وقت سے مرہٹہ لوگ اس علاقے سے جوتھ اور سرحدیں بھی وصول کر رہے تھے جو ان کی تمام انگلنداری کا 35 فی صد ہوتا تھا۔

بہادر شاہ کی تخت نشینی کے وقت یہ مسئلہ اس سے اور بھی الجھ گیا تھا کہ وہاں سلطنت کا ایک دعوے دار موجود تھا یعنی کام بخش جس نے اپنا سکہ بھی رائج کر رکھا تھا اور جو اپنے نام کا خطبہ بھی پڑھواتا تھا اور اس طرح گویا اس نے اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ اورنگ زیب نے پٹھار پر چڑھائی کر کے وہاں کی خود مختار سلطنتوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس دوہرے سسکو کو سلجھانے کے لیے یعنی ان علاقوں میں یکساں نظم و نسق قائم کرنے اور مرہٹوں کی بغاوت کو دبانے کے لیے اورنگ زیب نے اپنی عمر کے آخری چھبیس سال دکن ہی میں گزارے تھے۔

لیکن ان دشواریوں کے باعث جن کا پہلے ہی ذکر کیا جا چکا ہے صرف محدود کامیابی حاصل ہوئی اس کے مرنے کے بعد مسئلہ اور بھی الجھ گیا۔ امرا پہلے ہی سے دکن میں اس طویل قیام سے دل شکستہ ہو چکے تھے کیونکہ وہ شمالی ہند سے سینکڑوں میل دور تھے جس کو کہ وہ اپنا اصلی وطن سمجھتے تھے۔ کسی نہ کسی حکمران کے لیے اتنا اثر قیام کر لینا آسان نہ تھا جو ان کو دکن میں مزید قیام کرنے پر مجبور کر سکتا۔ علاوہ ازیں دکن ہی پر مستقل توجہ مرکوز کیے رہنا شمالی ہند کے لیے نقصان رساں ہو سکتا تھا جبکہ مغل سلطنت شمالی ہندوستان کے وسائل کے بل بوتے پر قائم تھی۔

اورنگ زیب کی طرف جو سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز منسوب کی جاتی تھی اس کا مقصد بظاہر دونوں مسئلوں کا حل کرنا معلوم ہوتا تھا یعنی مغل سلطنت کا پورے ملک پر تسلط قائم ہو جانا اور ساتھ ہی ساتھ دکن میں ایک ایسا دفاعی مرکز قائم کرنا جو مرہٹوں کے خطرے پر قابو پانے کے لائق مضبوط اور طاقتور ہو۔ اس تجویز کے ماتحت ملک کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا پہلا گوکنڈہ اور بیجاپور کے زیر اثر علاقہ تو کام بخش کو سونپ دیا گیا۔ دوسرا جس میں دکن کے باقی چار صوبے اور مالوہ، گجرات اور آگرہ شامل تھے یہ علاقہ اعظم شاہ کو دے دیا گیا تھا اور تیسرا جس میں بقیہ سلطنت شامل تھی بہادر شاہ کے سپرد کر دیا گیا تھا۔⁶¹

جا جو کی جنگ سے قبل بہادر شاہ نے اس وصیت کو قبول کر لیا تھا اب اس نے کام بخش کے سامنے بھی بالکل ایسی ہی تجویز رکھی۔ ایک خط میں جو کام بخش کو حافظ احمد مفتی عرف معین فرانس کے ذریعہ بھیجا گیا۔ بہادر شاہ نے تحریر کیا کہ ہمارے والد ماجد نے بیجاپور کا صوبہ تمہارے سپرد کیا تھا اب ہم تمہارے لیے بیجاپور اور حیدر آباد کے دو صوبے مع کل رعایا املاک و ساز و سامان چھوڑتے ہیں اس شرط پر جو دکن کا قدیمی اصول بھی نہ ہے کہ سکتے ہمارے نام سے چلیں گے اور خطبہ بھی ہمارے نام ہی کا پڑھا جائے گا وہ خراج جواب تک ان دونوں صوبوں کے صوبے دار پیش کرتے تھے اسے بھی ہم چھوڑتے ہیں۔ تمہارے لیے لازم ہے کہ عوام الناس کے ساتھ انصاف کرو حکم عدلی کرنے والوں کو سزا بھی دو اور اس علاقے کے ظالموں اور لیڈروں قلع قمع کر دو۔⁶²

یہ کہنا کچھ آسان نہیں ہے کہ کیا بہادر شاہ اس پیش کش میں سچائی اور صداقت سے کام لے رہا تھا ہو سکتا ہے کہ اسکو یہ توقع ہو کہ بیجاپور اور گوکنڈہ کی قدیم سلطنتیں ایک تیموری حکمران کے تسلط میں آکر اندرونی طرد پر اس دامن پر قرار رکھ سکیں گی اور اسی کے ساتھ مرہٹوں کا سبب بھی ہو سکے گا۔⁶³ اور اس قسم کی سلطنت ہندوستان گیر تیموری حکمرانی کے اصول سے منافی بھی نہ ہوگی لیکن اس تجویز پر عمل درآمد ہونے کا موقع میسر ہی نہیں آیا کیونکہ کام بخش نے حقارت کے ساتھ اس تجویز کو مسترد کر دیا جو بہادر شاہ نے پیش کی تھی اس سے مواخذہ کر کے کام بخش کے کاندھوں پر بھی معصوم اور بے گناہ مسلمانوں کی خونریزی کا الزام دھرنے کا موقع مل گیا۔⁶⁴

اگر کام بخش نے بیجاپور اور گوکنڈہ کے بھی اہم قلعوں پر کوئی موثر قبضہ کر لیا ہوتا، اپنے اثر کا اعتماد اور تعاون حاصل کر لیا ہوتا اور مرہٹوں سے بھی اس کی کوئی مخالفت ہو گئی ہوتی تو کام بخش یقیناً بہادر شاہ کے لیے ایک زبردست خطرہ بن سکتا تھا کام بخش نے مرہٹوں سے گفت و شنید

تکی لیکن اس کی یہ کوشش کچھ زیادہ بار آور نہ ہو سکی۔

دہ ذوالفقار خاں کے نائب، داؤد خاں کی مخالفت کے سبب کرناٹک کو اپنے قابو میں نہ لاسکا۔ شمال میں، ننگر نیک خاں نے جو گوگندہ کا فوجدار تھا اور جس کا بہادر شاہ سے ساز باز تھا اس کی فرمانبرداری کرنے سے انکار کر دیا۔⁶⁵ دوسرے بہت سے امرا نے بھی بہادر شاہ کے ساتھ خفیہ خط و کتابت کے ذریعہ اپنی خود مختاری دکھانے کی کوشش کی حالانکہ اس بات سے اور بھی بھڑکے کہ کام بخش نے اپنی شک و شبہ کی عادت کی بنا پر اپنے میزبانی اور نہایت معتمد سردار، تقریب خاں کی وفاداری کو بھی شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس نے تقریب خاں کو قید کر دیا اور اس کو اور اس کے مہنواؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔⁶⁶

ان تمام امور کا یہ نتیجہ ہوا کہ جیسے ہی بہادر شاہ کے قدم نزدیک پہنچے ویسے ہی کام بخش کے امرا اور سرداروں نے اس کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ کام بخش شکستہ دلوں کی ایک قلیل تعداد کے ساتھ رہ گیا۔ فرار ہونے کو اپنی شان کے خلاف جان کر اس نے جان کی بازی لگا کر مقابلہ کیا لیکن ناکام رہا اور 13 جنوری 1709 کو میدان جنگ میں ہوتا ہوا مارا گیا۔ اس طرح دہ خاندان جنگی جس نے کہ ملک کے مختلف حصوں کو پچھلے دو سال سے ایک غیر مستحکم حالت میں ڈال رکھا تھا، بہادر شاہ کی فتح کے ساتھ ختم ہو گئی اور اس کے نتیجے میں بہادر شاہ ہندوستان کی اتنی وسیع سلطنت کا حکمران بن گیا جتنی شاید ہی کسی دوسرے ہندوستانی حکمران کے زیر نگین رہ چکی ہو۔ بہادر شاہ کی فتح نے ایک ہندوستان گیر سلطنت کے خیال کو تقویت پہنچائی۔ اور وقتی طور پر مطلقاً خود مختاری کا خاتمہ نظر آنے لگا۔ ملک کی سیاسی سالمیت کا تصور ملک کا ایک بنیادی خیال بن گیا۔ اور اسی نے ان تمام سیاسی تحریکوں کو ممکن بنایا جو ملک میں اٹھارہویں صدی میں رونما ہوئیں۔ مثلاً اس کا اظہار اس طرح بھی ہوا کہ مغل بادشاہ کو ہندوستان کا شہنشاہ تسلیم کیا جانے لگا۔ اس حالت میں بھی جبکہ اس کی ساری قوت اور شان و شوکت رخصت ہو چکی تھی۔

اس کے بعد بہادر شاہ کو دکن کے نظم و نسق کے لیے مناسب اقدام کرنے سے پہلے دکن کے چھ صوبوں کی نائب حکمرانی شاہزادہ عظیم الشان کو پیش کی گئی کیونکہ وہ اس وقت باپ کی نظر میں چرچا ہوا تھا۔ لیکن عظیم الشان نے مشرقی صوبوں یعنی بنگال، بہار، اڑیسہ اور الہ آباد کی حکمرانی

کو ترجیح دی کیونکہ ان میں سے چند پر وہ اورنگ زیب کے عہد میں بھی نیابت کر چکا تھا اس لیے دکن کی نیابت ذوالفقار خاں کے سپرد ہوئی۔⁶⁷ اس کو دکن سے متعلق کل مالگزار کی اور تمام دکنانظم و نسق کے سلسلے میں پوری آزادی دے دی گئی۔ اور اس کو دربار میں رہنے کی اجازت کے ساتھ ساتھ اپنی پھیلی میر بخشی کی ذمہ داری کے علاوہ اس نئی ذمہ داری کے قبول کرنے کا شرف بخشا گیا۔ اس کے قدیم مصاحب اور پروردہ دادو خاں پٹی کو دکن میں اس کا نائب بنایا گیا اور اس کا سات ہزاری / پانچ ہزاری منصب (پانچ ہزار دوا سپ) دیا گیا اور ججا پور، برار اور اورنگ آباد کی گورنری بھی اس کو ملی اورنگ آباد کو اس کا صدر مقام مقرر کیا گیا۔⁶⁸

میر بخشی اور دکن کا (غیر حاضر) نائب حکمران بننے سے ذوالفقار خاں سلطنت کے اہم ترین امراء میں شمار ہونے لگا۔ اس سے قبل مغل بادشاہوں نے کبھی کسی ایک کو یک وقت ایسے عظیم ترین منصب نہیں دیے تھے خواہ حالات کا دباؤ کیسا ہی سخت رہا ہو یہ نیا اقدام اور نئی جدت آئندہ کے لیے ایک خطرناک علامت بن گئی مزید برآں ذوالفقار دکن سے متعلق مال گزاری یا کسی دوسرے معاملے میں کوئی مداخلت برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منظم خاں ذوالفقار خاں کو اس قدر وسیع اختیارات دیے جانے کا مخالف تھا۔ اس نے یہ دلیل پیش کی کہ برہان پور (خاندیش) اور نصف برار جس کو بالعموم پائیں گھاٹ کیا جاتا تھا۔ دکن کا کوئی جزو نہ تھے کیونکہ خاندیش تو خود مختار فاروقی سلطنت کا ایک حصہ تھا اور پائیں گھاٹ کو اکر نے تحویل میں لیا تھا۔ وہ ان صوبوں کو دہلی کے ماتحت صوبوں میں شامل کرنا چاہتا تھا اور ان صوبوں کے سیاسی و مالی معاملات اور تقرر و عہدگی اور منتقلی اہل کاران کا اختیار وہ اپنے سب سے بڑے فرزند ہابت خاں کو دلانا چاہتا تھا جو تیسرے میر بخشی کے عہدے پر فائز تھا اس سے منظم خاں اور ذوالفقار خاں میں مزید تلخی بڑھ گئی اور تنازعہ اس حد تک بڑھا کہ یکایک موصولہ کا ایک موضع بن گیا چونکہ بہادر شاہ امراء کے درمیان تنازعوں میں فیصلہ دینا ناپسند کرتا تھا اس لیے جو حالات جیسے ہوتے ویسے ہی چلتے رہا کرتے تھے۔⁶⁹

چنانچہ دکن پر ذوالفقار خاں ہی نائب حکمران رہا اور وہاں کے معاملات کے لیے دہی تنہا صاحب اختیار بھی رہا۔ ذوالفقار خاں کے اختیارات اور اس کے اثرات دکھانے کے لیے ایک مثال ہی کافی ہے۔ اس کی وکالت اور پشت پناہی کی بنا پر نیما جی سندھیا کو جوان

علاقوں کا بااثر ترین سردار تھا۔ سات ہزاری / پانچ ہزاری منصب دیا گیا اور اس کے بیٹے پوتوں کو جو منصب دیئے گئے ان کا حساب سب ملاکر چالیس ہزار ذات اور پچیس ہزار سوار تک پہنچتا ہے۔ اورنگ آباد کے آباد علاقوں کے بہت سے پرگنے اس کو منتقل کر دیئے گئے اور وہاں سے ایک ہزار سے زائد چھوٹے بڑے منصب داروں کو عہدہ کیا گیا۔ سخت مخالفت اور شور و شر کے باوجود ذوالفقار خاں کے ان اقدامات کو بدلانا جاسکا۔⁷⁰

اس میں کوئی شک نہیں کہ دکن کے نائب حکمران یا اس کے نائب کو وسیع اختیارات دینا ایک انتظامی ضرورت تھی۔ لیکن مرکزی حکومت کی کمزوری کے پس منظر میں اور دکن میں خود مختار رجحانات کی موجودگی کے پیش نظر اس سے بڑا مراء کے دلوں میں طبع اور لالچ کی آگ بھڑک اٹھی جو دکن پر دانت لگائے بیٹھے تھے۔ وزارت اور میر بخشی کے منصوبوں کے ساتھ دکن کی نائب حکمرانی کا منصب بھی دربار کے سیاسی گرد ہوں کی کشمکش کے لیے ایک طاقت آزمائی کا مرکز بن گیا۔ نئے نائب حکمران کے اختیارات اور اثرات کی آزمائش اس میں تھی کہ وہ مرہٹوں کے سہو کو اپنے پسندیدہ طریقہ سے طے کر سکے۔ لیکن اس مقام پر اگر اس کی خود مختاری ایک دشواری کے نعرے میں آتی دکھائی دی۔ کام بخش کی شکست کے بعد ذوالفقار خاں نے شاہو کے وکیل سے شہنشاہ کو روکشنا شروع کیا۔ اس نے ایک عرضی پیش کی جس کا مقصد دکن کے چوتھے اور سر دیش مکھی کی مالگزاری کو جو دکن کے چھ صوبوں سے حاصل ہوتی تھی طلب کرنا تھا اور اس نے تباہ شدہ علاقوں کی خوش حالی کو بحال کرنے کی شرط بھی لگائی تھی اس مسئلہ پر دونوں وزیروں میں سخت تنازعہ شروع ہوا۔ بالآخر بہادر شاہ نے جوان میں سے کسی ایک کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا حکم دیا کہ منعم خاں اور ذوالفقار خاں کی درخواستوں کے بین نظر سر دیش مکھی کی سفید دے دی جائیں۔⁷¹ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس نے شاہو کو مرہٹ حکمران تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جیسا کہ اورنگ زیب نے بھی کیا تھا۔ اس نے جو تھکے مطالبے کو بھی مسترد کر دیا صرف دیش مکھی کی اجازت دی گئی اور اس کے لیے بھی مقابل دعویداروں کو جھگڑنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا یہ اقدام دکن میں امن و امان کی بحالی کی ضرورت کی پالیسی کو ترجیح دینے کے بالکل خلاف تھا کیونکہ آپس میں جھگڑا کرتے کرتے یہ ظاہر ہی تھا کہ دونوں مقابل دعویدار مغل سرداروں پر ضرور لوٹ مار کریں گے۔ اور دراصل ایسا ہی ہوا بھی جیسے ہی بہادر شاہ نے دکن سے قدم نکالا شاہو راجے گھوڑے باہر آگیا اور اس نے اپنے سرداروں کو یہ حکم جاری کر دیا کہ شہنشاہ نے مجھ کو ان

علاقوں کے سرحدیں بھی کی اجازت دے دی ہے لیکن چوتھ کی اجازت ابھی نہیں ملی ہے۔ اس لیے تم شاہی سردوں پر حملہ کرو اور بدنامی پھیلاؤ تا وقتیکہ وہ ایسا کرنے پر راضی نہ ہو جائے⁷²

اب یہ نتیجہ نکالنا دشوار نہیں کہ بہادر شاہ کی مرہٹہ پالیسی کم نظری اور غام خیال پر مبنی تھی۔ دراصل اس پر یہ ذمہ داری آپڑی تھی کہ وہ اس وزیر کی رائے پر عمل کرے جو سیاسی معاملات میں اس کا مشیر کار تھا یا اس دوسرے وزیر کی جو کہ دکن اور مرہٹوں کے معاملات کے لیے ذمہ دار تھا۔ ذوالفقار خاں کے شورے کو ٹھکرا کر اس نے مرہٹوں کے ساتھ مفاہمت کا سنہرا موقع ہاتھ سے کھودیا۔ اس وقت مرہٹوں کی طاقت بہت ہی گھٹ چکی تھی۔ وطن میں شاہ کی حالت متزلزل تھی اور اگر بہادر شاہ اس کو تسلیم کر لیتا تو اسے مزدور شاہ کی دوستی حاصل ہو جاتی اور شاہ اس کا احسان مند بھی ہوتا۔ علاوہ انہیں شاہ کی بالائینی کو اورنگ زیب نے بھی ہمیشہ تسلیم کیا تھا اور تخت پر بیٹھنے کے بعد خود بہادر شاہ نے ایک طرح شاہ کے حق کو تسلیم کر لیا تھا کیونکہ اس نے اس کو پھیلے منصب پر بحال کر دیا تھا اور تخت نشینی کی مبارکباد کے بدلے میں اسکو شاہی فرمان اور تحفے تحائف بھی بھیجے تھے۔⁷³ اور اس سے کام بخش کے خلاف فوجی تعاون کے لیے بھی حکم دیا تھا۔⁷⁴

جہاں تک مرہٹوں کے ساتھ شرائط صلح کا سوال ہے ذوالفقار خاں جو وسیع تجربہ کا مالک تھا اور مرہٹوں کے کردار اور ان کی سیاست سے بھی واقف تھا، اس رائے کا معلوم ہوتا تھا کہ بددلی سے رعایتیں دینے کی پالیسی زیادہ کار آمد نہ تھی۔

وہ واضح طور پر محسوس کرتا تھا کہ دکن کی پالیسی میں دور رس اور زبردست تبدیلیاں لانے کا مناسب وقت آچکا تھا اور اس پالیسی کا مقصد یہ تھا کہ مرہٹوں کو بجائے قابضین کے سلطنت کا حصہ دار بنایا جائے اور عسکری اور انتظامی خصوصیات سے فائدہ اٹھایا جائے تاکہ ان کو دکن کی خوش حالی اور خوش انتظامی کی ذمہ داری دے کر وہاں مستحکم امن وامان کی صورت پیدا کی جائے۔

بہادر شاہ کی روانگی کے فوراً ہی بعد صوبہ بہار پور، بیجا پور اور اورنگ آباد میں مرہٹوں کی ریشہ دوانیوں کی خبر پہنچی 1710ء میں صوبہ بیجا پور میں مرہٹوں کا ایک زبردست گروہ داخل ہو گیا اور احمد نگر کی طرف رخ کیا۔ رستم خاں بیجا پوری جو آٹھ ہزاری / آٹھ ہزاری کا منصب دار تھا اور صوبہ دار بھی تھا ان کی طرف بڑھا لیکن انھوں نے جنگ سے انتراز کیا۔ جب یہ خبر بہادر شاہ کو ملی اس نے اپنی نامدانی کی علامت میں رستم خاں کا منصب ایک ہزار کے حساب سے کم کر دیا

لیکن جلد ہی پھر دوسرے ہو گیا اور اب خان کو بچنے منصب کے علاوہ ہزار کا منصب بھی دے دیا اسی اثنا میں مرہٹوں کا ایک دوسرا جتھا برہان پور پر حملہ آرا ہوا اور پایہ تخت کے قریب دھڑ تک کو لوٹ لیا۔ صوبہ دار میر امین خان جنگ کرنے کے لیے نکل آیا لیکن وہ چاروں طرف سے مرہٹوں سے گھریا۔ خان نے زبردست جنگ لڑی لیکن وہ اسی لڑائی میں کام آگیا اور اس کے دو بیٹے زخمی ہو گئے۔ مرہٹوں کا ایک دوسرا گروہ اورنگ آباد کے قریب ظاہر ہوا اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں لوٹ مار کی۔ نائب حکمران کے نائب داؤد خان پتی نے ان کے خلاف لشکر کشی کی لیکن مرہٹوں نے جنگ کرنے سے پرہیز کیا اور اس کی آمد پر فرار ہو گئے۔ اب بارش کا موسم قریب آنے لگا تھا اور کیشمکش بھی انجام کو پہنچی⁷⁵

برسات کے بعد مرتھے پھر پوری طاقت کے ساتھ آگے چند رسیں جادھو نے وجیا داک کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور پھر گڑھ کی طرف چلا۔ ہیبت راؤ عنال کرنے 'سوما جگن ناتھ دینہ کی نفا سے بچا پور پر حملہ کیا لیکن داؤد خان کے نائب میرامان نے اسے صوبے سے باہر نکال دیا۔ گنگا کے جو فیروز جنگ کا ایک برخواست کیا ہوا سردار تھا مالوہ اور برہان پور میں بدامنی پھیلانی شاہو کی ہمت کے ماتحت مرہٹوں کے ایک چالیس ہزار کے جتھے نے جنید کے علاقے پر حملہ بولا اور زوالہ فقار خاں کی جاگیر میں لوٹ مار پائی⁷⁶ مغل ان حملوں کو روکنے سے بے بس تھے اگرچہ داؤد خان اپنی ایک بڑی فوج کی ہمراہی میں مرہٹوں کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس نے رستم خاں کے ہاتھ سے لے کر خود باگ ڈور سنبھالی کیونکہ رستم خاں کئی بار نا کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے فائدہ شیش سے سانٹا گھورا پائے کو پسپائی پر مجبور کیا اور اس کے دفاع کا اچھا انتظام کیا اور اپنے بھیجے والوں کو برار کی حفاظت کے لیے بھیجا اس نے اپنی حکمت عملی سے مرہٹوں میں بدامنی پھیلانے کو شش بھی کی۔ 1710 کے اواخر میں راؤ دھبا منبال کر منغلوں سے مل گیا اورنگ آباد میں داؤد خان نے اس کا استقبال کیا اور اس کے لیے سات ہزار چھ ہزار کا اور اس کے سرداروں کے لیے پانچ پانچ ہزار کا منصب مہیا کیا۔ دوسرا مرہٹوں کا ساتھ چھوڑ کر آنے والا بیاراج سندھیا تھا لیکن سب سے اہم گمریز چند رسیں مادھو کی تھی جو اگست 1711 میں منغلوں سے بالاجی دشنا تھ کے ساتھ شکار کے سلسلہ میں تصادم کے بعد آملہ۔ گمرچ منغلوں سے اس کا تعلق اس سے کچھ پہلے ہی سے چلا آ رہا تھا⁷⁷

غالباً یہ اسی عرصہ کی بات ہے کہ داؤد خان نے شاہو سے ایک 'حفیہ' از باز کیا اس معاہدہ کے مطابق دکن کی چوتھ اور سردیش مکھی کو شاہو کے حوالے کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اس مال گزاری کو

مرہٹہ اہل کار نہیں وصول کر سکتے تھے۔ بلکہ داؤد خاں کا نائب بیرہان اس کو جمع کر کے ایک بندھن کی شکل میں مرہٹوں کو دیتا تھا۔ شاہزادوں اور امراء کی جاگیریں ہر سال گزاری سے مستثنیٰ تھیں مرہٹوں کو اس معاہدہ کی کوئی تحریری توثیق نہیں دی گئی تھی⁷⁸ لیکن بغیر داؤد خاں کے علم اور اس کے رضامندی کے یہ معاہدہ رونما ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ شہنشاہ کی بھی کوئی تغیر مرضی اس کے پیچھے فرما رہی ہوگی۔

یہ معاہدہ شاہو کے لیے ایک آسمانی تحفہ تھا کیونکہ اس سے مرہٹوں کی نظر میں اس کا وقار ایک ایسے وقت میں بڑھ گیا جبکہ وہ زداں پذیر نظر آ رہا تھا۔ لیکن بد قسمت دکن کو اس پر بھی چین نصیب نہ ہوا۔ اس معاہدہ سے لاتعداد تنازعات اور اختلافات پیدا ہوئے جن کا انجام ہمیشہ خوں ریزی ہوا۔ مرہٹوں کے ہاتھ ہر طرف بڑھنے لگے ان کے اہل کار قدیم دستور کے مطابق ہر جگہ چوتھ وصول کرنے آجود ہست⁷⁹ دسمبر 1761 میں برہان پور کا صوبہ دار بیرامد خاں ایک ایسے دستہ سے ٹکرا ہوا مارا گیا جس کی سربراہی مسی بانی نام کی ایک خاتون کر رہی تھی⁸⁰ مرہٹوں نے کرناٹک کے متعدد مقامات شلا گرتوں، شولا پور، میری نگر اور بہت سے دوسرے علاقوں کا محاصرہ کیا۔ آکو گھورا پاڈے سے ستر ہزار کا دستہ لے کر صوبے میں اس وقت تک موجود رہا جب تک کہ وہ دیر خاں اور عبداللہ خاں کے ہاتھوں دریا کے پار دھکیل نہیں دیا گیا۔ مرہٹوں کی ریشہ داندیوں سے زمینداروں کو موقع مل گیا اور وہ ہر جگہ سرائٹھانے لگے اور کرناٹک میں مغلوں کے اختیارات محض برائے نام رہ گئے⁸¹

داؤد خاں کا معاہدہ اورنگ زیب کی پالیسی سے ایک زبردست گریز تھا۔ دکن میں مرہٹوں کا جو چوڑھ اور سردیش مکھی پر دعویٰ تھا اس کو اصولاً تو تسلیم کر ہی لیا گیا تھا مگر معرض تحریر میں نہیں لایا گیا تھا۔ لیکن اس سے مغل سلطنت کو وہ فوائد حاصل نہیں ہوئے جن کی توقع کی جاسکتی تھی لیکن دکن میں امن و امان اور مرہٹوں سے دوستانہ تعلقات کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ مرہٹ حکمران کا مرہٹ سرداروں پر اقتدار ختم ہو چکا تھا اور ان میں سے زیادہ تر برائے نام اس کے ماتحت تھے۔ اور اپنی خواہش سے خود ہی لوٹ مار کرتے پھرتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں لیا جاسکتا ہے کہ اورنگ زیب کے ہاتھوں جو مرہٹہ حکومت تباہ و برباد ہو چکی تھی اس سے جو لاتوینست پھیل گئی تھی وہ آسانی یا تھوڑے عرصہ میں قابو میں نہیں لائی جاسکتی تھی۔ البتہ مغل حکمران اور مرہٹہ حکمران کی باہمی مخالفت سے ہی دوبارہ لیٹھے مرہٹوں پر قابو حاصل کیا

جاسکتا تھا لیکن پھیلے شک و شبہات اور مغلوں کا احساس غرور اس مفاہمت کے راستہ میں مائل تھا۔ چوتھ اور سردیش مکھی۔ کہ معاہدہ کو مغلوں کا معرض تحریر میں لانے سے انکار کرنا ان شک و شبہات کو زندہ رکھے ہوئے تھا اور یہ اس معاہدے کے عارضی ہونے کی نشاندہی کرتا تھا کیسے میں اہل کاروں کے فریب اور شاہوکی وطن دشمنی کا اثر بھی بدامنی کی صورت میں رونما ہوتا تھا اور اس سے مرہٹوں کی غارتگری جاری رہنے میں مدد مل رہی تھی۔

سکھوں کی بغاوت

4 مئی 1710ء جبکہ شہنشاہ نرملا کے قریب فزڈکش تھا لاہور کے دیوان نے خبر بھیجی کہ ایک شخص سہمی گردو گوند کی رہبری میں لاہور کے قرب و جوار میں اور سرہند میں سکھوں نے شورش برپا کر دی تھی۔ شہنشاہ نے متعدد فوجیوں کو مناسب اقدامات کرنے کا حکم دیا لیکن یہ شورش تیزی سے پھیلی گئی اور 22 مئی 1710ء کو سرہند کا فوجدار وزیر خان شکست کھا کر بلا گیا اور شہر راج کسے زیرِ دُور کر دیا گیا۔⁸²

اورنگ زیب نے مقامی بہادرلوں کے راجاؤں کے تعاون سے اور دیگر اونچی ذات کے معاونین کی مدد سے اور زبردست دباؤ کے ذریعہ گردو گوند کی شورش کو ناکام کر دیا تھا لیکن اس بغاوت کے پس منظر میں جو اسباب تھے وہ ابھی تک برقرار تھے۔⁸³ جب بہادر شاہ لاہور سے چلا کر اعظم کے خلاف تخت نشینی کے لیے طاقت آزمائی کرے، گردو گوند نے چند ہمنواؤں کی معیت میں بہادر شاہ کا ساتھ دیا تھا جس کے لیے انھیں منصب بھی بخشا گیا تھا۔ گردو گوند کی جنگ میں بھی شامل تھا اور بعد ازاں وہ بہادر شاہ کے ساتھ راجپوتانے اور دکن بھی پہنچا۔ دسمبر 1708ء میں غبرلی کے گردو کی دقت ہو گئی اور وہ کافی جاگیر چھوڑ گئے۔ بہادر شاہ نے ان کی جائیداد پر خاتون صبلی لاگو نہیں کیا۔ نیز اس کو کسی درویش کی جاگیر کی ضرورت نہ تھی پنجاب میں بظاہر اس دسکون قائم رہا۔ یہاں تک کہ دیرھ سال بعد ایک شخص سہمی باننا کی رہبری میں جو خود گردو گوند سنگھ تانا تھا، سکھوں کی شورش دوبارہ رونما ہوئی۔ یہ زمانہ تو ہم پرستی کا زمانہ تھا اس لیے عوام کو شائستہ کرنا بھی آسان تھا تمام عرصہ مورخین اس پر متفق ہیں کہ گردو نے پست قوم یعنی جاٹ اور کھتریوں کے تعاون کو ہی اپنی شورش کی بنیاد بنایا ان لوگوں میں ایسے پست پیشہ درجی شامل تھے جیسے کہ بھنگی، چمار، اس جھوٹے گردو باننے سات آٹھ ہزار آدمیوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لیا اور شروع میں تو اس کے پاس چار پانچ ہزار

سوار تھے لیکن جلد ہی اس نے اپنی طاقت بڑھا کر سترہ ہزار اور پھر چالیس ہزار مسلح سپاہیوں تک کا اضافہ کر لیا۔ سونی پت اور سرہند کے فوجدار اور دوسرے بہت سے سردار کھلی جنگ میں شکست کا منہ دیکھ چکے تھے۔ سکھوں نے سلطان پور اور سہارن پور کی بستیوں کو خمارہ میں لے لیا تھا اور لاہور کے قرب و جوار سے لے کر دہلی کے قریب تک کے اتنے بڑے علاقے پر تسلط جلا لیا تھا کہ وہاں سے دہلی پہنچنا چند ہی دنوں کا کام تھا⁸⁵ اس علاقے میں سکھوں نے اپنا نظام حکومت قائم کر لیا تھا۔ انھوں نے مالگزار کی دیو بیانی کے لیے تھانیداروں اور تحصیل داروں کو مقرر کیا تھا وہ جن جن بستیوں کو پامال کرتے گئے وہاں اپنے فوجداروں کو چھوڑتے گئے۔ یہ سردار عموماً پست اقوام میں سے منتخب کئے جاتے تھے۔ اگر کوئی جنگی یا چار گھربار چھوڑ کر گروے جا ملتا تو تھوڑے ہی عرصہ میں وہ پروردانہ فوری لے کر ہی گھر واپس آتا⁸⁶

اگر اس قسم کے بیانات کو سبालغہ آمیز بھی سمجھا جائے تب بھی ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا سکھوں کی بغاوت دراصل پست اقوام کی بغاوت تھی۔ سکھ بھی مسلمان کی طرح اپنی ذات کے ہندوؤں کے ساتھ زیادتیاں کرتے تھے۔ اور اس لیے اکثر مقامات پر مقامی ہندو زمیندار اور صاحب ثروت لوگ مغل حکومت ہی کا ساتھ دیتے تھے سکھوں کے سامنے کوئی واضح سماجی اور سیاسی مقاصد نہ تھے۔ ان کے پاس ایک مضبوط بنیادی اقتصادی ڈھانچہ کی کمی تھی جس پر ایک نئے اور بلند سماج کی تعمیر کی جاسکتی تھی۔ سکھ زیادہ سے زیادہ جس معیار پر پہنچ سکتے تھے وہ ایک ایسے سماجی ٹھکانے کی تعمیر تھی جس کی بنیاد کسان یا دہقان، قبیلہ بندی پر قائم تھی اس قسم کی کوشش کا بلند اقوام کی طرف سے سدباب ہونا لازمی تھا۔ اگر تیزی سے کسانوں کی کثیر سے کثیر تعداد کو آمادہ پیکار کیا جاسکتا تو یہ کوشش بھی کامیاب ہو سکتی تھی۔ لیکن سکھوں کی تحریک کی مذہبی بنیاد اس کے قابل قبول ہونے میں ایک رکاوٹ ثابت ہوئی جس سے تحریک کا تیزی کے ساتھ ترقی کرنا دشوار ہو گیا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا یہ ہوا کہ شہنشاہی حکومت اپنی ابتدائی غفلت سے جاگ اٹھی اور ان کے لیے یہ ممکن ہوا کہ وہ سکھوں کے خلاف اقدامات کر سکیں۔ اسد خاں کو گرو کے خلاف ہم پر جانے کا حکم ہوا جی تیج خان، محمد امین خان، فغان جہاں صوبہ دار الہ آباد سید عبداللہ خاں بارہنا اور متعدد دیگر سرداروں کو اس سے تعاون کرنے کا حکم ملا اور ان لوگوں کو اپنی تیاری مکمل کرنے کے لیے مناسب پیشگی رقم دی گئی⁸⁷۔ اور آخر جون میں، شہنشاہ اجیر سے روانہ ہوا اور ہر نفس نفیس سکھوں کے خلاف ہم پر روانہ ہوا۔ لاہور اور دہلی کی اس سڑک کو صاف کھدکے کے جوہر سے

بند چلی آ رہی تھی۔ بہادر شاہ نے ہمالیہ کی ترائی میں سادھو را کے مقام کو اپنا صدر مقام بنایا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سکھوں نے اپنی پناہ کے لیے متعدد قلعے تعمیر کر رکھے تھے۔ لوہ گڑھ پر جسے گردو گوند نے تعمیر کیا تھا اور جہاں خود وہ اور ان کے بعد بندہ شاہی شان شوکت سے رہتے تھے۔ دسمبر 1710 میں چڑھائی کی گئی لیکن خاص شکار یعنی بندہ بھاگ نکلا، بہادر شاہ نے وزیر اعظم منعم خاں کی اس کی اس لا پرواہی پر جس کے سبب بندہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا سخت باز پرس کی کچھ موزنین کا تو یہ بیان ہے کہ شہنشاہ کی شدید سخت کلامی ہی وزیر کی معجل وفات کا باعث ہوئی ایسا معلوم بدلتا ہے۔ بندہ کے لوہ گڑھ سے فرار ہوجانے کے بعد بہادر شاہ نے سکھوں کے مسئلہ میں دلچسپی لینا ختم کر دیا تھا۔ وہ لاہور لوٹ آیا اور شاہی افواج نے بندہ کے خلاف ہم کو باری رکھا۔ اس کے بعد کبھی کبھی جنگ ہو جاتی تھی ورنہ شاہی افواج پہاڑوں کی ترائی سے آگے نہ پہنچ پائی تھیں اور گردو لوٹ مار کے لیے کبھی کبھی میدان میں اتر آتا تھا۔ شاہی سپہ سالار رستم دل اور محمد امین خاں کو گردو کے تعاقب میں اس لیے کامیابی نہ ہوتی تھی کہ اس نے گوریلا جنگ کے طریقے اپنا رکھے تھے اور اب وہ شاہی فوجوں کے مقابلے میں جنگ کرنے کے حق میں نہ تھا۔ چنانچہ جب اس نے میٹھ جاندھر پر حملہ کیا تو فاضل سپہ سالار خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے اور مقامی سکھوں اور ان کے ہم لڑاؤں کو باقی ماندہ مغل سپاہ کو موت کے گھاٹ اتارنے اور بٹالہ اور کلاں اور اورادگر کے دیہات میں اپنی فوجی چوکیاں قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ جب مغل فوجوں نے دوبارہ اپنا قدم چلایا تو انھوں نے سکھوں اور ان کے ہم لڑاؤں کے خلاف سخت اقدامات کئے جس کے نتیجے میں مجرموں کے ساتھ ہمت سے معصوم لوگ بھی شکار ہوئے⁸⁹ خود شاہی لشکر میں سکھوں کی جانب سے جاسوسی کا سخت خوف دہرا اس تھا اور متعدد لوگوں پر شبہ تھا کہ وہ خفیہ طور پر سکھ ہیں اور گردو تک خبریں پہنچاتے ہیں اس لیے ایک حکم نافذ ہوا کہ تمام ہندو اپنی داڑھیاں صاف کریں گے⁹⁰ ان ہندو فقیروں جو گیسوں اور سنیا سیوں کو شاہی پڑاؤ سے نکال دیا گیا جن پر گردو کی طرف سے جاسوسی کرنے کا شبہ تھا⁹¹

اس قدر احتیاط اور کوششوں اور شہنشاہ کی موجودگی کے باوجود گردو کے خلاف لشکر کشی کچھ زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کا ایک سبب دونوں مغل سپہ سالاروں کے درمیان باہمی حسد اور تنازعہ تھے جن کے نتیجے میں ستمبر 1711 میں رستم دل کی اہانت اور نظر بندی ہوئی۔ جنوری 1712 میں جب شہنشاہ کی وفات ہو گئی، محمد امین نے لاہور کی خانہ جنگی میں حصہ لینے کے لیے اپنا عہدہ چھوڑ دیا

اور گرو نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر لوہ گڑھ اور سادھو زاپر دوبارہ قبضہ کر لیا⁹² چنانچہ ڈیڑھ سال تک پنجاب میں زبردست افواج اور بہترین سپہ سالاروں کو جمع رکھنے کے باوجود بھی بہادر شاہ سکھ بغاوت کو کچلنے میں ناکام رہا، اس کا بنیادی سبب شاہی افواج کی کمزوری کو نہیں بلکہ سکھ شورش کے طریقہ عمل اور گرو کی حکمت عملی کو سمجھنا چاہیے۔ سکھوں نے دوبارہ اس حقیقت کو ثابت کر دیا جس کا مظاہرہ اس سے قبل مرہٹوں اور راجپوتوں نے بھی کیا تھا کہ ایک ایسی فوج جس کو مقامی آبادی کی ہمدردی حاصل ہو اور جو وہاں کی جغرافیائی حالات کا مکمل فائدہ اٹھا سکتی ہو اور جس کے سربراہ گوریلا جنگ کے طریقے پر پناہ لے سکیں، ایسی فوج اگرچہ پائیدار نہیں لیکن ایک طویل عرصہ کے لیے اس فوج سے بھی کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکتی ہے جو اس سے بہتر ہو۔

سکھ تحریک نے ایک آزاد سکھ حکومت کے قیام کی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اگر یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو اس قسم کی دوسری تحریکیں دوسری جگہوں میں بھی معرض وجود میں آتیں اور اٹھارہویں صدی کی سیاسی تصویر کا رخ بھی بدل سکتی تھی۔

منعم خاں کی وفات، وزارت کے لیے کشمکش کا آغاز

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، ذوالفقار خاں منعم خاں کو غاصب سمجھا تھا۔ چنانچہ وہ منصب وزارت کو اپنے خاندان کے لیے حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھا۔ 28 فروری 1711 کو منعم خاں ایک مختصر سی بیماری کے بعد وفات پا گیا۔ اس کے انتقال سے وزارت کا مسئلہ پھر زور پکڑ گیا۔ اسد خاں اور ذوالفقار خاں نے سخت بے دلی سے وزارت کو منعم خاں کے ہاتھ میں جانے دیا تھا اب ذوالفقار خاں کا یہ خیال پختہ تر ہو گیا کہ صرف وہ خود ہی اس منصب کا حق دار تھا۔ شروع شروع میں تو شاہزادہ عظیم الشان بھی اپنے باپ کے دربار میں بلند ترین اہمیت کا مالک تھا، ذوالفقار خاں کا حامی تھا۔ وہ اور سعد اللہ خاں دیوان و تن خانہ نے یہ تجویز پیش کی کہ ذوالفقار خاں کو وزارت پر فائز کیا جائے اور منعم خاں کے صاحبزادگان یعنی مہابت خاں اور خاندان⁹³ کو اس پر توجہ دینا۔ اس طرح عظیم الشان، ذوالفقار خاں کو پناہ دیتے راست بنانا چاہتا تھا۔ نیز منعم خاں کے بیٹوں کو بھی خوش رکھنا چاہتا تھا کیونکہ وہ کچھ دلوں سے اس کے قریب ترین دوست ہو گئے تھے۔ لیکن اس تجویز کی ذوالفقار خاں اور خاندان نے

مخالفت کی۔ ذوالفقار خاں میر بخش اور دکن کی نائب حکمرانی کے منصوبوں سے دست بردار نہ ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے وزارت تو اپنے والد محترم کے لیے طلب کی اور خود کو میر بخش اور دکن کی نائب حکمرانی کے منصب پر برقرار رکھنے کا مطالبہ کیا۔ بہادر شاہ کو یہ اعتراض تھا کہ منعم خاں کے بیٹے ان منصبوں کے لیے جن کے لیے ان کا نام تجویز کیا گیا تھا، غیر موزوں تھے⁹⁵ جہاں تک ذوالفقار خاں کے مطالبہ کا سوال تھا تو اس بات کی کوئی نظیر موجود نہ تھی کہ ایک ہی خاندان کے افراد کو بہ یک وقت تین ایسے عظیم منصب دیئے گئے ہوں یعنی وزارت، میر بخش اور دکن کی نائب حکمرانی۔ اور بہادر شاہ کا یہ خیال بھی صحیح تھا کہ ایسا کرنا خود شاہی خاندان کے لیے مضرت ثابت ہوگا۔ عظیم الشان اس نظریے سے متفق تھا۔ چنانچہ ذوالفقار خاں کے مطالبوں کو رد کر دیا گیا۔ اس کے بعد یہ تجویز کیا گیا کہ صفوی شاہزادہ محمد ہاشم کو رسمی طور پر وزارت پر فائز کر دیا جائے اور بخشوں میں سے کوئی ایک اس کے فرائض کو انجام دے۔ لیکن شاہزادہ کی رحمت اس ماہ میں حائل ہوئی اور یہ تجویز بھی رد ہو گئی۔ انجام یہ ہوا کہ وزارت پر کسی کا تقرر نہ ہو سکا اور عارضی طور پر سعد اللہ خاں کو میر دیوان مقرر کیا گیا اور اس کو شاہزادہ عظیم الشان کی نگرانی اور ماتحتی میں فرائض انجام دینے کا حکم دیا گیا⁹⁶۔

اس تنازعہ سے یہ نتیجہ نکالنا غیر مناسب ہوگا کہ ذوالفقار خاں از حد حریص، مغرور اور متکبر تھا شاید ذوالفقار خاں اس نتیجہ پر پہنچ گیا تھا کہ حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ اب طاقت مرکوز ہو کر کسی ایک شخص کے ہاتھ میں رہنی چاہئے۔ اس خیال کا تعلق اورنگ زیب کی حکومت کے آخری ایام سے ہے جبکہ شاہی انوار کو متعدد شکستوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہ نظریہ بہادر شاہ کی دودھ حکومت میں اور بھی زور پکڑ گیا تھا جبکہ شاہی پالیسی بے راہ ہو چکی تھی۔ ذوالفقار خاں کو شاید اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ منحل حکومت کو تباہی سے صرف وہ شخص بچا سکتا تھا جس کو شاہی معاملات کا صحیح ادراک ہو جو مرہٹوں، راجپوتوں اور ہندوؤں کا اعتماد حاصل کر سکے اور اسی کے ساتھ جس کو پرانے امراء اور سرکردہ عہدہ داروں کا تعاون بھی حاصل ہو⁹⁷۔ ذوالفقار خاں کی نظر میں ایسا انسان صرف وہ خود تھا۔ اس نظریے سے اور بہت سے نتائج برآمد ہوئے ان میں خاص یہ تھا کہ وزیر کو تمام معاملات کا محور بنادیا جائے۔ اور وہ نہ صرف انتظامی معاملات اور اقتصادی معاملات کا مختار رہے جو کہ اس کے خاص میدان عمل تھے، بلکہ فوجی معاملات بھی جو کہ میر بخش کے زیر انتظام رہے تھے اسی کے زیر اختیار ہوں۔ وزیر کو دولت مند صوبوں پر بھی اختیارات دیئے جائیں کیونکہ اس کے بغیر وہ امراء کے کسی ایک طبقے کی طرف سے پیش آنے والے اختلافات اور فاسدانہ اقدامات کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔

اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ذوالفقار خاں کی خواہشات لازمی طور پر محرمانہ یا باغیانہ نہ تھیں۔ بلکہ ذوالفقار خاں کا نظریہ وزارت ہندوستان میں مغلوں کی قائم کئے ہوئے روایات سے ایک بنیادی اختلاف تھا۔ اس اختلاف سے وزیر اور حکومت کے درمیان نیز وزیر اور امرنگ کے درمیان ایک کشمکش اور طاقت آزمائی کا امکان ظہور پذیر ہونے لگا۔

اس طرح منعم خاں کی وفات سے دربار کی سیاسی طاقت آزمائی نئے دائروں میں داخل ہو گئی جس سے نئی تبدیلیاں وجود میں آئیں جن کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

طرز حکومت اور انتظام سلطنت

اوپر کے بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بہادر شاہ کے عہد میں اورنگ زیب کی پالیسیوں سے انحراف کا آغاز ہوا، اس انحراف کا اظہار مرہٹوں کے ساتھ تعلقات میں زیادہ بڑے راجپوتوں کے ساتھ تعلقات میں کچھ کم ہوا۔ لیکن سکھوں کے سلسلے میں کچھ خاص وجوہات کے تحت جبر و تشدد کی قدیم پالیسی کچھ مزید شدت کے ساتھ جاری رکھی گئی۔ ہندو رعایا کے ساتھ شہنشاہ کے تعلقات میں اور مذہبی معاملات میں بھی اورنگ زیب کی پالیسیوں سے ایک محتاط گریز دیکھنے میں آتا ہے۔ چنانچہ شاہی دربار میں شراب نوشی اور رقص و سرود پر پابندی جاری رہی⁹⁸ اگرچہ بہادر شاہ اپنے باپ کی تنگ نظری کی پالیسی اور نظریات کو اپنانے سے کوسوں دور تھا۔ وہ اپنے وزیر منعم خاں کی طرح ایک صوفی تھا اور سید کا خطاب اختیار کرنے پر اسے تقلید پسندوں کے غم و غصہ کا بھی شکار ہونا پڑا۔ اس کے حکم سے جمعہ کے خطبہ میں حضرت علیؑ کے لیے لفظ صی کے اضافہ پر بڑے سخت و فساد پرپا ہوا۔ اور اپنی اس کوشش سے اسے دست بردار ہونا پڑا۔⁹⁹ لیکن اس کے نتیجہ میں شہنشاہ اور عوام کے درمیان ایک بے حد پیدا ہو گیا۔

جہاں تک ہندوؤں کے ساتھ بہادر شاہ کے برتاؤ کا سوال ہے نہ تو مندروں کے انہدام کے واقعات سننے میں آتے ہیں نہ جبراً تبدیل مذہب کے واقعات ہی سامنے آتے ہیں۔ لیکن ہندوؤں کے لیے پالکیوں کے اور عربی اور عراقی گھوڑوں کے اونٹوں اور ہاتھیوں کے استعمال پر پابندی بحال رہی۔¹⁰⁰ ان کو حکم تھا کہ کالوں میں موتی وغیرہ نہ پہنیں اور داڑھیاں کتروائیں۔¹⁰¹ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے حکم دیا کہ صوبوں میں ہندوؤں کا تقریر و خبر سنانوں کے طور پر نہ کیا جائے۔ جزیرہ اگرچہ باقاعدہ طور پر تو ختم نہیں کیا گیا تھا لیکن آہستہ آہستہ اس کا دلچ ختم ساہو تناظر آتا تھا۔¹⁰²

اس طرح سیاسی تنازعات اور دوسرے حرکات کے پیدا کردہ ہندوؤں کے عدم اعتماد کا خاتمہ نہ ہو پایا لیکن تنگ نظری اور متعصبانہ خیالات میں ایک قسم کی تبدیلی ضرور رونما ہوتی نظر آئی۔ تاہم ایک فیاضانہ اندام پسند پالیسی سے جو فائدہ حاصل ہونے چاہئے تھے وہ انتظامیہ اور اقتصادی کمزوری کے سبب حاصل نہ ہو سکے۔ بہادر شاہ کو انتظامی معاملات سے دلچسپی بھی نہ تھی اور نہ اس کا رجحان ہی اس طرف تھا۔ خفی خاں کے بقول حکومت کی حفاظت اور ملک کے انتظام کی طرف سے اس دور جہ کو تباہی تھی کہ تیز فہم اور زیرک طبع لوگوں نے بہادر شاہ کی تخت نشینی کی تاریخ شاہ بنے جبر کے حفاظت سے نکالی تھی۔¹⁰³ بہر حال بہادر شاہ کی انتظامی کوتاہی کو اس کے وزیر معتمد خاں نے کسی حد تک پورا کیا۔ وہ ایک نہایت کامیاب تجارتی و باغیچہ دار تھا۔ ہدایت اللہ خاں (اسعد اللہ خاں) دیوان تھی اور علاحدہ بنے بھی بہت حد تک ان کمزوریوں کو دور کیا کیونکہ وہ لیاقت اور جفاکشی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا تھا۔¹⁰⁴

اقتصادی معاملات میں کمزوری آجاتا بہت خطرناک تھا مغل حکومت کے ردِ اقل سے ہی مغل حکمران منصب داروں کو بطور جاگیر زمینیں دینے کے لیے زمینوں کو حاصل کرنے کے مسائل سے دوچار تھے۔ یہ مسئلہ بڑھتے بڑھتے بہت نازک ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب کے عہد میں یہ معاملہ نہایت ہی خطرناک صورت اختیار کر گیا تھا جس کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے اورنگ زیب کے عہد میں حکومت کی توسیع سے بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ اپنی تخت نشینی پر پہلا سال¹⁰⁵ نے امداد و ہند جاگیریں اور ترقیاں دے کر اس مسئلہ کو اور نازک بنا لیا تھا۔ یہاں تک کہ بیہیم سین کے بقول "منشیوں نے بھی اعلیٰ منصب حاصل کر لئے تھے۔" ان معاملات نے انھیں عرضِ مکروہ کو سخت تشویش میں ڈال دیا کیونکہ وہ ایک ایسا عرضِ مکروہ تھا جو اپنی لیاقت اور دیانتداری کے لیے اور مالگاہری اور حساب کتاب کے معاملات میں اپنی سخت گیری کے لیے مشہور تھا اور اس نے وزیر کو عرضِ داشت پیش کی کہ بادشاہ کا یہ اصرار بے جا و داندیشی کے اور حکومت کے خلاف تھا اور یہ کہ ہندوستان کا تو ذکر ہی کیا پوری دنیا بھی ان لوگوں کو جن پر بادشاہ بخشش کی بارش کرنا چاہتا تھا جاگیریں دینے کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ اس نے تجویز کیا کہ وزیر کو اس معاملہ کی جانچ کرنی چاہئے کہ منصبوں پر مقرر افراد اپنے منصبوں کے اہل تھے یا نہیں اور عہدہ داروں کو ملنے والا عہدہ یا منصب یا ترقی ان کی اہلیت سے زیادہ تو نہیں لیکن اس قسم کی جانچ بد حال سے جو غم و غصہ پیدا ہوتا اس کا مقابلہ کرنے کے لیے نہ تو معتمد خاں اور نہ علاحدہ

تیار تھے۔ بالآخر محمد ساقی مستعد خاں مورخ کے سپرد یہ کام کیا گیا۔ اب یہ ضروری ہو گیا کہ عرض ہو کہ یا دزیر کے ذریعہ بادشاہ کو پیش کیے جانے سے پہلے ہر عرضی مستعد خاں دیکھیں اور اسے واجب قرار دیں لیکن اس سے زبردست تاخیر کا ہونا لازمی ہو گیا۔ دو ممتاز ملکی یعنی ہریر و در آمد آمنہ الحیب نے اور شہنشاہ کے دیگر مقررین نے بغیر مستعد خاں کی جانچ پڑتال اور دستخطوں کے اپنی عرضداشتوں پر شہنشاہ کے دستخط حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن ایسی بے ضابطہ عرضیں پر محکمہ مالیات کی طرف سے بے توجہی برتی جانے لگی۔ بادشاہ تصدیقوں سے یہ کہہ چکا تھا کہ اس کے دستخطوں کی پرعہ کئے بغیر جو مناسب کارروائی ہو رہی کریں۔ اس سے شاہی دستخطوں کا دوکار ختم ہو گیا۔¹⁰⁸

ہمیں اس کا کچھ علم نہیں کہ نعم خاں، اخلاص خاں اور مستعد خاں بادشاہ کی بے پناہ نیاسی پر کہاں تک روک ٹوک لگا سکے۔ لیکن جاگیر نظام کے بڑھتے ہوئے مسائل کو اس بے دلی سے کئے ہوئے ان اقدامات سے حل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس نازک مسئلہ کی حقیقت کا اندازہ مندرجہ ذیل طور سے ہو سکتا ہے۔

پچھلے شہنشاہوں کا یہ دستور تھا کہ منصب داروں کو شاہی جائزوں کی پرورش کے لیے (یا زیادہ صحیح ہوگا کہ شاہی بار برداری اصطبل کے لیے) خرچ دیا کرتے تھے۔ باوجود اس حقیقت کے کہ اورنگ زیب کے دور میں جاگیروں کی آمدنی نہایت غیر یقینی ہو گئی تھی، اور اقان سے متعدد دیران اور غیر مزدور ہو گئی تھیں۔ آخرتہ بیگی اور دوسرے متعدی منصب داروں کے وکیلوں سے یہ خرچ وصول کرتے رہے۔

جاگیریں بشکل تمام بہم پہنچتی تھیں اور خفی خاں کے الفاظ میں ایک انار اور سو ہمار کا سا حال تھا اور سخت تاخیر اور دشواری کے بعد منصب داروں کو کوئی چھوٹی سی جاگیر مل پاتی تھی اس کے باوجود متعدی جائیدادوں کی پرورش کے پورے اخراجات طلب کرتے رہتے تھے اگرچہ جاگیروں کی کل آمدنی بھی ان رقوم (ان کی آدمی یا تہائی بھی نہ تھی) سے کم ہی ہوتی تھی۔ ان حالات میں منصب داروں کے خاندانوں کے زبوں حالات کا اچھی طرح تصور کیا جاسکتا ہے منصب داروں کے وکیلوں کی عرضداشتوں کا اس سلسلہ میں کوئی اثر نہ ہوا بلکہ انھیں پوری رقوم ادا کرنے کے سلسلے میں پریشان کیا جاتا تھا۔ سزائیں دی جاتی تھیں اور انھیں قید و بند کا سامنا کرنا پڑتا تھا حالانکہ یہاں تک بگڑے کہ منصب داروں کے وکیلوں نے بطور احتجاج اپنے عہدوں سے استعفیٰ ہونا

بالآخر منعم خاں نے اصلاحات کیں۔ اس نے حکم نافذ کیا کہ جب کسی منصب دار کو جاگیر دی جائے (لیکن اس سے قبل نہیں) تو جائزوں کی پرورش کا خرچہ اس کی کل آمدنی سے نکالا جائے اور جو باقی بچے وہ اس کو بطور تنخواہ دے دیا جائے۔¹⁰⁸ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جائزوں کی پرورش امرا کی تنخواہ پر منحصر نہ رہی بلکہ ایک مرکزی ذمہ داری بن گئی اور اسی کی مطابق امرا کی تنخواہیں بھی کم کر دی گئیں۔ اس طرح منصب داروں اور وکیلوں کے کاندھوں سے جائزوں کے خرچہ کا بوجھ ہٹ گیا۔ دراصل اس حکم کی اہمیت یہ تھی کہ جائزوں کے خرچہ کی مکمل طرد پڑاؤ کر دی جائے۔¹⁰⁹

اس اصلاح سے بے شبہ منصب داروں کو کافی سہولت مل گئی لیکن اس سے مرکزی حکومت کی ذمہ داری بڑھ گئی۔ جاگیریں تقسیم کرنے کے سلسلے میں بہادر شاہ کی فیاضی کو مد نظر رکھتے ہوئے اس بات میں شبہ تھا کہ وہ ان زمینوں کو جو امرا کی چھوڑی ہوئی تھیں خالصہ میں رکھ بھی سکتا تھا اور ان سے شاہی جائزوں کی پرورش کے لیے خرچہ بھی وصول کر سکتا تھا اس سے غالباً شاہی خزانہ کا خرچہ بڑھتا ہی چلا گیا۔

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بہادر شاہ کے عہد میں مالی بحران کا سامنا تھا۔ سننے میں آتا ہے کہ جب بہادر شاہ تخت نشین ہوا اس کو آگرہ کے قلعہ میں ڈاکوؤں کی لاگت کا سکہ بند اور غیر سکہ بند سونا پاندی ہاتھ آیا۔ دورِ حکومت کے آخر تک یہ سب خرچہ ہو چکا تھا جنہی خاں کہتا ہے۔ اس کے (بہادر شاہ کے) دورِ حکومت میں اخراجات کو دیکھتے ہوئے حکومت کی آمدنی نامافی تھی۔ اس لیے سرکاری معاملوں میں سخت کفایت سے کام لیا گیا۔ خصوصاً شاہی خاندان کے اخراجات کے لیے روزانہ شاہزادہ عظیم الشان کے خزانے سے روپیہ منگوا یا جاتا تھا تب جا کر کام چلتا تھا۔¹¹⁰ شاہی افواج کے اسلحہ دار سپاہی اس بات کے شاکے تھے کہ ان کی تنخواہ پچھلے چھ سال سے واجب الادا چلی آتی تھی۔¹¹¹

اس طرح بہادر شاہ کے دورِ حکومت کو سخت مالی بحران سے دوچار ہونا پڑا اور جاگیر داری نظام کے نازب حالات سے سابقہ پڑا۔ اگرچہ منعم خاں اور کچھ دوسرے امرا نے بہت سے غلط اور بے جا اخراجات کو روکنے کی کوشش کی اور منصب داروں اور دوسرے عہدے داروں کی بے تماشا بڑھتی ہوئی تعداد کو قابو میں لانے کی طرف بھی توجہ کی۔ حکومت اوندھ بھی عصیت کی پابھی

میں کافی کمزوری آگئی ہندوؤں کے ساتھ زیادہ رواداری کا سلوک اختیار کیا گیا اور ادھنگ زیب کی راجپوتوں اور مرہٹوں کے ساتھ جو سخت گیری کی پالیسی تھی اس میں بھی ایک تبدیلی رونما ہوئی لیکن یہ اقدامات محض تجرباتی اور پس و پیش کے حالات میں کئے گئے تھے۔ اس لیے ان سے قابل لحاظ نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تجربات کی روشنی میں بہادر شاہ ایک نیا ضابطہ قابل قبول طرز عمل کا راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔ اگر اس کی زندگی نے کچھ اور وفا کی ہوتی تو شاید وہ مسلسل دردمحوریت کے مسائل کے کچھ زندہ دہانیدہ حل تلاش کر لینے میں کامیاب ہو گیا ہوتا۔ لیکن حالات و واقعات کے زیر اثر وہ اپنے مختار اور معتدل طرز عمل سے کوئی خاص اور قابل لحاظ فائدہ حاصل نہ کر سکا۔ نتیجتاً وہ اپنے وارثوں کے لیے اس سے زیادہ مشکلات چھوڑ گیا جو اپنے پیش روؤں سے خود اس کو ورثہ میں ملی تھیں۔

عہدہ وزارت کے لیے ذوالفقار خاں کی جدوجہد ۱۔ وزارت کا مسئلہ

نعم فاں کی موت سے وہ مسئلہ سامنے آگیا جو عملی طور پر دربار کی سیاست پر آنے والے بیس سال تک جاری رہا اور وہ گویا مغلیہ حکومت کے باقی تمام دوسرے مسائل کے لیے ایک مرکزی نقطہ نظر بن کر رہ گیا۔ یہ مسئلہ ایک موزوں اور مناسب وزیر کے انتخاب کا مسئلہ تھا۔ وزیر کا مقام قرون وسطیٰ کے مشرق قریب۔ نیز ہمدستانی کے انتظامیہ میں تحت نشین حکمران کے ساتھ لازم و ملزوم کی طرح منسلک ہوتا ہے۔ بادشاہ وقت کے ساتھ وزیر کے تعلقات کی نوعیت ہمیشہ بڑی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ ایک بااثر وزیر سے ہمیشہ خطرہ رہتا ہے کہ وہ نہ صرف بادشاہ کے اقتدار کو بے اثر کر دے بلکہ خود ہی حکمران نہ بن بیٹھے۔ اس کے برعکس بے اثر اور بے رسوخ وزیر اکثر نقصان رسا ثابت ہوا ہے۔^(۱) اکبر نے مرکزی حکومت کے فرائض و مناصب کو کم و بیش ہر عہدہ داروں میں تقسیم کر کے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے مالی معاملات کی ذمہ داری دیوان صاحبان کے سپرد کی تھی جبکہ تقریر بنیادی طور پر ان کے انتظامی اور مالی معاملات کے تجربہ کی بنا پر ہوتا تھا اور جن کا سرکاری منصب داری کے لیے دعوے دار یا اقتدار ہونا کچھ لازمی نہ تھا۔^(۲) اس طرح اکبر کے وزراء شہنشاہ کے معتمد و معتبر ہونے کے سبب ہتم۔ بالشان ہوتے تھے نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ مالی حکمران کے سربراہ بھی ہوتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ وزیر کا دربار کے منصب داروں میں سے سب سے زیادہ ممتاز منصب دار ہونا پھر سے رواج پا گیا۔ جہانگیر کے دور حکومت کے اواخر اور خاص کر شاہ جہاں کے عہد حکومت میں، منصب داروں میں سے جو سب سے زیادہ ممتاز ہوتے تھے انھیں میں سے کچھ کو وزارت کا قلمدان سپرد ہونے لگا تھا۔^(۳) اورنگ زیب کے عہد میں میر جملہ کو اورنگ زیب کی تخت نشینی کے لیے کامیاب کوششیں کرنے کے صلہ میں وزارت کے عہدہ پر فائز کیا گیا۔ اس کا جانشین محمد الملک اسد فاں ہوا۔ یہ دونوں منصب دار یعنی 70000 ذوات 70.00 سوا کے بلند ترین منصب پر فائز تھے۔ علاوہ خود اپنے

عہدہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے ان کو متاثر تھا، اہم فوجی سربراہی بھی سپرد کی گئی۔ چنانچہ اورنگ زیب کے زمانہ وفات تک دربار میں وزیر کا بلند ترین منصب دار اور بادشاہ وقت کا خاص مشیر ہونے کے ساتھ ساتھ مالی معاملات کے سربراہ ہونے کی قدیم ترین رسم کی جوید بھی نہایت اگہری اور مضبوط ہو چکی تھیں۔ علاوہ ازیں وزارت کے عہدہ کے ساتھ بائزر سردستی اور انفرادی مفادات کے زبردستی مواقع بھی منسلک تھے۔ اس لیے کچھ تعجب کی بات نہیں کہ عہدہ وزارت کے لیے شدید جدوجہد ہر دور میں نظر آتی ہے اور اس کا حصول منصب لالوں اور عہدہ داروں کی دلبہ پردہ کوششوں کا مرکز قرار پا چکا تھا۔

وزارت کی انجمن میں اس باریک تبدیلی کے باوجود شاہ جہاں اورنگ زیب کے دور میں دوزخ بادشاہت کے مستحکم اقتدار کو نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت نہ رکھتے تھے اور اس لیے ان سے کوئی امکانی خطہ نہ تھا۔ ان شہنشاہوں کی انفرادی اہلیت اور مغلیہ حکومت کا زبردست وقار دوزخ کو ان کے دائرے میں محدود رکھنے کے لیے کافی تھا۔ لیکن اس وقت اس مسئلہ کا کوئی تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ کسی کمزور اور نااہل اور ناقابل حکمران کے عہد میں بھی وزارت کا ادارہ اسی طرح بخوبی تمام اپنے فرائض انجام دیتا رہے گا یا نہیں۔ ایسا قیاس ہے کہ اس مسئلہ نے کبھی نہ کبھی اورنگ زیب کے دماغ کو بھی پریشان رکھا تھا۔ لیکن اس کو اطمینان تھا کہ اسد خاں جس کو اس نے اس کام میں ماہر کر دیا تھا اس عہدہ کے فرائض سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہوتا رہے گا۔ اسی کے ساتھ وہ حکومت کو تقسیم کرنے کے تصور سے بھی پُر امید تھا جس کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔

تخت نشینی کی جنگ میں بہادر شاہ کی کامیابی نے منعم خاں کو عہدہ وزارت پر فائز ہونے کا موقع فراہم کیا۔ وہ ابھی تک صرف ایک معمولی منصب دار تھا۔ اور اس کا تقرر بہادر شاہ کی خوشنئی کی جنگ میں معاون و مددگار ثابت ہونے کے صلہ میں کیا گیا تھا۔ وزیر مقرر ہونے کے علاوہ منعم خاں کو سات ہزار ذات سات ہزار سوار (دو اسپ و سہ اسپ) منصب پور لاہور کی (غیر حاضر) ملازمت اور دیگر متعدد نقد و غیر نقد انعامات و کمالات سے نوازا گیا تھا۔ ایک طرح سے تو منعم خاں کے لیے سات ہزاری (7000) سات ہزاری (7000) کا منصب اس کے عہدہ وزارت سے بھی زیادہ اہم تھا کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وزیر کا دربار میں امیر الامرا، انہو بنو شمولیت امارات خزانہ اس درجہ قابل قبول ہو چکا تھا کہ اس کا اپنا تنگ پندرہ سو کے منصب سے سات ہزاری کے منصب پر فائز کیا جانا کسی کے لیے باعث حیرت نہ ہو اگرچہ منصف ہو، اس قدر اہم تک نہ تھا کہ شاہ ۱۱۱۱ء۔ ۱۱۱۲ء۔ ۱۱۱۳ء۔ ۱۱۱۴ء۔ ۱۱۱۵ء۔ ۱۱۱۶ء۔ ۱۱۱۷ء۔ ۱۱۱۸ء۔ ۱۱۱۹ء۔ ۱۱۲۰ء۔ ۱۱۲۱ء۔ ۱۱۲۲ء۔ ۱۱۲۳ء۔ ۱۱۲۴ء۔ ۱۱۲۵ء۔ ۱۱۲۶ء۔ ۱۱۲۷ء۔ ۱۱۲۸ء۔ ۱۱۲۹ء۔ ۱۱۳۰ء۔ ۱۱۳۱ء۔ ۱۱۳۲ء۔ ۱۱۳۳ء۔ ۱۱۳۴ء۔ ۱۱۳۵ء۔ ۱۱۳۶ء۔ ۱۱۳۷ء۔ ۱۱۳۸ء۔ ۱۱۳۹ء۔ ۱۱۴۰ء۔ ۱۱۴۱ء۔ ۱۱۴۲ء۔ ۱۱۴۳ء۔ ۱۱۴۴ء۔ ۱۱۴۵ء۔ ۱۱۴۶ء۔ ۱۱۴۷ء۔ ۱۱۴۸ء۔ ۱۱۴۹ء۔ ۱۱۵۰ء۔ ۱۱۵۱ء۔ ۱۱۵۲ء۔ ۱۱۵۳ء۔ ۱۱۵۴ء۔ ۱۱۵۵ء۔ ۱۱۵۶ء۔ ۱۱۵۷ء۔ ۱۱۵۸ء۔ ۱۱۵۹ء۔ ۱۱۶۰ء۔ ۱۱۶۱ء۔ ۱۱۶۲ء۔ ۱۱۶۳ء۔ ۱۱۶۴ء۔ ۱۱۶۵ء۔ ۱۱۶۶ء۔ ۱۱۶۷ء۔ ۱۱۶۸ء۔ ۱۱۶۹ء۔ ۱۱۷۰ء۔ ۱۱۷۱ء۔ ۱۱۷۲ء۔ ۱۱۷۳ء۔ ۱۱۷۴ء۔ ۱۱۷۵ء۔ ۱۱۷۶ء۔ ۱۱۷۷ء۔ ۱۱۷۸ء۔ ۱۱۷۹ء۔ ۱۱۸۰ء۔ ۱۱۸۱ء۔ ۱۱۸۲ء۔ ۱۱۸۳ء۔ ۱۱۸۴ء۔ ۱۱۸۵ء۔ ۱۱۸۶ء۔ ۱۱۸۷ء۔ ۱۱۸۸ء۔ ۱۱۸۹ء۔ ۱۱۹۰ء۔ ۱۱۹۱ء۔ ۱۱۹۲ء۔ ۱۱۹۳ء۔ ۱۱۹۴ء۔ ۱۱۹۵ء۔ ۱۱۹۶ء۔ ۱۱۹۷ء۔ ۱۱۹۸ء۔ ۱۱۹۹ء۔ ۱۲۰۰ء۔ ۱۲۰۱ء۔ ۱۲۰۲ء۔ ۱۲۰۳ء۔ ۱۲۰۴ء۔ ۱۲۰۵ء۔ ۱۲۰۶ء۔ ۱۲۰۷ء۔ ۱۲۰۸ء۔ ۱۲۰۹ء۔ ۱۲۱۰ء۔ ۱۲۱۱ء۔ ۱۲۱۲ء۔ ۱۲۱۳ء۔ ۱۲۱۴ء۔ ۱۲۱۵ء۔ ۱۲۱۶ء۔ ۱۲۱۷ء۔ ۱۲۱۸ء۔ ۱۲۱۹ء۔ ۱۲۲۰ء۔ ۱۲۲۱ء۔ ۱۲۲۲ء۔ ۱۲۲۳ء۔ ۱۲۲۴ء۔ ۱۲۲۵ء۔ ۱۲۲۶ء۔ ۱۲۲۷ء۔ ۱۲۲۸ء۔ ۱۲۲۹ء۔ ۱۲۳۰ء۔ ۱۲۳۱ء۔ ۱۲۳۲ء۔ ۱۲۳۳ء۔ ۱۲۳۴ء۔ ۱۲۳۵ء۔ ۱۲۳۶ء۔ ۱۲۳۷ء۔ ۱۲۳۸ء۔ ۱۲۳۹ء۔ ۱۲۴۰ء۔ ۱۲۴۱ء۔ ۱۲۴۲ء۔ ۱۲۴۳ء۔ ۱۲۴۴ء۔ ۱۲۴۵ء۔ ۱۲۴۶ء۔ ۱۲۴۷ء۔ ۱۲۴۸ء۔ ۱۲۴۹ء۔ ۱۲۵۰ء۔ ۱۲۵۱ء۔ ۱۲۵۲ء۔ ۱۲۵۳ء۔ ۱۲۵۴ء۔ ۱۲۵۵ء۔ ۱۲۵۶ء۔ ۱۲۵۷ء۔ ۱۲۵۸ء۔ ۱۲۵۹ء۔ ۱۲۶۰ء۔ ۱۲۶۱ء۔ ۱۲۶۲ء۔ ۱۲۶۳ء۔ ۱۲۶۴ء۔ ۱۲۶۵ء۔ ۱۲۶۶ء۔ ۱۲۶۷ء۔ ۱۲۶۸ء۔ ۱۲۶۹ء۔ ۱۲۷۰ء۔ ۱۲۷۱ء۔ ۱۲۷۲ء۔ ۱۲۷۳ء۔ ۱۲۷۴ء۔ ۱۲۷۵ء۔ ۱۲۷۶ء۔ ۱۲۷۷ء۔ ۱۲۷۸ء۔ ۱۲۷۹ء۔ ۱۲۸۰ء۔ ۱۲۸۱ء۔ ۱۲۸۲ء۔ ۱۲۸۳ء۔ ۱۲۸۴ء۔ ۱۲۸۵ء۔ ۱۲۸۶ء۔ ۱۲۸۷ء۔ ۱۲۸۸ء۔ ۱۲۸۹ء۔ ۱۲۹۰ء۔ ۱۲۹۱ء۔ ۱۲۹۲ء۔ ۱۲۹۳ء۔ ۱۲۹۴ء۔ ۱۲۹۵ء۔ ۱۲۹۶ء۔ ۱۲۹۷ء۔ ۱۲۹۸ء۔ ۱۲۹۹ء۔ ۱۳۰۰ء۔ ۱۳۰۱ء۔ ۱۳۰۲ء۔ ۱۳۰۳ء۔ ۱۳۰۴ء۔ ۱۳۰۵ء۔ ۱۳۰۶ء۔ ۱۳۰۷ء۔ ۱۳۰۸ء۔ ۱۳۰۹ء۔ ۱۳۱۰ء۔ ۱۳۱۱ء۔ ۱۳۱۲ء۔ ۱۳۱۳ء۔ ۱۳۱۴ء۔ ۱۳۱۵ء۔ ۱۳۱۶ء۔ ۱۳۱۷ء۔ ۱۳۱۸ء۔ ۱۳۱۹ء۔ ۱۳۲۰ء۔ ۱۳۲۱ء۔ ۱۳۲۲ء۔ ۱۳۲۳ء۔ ۱۳۲۴ء۔ ۱۳۲۵ء۔ ۱۳۲۶ء۔ ۱۳۲۷ء۔ ۱۳۲۸ء۔ ۱۳۲۹ء۔ ۱۳۳۰ء۔ ۱۳۳۱ء۔ ۱۳۳۲ء۔ ۱۳۳۳ء۔ ۱۳۳۴ء۔ ۱۳۳۵ء۔ ۱۳۳۶ء۔ ۱۳۳۷ء۔ ۱۳۳۸ء۔ ۱۳۳۹ء۔ ۱۳۴۰ء۔ ۱۳۴۱ء۔ ۱۳۴۲ء۔ ۱۳۴۳ء۔ ۱۳۴۴ء۔ ۱۳۴۵ء۔ ۱۳۴۶ء۔ ۱۳۴۷ء۔ ۱۳۴۸ء۔ ۱۳۴۹ء۔ ۱۳۵۰ء۔ ۱۳۵۱ء۔ ۱۳۵۲ء۔ ۱۳۵۳ء۔ ۱۳۵۴ء۔ ۱۳۵۵ء۔ ۱۳۵۶ء۔ ۱۳۵۷ء۔ ۱۳۵۸ء۔ ۱۳۵۹ء۔ ۱۳۶۰ء۔ ۱۳۶۱ء۔ ۱۳۶۲ء۔ ۱۳۶۳ء۔ ۱۳۶۴ء۔ ۱۳۶۵ء۔ ۱۳۶۶ء۔ ۱۳۶۷ء۔ ۱۳۶۸ء۔ ۱۳۶۹ء۔ ۱۳۷۰ء۔ ۱۳۷۱ء۔ ۱۳۷۲ء۔ ۱۳۷۳ء۔ ۱۳۷۴ء۔ ۱۳۷۵ء۔ ۱۳۷۶ء۔ ۱۳۷۷ء۔ ۱۳۷۸ء۔ ۱۳۷۹ء۔ ۱۳۸۰ء۔ ۱۳۸۱ء۔ ۱۳۸۲ء۔ ۱۳۸۳ء۔ ۱۳۸۴ء۔ ۱۳۸۵ء۔ ۱۳۸۶ء۔ ۱۳۸۷ء۔ ۱۳۸۸ء۔ ۱۳۸۹ء۔ ۱۳۹۰ء۔ ۱۳۹۱ء۔ ۱۳۹۲ء۔ ۱۳۹۳ء۔ ۱۳۹۴ء۔ ۱۳۹۵ء۔ ۱۳۹۶ء۔ ۱۳۹۷ء۔ ۱۳۹۸ء۔ ۱۳۹۹ء۔ ۱۴۰۰ء۔ ۱۴۰۱ء۔ ۱۴۰۲ء۔ ۱۴۰۳ء۔ ۱۴۰۴ء۔ ۱۴۰۵ء۔ ۱۴۰۶ء۔ ۱۴۰۷ء۔ ۱۴۰۸ء۔ ۱۴۰۹ء۔ ۱۴۱۰ء۔ ۱۴۱۱ء۔ ۱۴۱۲ء۔ ۱۴۱۳ء۔ ۱۴۱۴ء۔ ۱۴۱۵ء۔ ۱۴۱۶ء۔ ۱۴۱۷ء۔ ۱۴۱۸ء۔ ۱۴۱۹ء۔ ۱۴۲۰ء۔ ۱۴۲۱ء۔ ۱۴۲۲ء۔ ۱۴۲۳ء۔ ۱۴۲۴ء۔ ۱۴۲۵ء۔ ۱۴۲۶ء۔ ۱۴۲۷ء۔ ۱۴۲۸ء۔ ۱۴۲۹ء۔ ۱۴۳۰ء۔ ۱۴۳۱ء۔ ۱۴۳۲ء۔ ۱۴۳۳ء۔ ۱۴۳۴ء۔ ۱۴۳۵ء۔ ۱۴۳۶ء۔ ۱۴۳۷ء۔ ۱۴۳۸ء۔ ۱۴۳۹ء۔ ۱۴۴۰ء۔ ۱۴۴۱ء۔ ۱۴۴۲ء۔ ۱۴۴۳ء۔ ۱۴۴۴ء۔ ۱۴۴۵ء۔ ۱۴۴۶ء۔ ۱۴۴۷ء۔ ۱۴۴۸ء۔ ۱۴۴۹ء۔ ۱۴۵۰ء۔ ۱۴۵۱ء۔ ۱۴۵۲ء۔ ۱۴۵۳ء۔ ۱۴۵۴ء۔ ۱۴۵۵ء۔ ۱۴۵۶ء۔ ۱۴۵۷ء۔ ۱۴۵۸ء۔ ۱۴۵۹ء۔ ۱۴۶۰ء۔ ۱۴۶۱ء۔ ۱۴۶۲ء۔ ۱۴۶۳ء۔ ۱۴۶۴ء۔ ۱۴۶۵ء۔ ۱۴۶۶ء۔ ۱۴۶۷ء۔ ۱۴۶۸ء۔ ۱۴۶۹ء۔ ۱۴۷۰ء۔ ۱۴۷۱ء۔ ۱۴۷۲ء۔ ۱۴۷۳ء۔ ۱۴۷۴ء۔ ۱۴۷۵ء۔ ۱۴۷۶ء۔ ۱۴۷۷ء۔ ۱۴۷۸ء۔ ۱۴۷۹ء۔ ۱۴۸۰ء۔ ۱۴۸۱ء۔ ۱۴۸۲ء۔ ۱۴۸۳ء۔ ۱۴۸۴ء۔ ۱۴۸۵ء۔ ۱۴۸۶ء۔ ۱۴۸۷ء۔ ۱۴۸۸ء۔ ۱۴۸۹ء۔ ۱۴۹۰ء۔ ۱۴۹۱ء۔ ۱۴۹۲ء۔ ۱۴۹۳ء۔ ۱۴۹۴ء۔ ۱۴۹۵ء۔ ۱۴۹۶ء۔ ۱۴۹۷ء۔ ۱۴۹۸ء۔ ۱۴۹۹ء۔ ۱۵۰۰ء۔ ۱۵۰۱ء۔ ۱۵۰۲ء۔ ۱۵۰۳ء۔ ۱۵۰۴ء۔ ۱۵۰۵ء۔ ۱۵۰۶ء۔ ۱۵۰۷ء۔ ۱۵۰۸ء۔ ۱۵۰۹ء۔ ۱۵۱۰ء۔ ۱۵۱۱ء۔ ۱۵۱۲ء۔ ۱۵۱۳ء۔ ۱۵۱۴ء۔ ۱۵۱۵ء۔ ۱۵۱۶ء۔ ۱۵۱۷ء۔ ۱۵۱۸ء۔ ۱۵۱۹ء۔ ۱۵۲۰ء۔ ۱۵۲۱ء۔ ۱۵۲۲ء۔ ۱۵۲۳ء۔ ۱۵۲۴ء۔ ۱۵۲۵ء۔ ۱۵۲۶ء۔ ۱۵۲۷ء۔ ۱۵۲۸ء۔ ۱۵۲۹ء۔ ۱۵۳۰ء۔ ۱۵۳۱ء۔ ۱۵۳۲ء۔ ۱۵۳۳ء۔ ۱۵۳۴ء۔ ۱۵۳۵ء۔ ۱۵۳۶ء۔ ۱۵۳۷ء۔ ۱۵۳۸ء۔ ۱۵۳۹ء۔ ۱۵۴۰ء۔ ۱۵۴۱ء۔ ۱۵۴۲ء۔ ۱۵۴۳ء۔ ۱۵۴۴ء۔ ۱۵۴۵ء۔ ۱۵۴۶ء۔ ۱۵۴۷ء۔ ۱۵۴۸ء۔ ۱۵۴۹ء۔ ۱۵۵۰ء۔ ۱۵۵۱ء۔ ۱۵۵۲ء۔ ۱۵۵۳ء۔ ۱۵۵۴ء۔ ۱۵۵۵ء۔ ۱۵۵۶ء۔ ۱۵۵۷ء۔ ۱۵۵۸ء۔ ۱۵۵۹ء۔ ۱۵۶۰ء۔ ۱۵۶۱ء۔ ۱۵۶۲ء۔ ۱۵۶۳ء۔ ۱۵۶۴ء۔ ۱۵۶۵ء۔ ۱۵۶۶ء۔ ۱۵۶۷ء۔ ۱۵۶۸ء۔ ۱۵۶۹ء۔ ۱۵۷۰ء۔ ۱۵۷۱ء۔ ۱۵۷۲ء۔ ۱۵۷۳ء۔ ۱۵۷۴ء۔ ۱۵۷۵ء۔ ۱۵۷۶ء۔ ۱۵۷۷ء۔ ۱۵۷۸ء۔ ۱۵۷۹ء۔ ۱۵۸۰ء۔ ۱۵۸۱ء۔ ۱۵۸۲ء۔ ۱۵۸۳ء۔ ۱۵۸۴ء۔ ۱۵۸۵ء۔ ۱۵۸۶ء۔ ۱۵۸۷ء۔ ۱۵۸۸ء۔ ۱۵۸۹ء۔ ۱۵۹۰ء۔ ۱۵۹۱ء۔ ۱۵۹۲ء۔ ۱۵۹۳ء۔ ۱۵۹۴ء۔ ۱۵۹۵ء۔ ۱۵۹۶ء۔ ۱۵۹۷ء۔ ۱۵۹۸ء۔ ۱۵۹۹ء۔ ۱۶۰۰ء۔ ۱۶۰۱ء۔ ۱۶۰۲ء۔ ۱۶۰۳ء۔ ۱۶۰۴ء۔ ۱۶۰۵ء۔ ۱۶۰۶ء۔ ۱۶۰۷ء۔ ۱۶۰۸ء۔ ۱۶۰۹ء۔ ۱۶۱۰ء۔ ۱۶۱۱ء۔ ۱۶۱۲ء۔ ۱۶۱۳ء۔ ۱۶۱۴ء۔ ۱۶۱۵ء۔ ۱۶۱۶ء۔ ۱۶۱۷ء۔ ۱۶۱۸ء۔ ۱۶۱۹ء۔ ۱۶۲۰ء۔ ۱۶۲۱ء۔ ۱۶۲۲ء۔ ۱۶۲۳ء۔ ۱۶۲۴ء۔ ۱۶۲۵ء۔ ۱۶۲۶ء۔ ۱۶۲۷ء۔ ۱۶۲۸ء۔ ۱۶۲۹ء۔ ۱۶۳۰ء۔ ۱۶۳۱ء۔ ۱۶۳۲ء۔ ۱۶۳۳ء۔ ۱۶۳۴ء۔ ۱۶۳۵ء۔ ۱۶۳۶ء۔ ۱۶۳۷ء۔ ۱۶۳۸ء۔ ۱۶۳۹ء۔ ۱۶۴۰ء۔ ۱۶۴۱ء۔ ۱۶۴۲ء۔ ۱۶۴۳ء۔ ۱۶۴۴ء۔ ۱۶۴۵ء۔ ۱۶۴۶ء۔ ۱۶۴۷ء۔ ۱۶۴۸ء۔ ۱۶۴۹ء۔ ۱۶۵۰ء۔ ۱۶۵۱ء۔ ۱۶۵۲ء۔ ۱۶۵۳ء۔ ۱۶۵۴ء۔ ۱۶۵۵ء۔ ۱۶۵۶ء۔ ۱۶۵۷ء۔ ۱۶۵۸ء۔ ۱۶۵۹ء۔ ۱۶۶۰ء۔ ۱۶۶۱ء۔ ۱۶۶۲ء۔ ۱۶۶۳ء۔ ۱۶۶۴ء۔ ۱۶۶۵ء۔ ۱۶۶۶ء۔ ۱۶۶۷ء۔ ۱۶۶۸ء۔ ۱۶۶۹ء۔ ۱۶۷۰ء۔ ۱۶۷۱ء۔ ۱۶۷۲ء۔ ۱۶۷۳ء۔ ۱۶۷۴ء۔ ۱۶۷۵ء۔ ۱۶۷۶ء۔ ۱۶۷۷ء۔ ۱۶۷۸ء۔ ۱۶۷۹ء۔ ۱۶۸۰ء۔ ۱۶۸۱ء۔ ۱۶۸۲ء۔ ۱۶۸۳ء۔ ۱۶۸۴ء۔ ۱۶۸۵ء۔ ۱۶۸۶ء۔ ۱۶۸۷ء۔ ۱۶۸۸ء۔ ۱۶۸۹ء۔ ۱۶۹۰ء۔ ۱۶۹۱ء۔ ۱۶۹۲ء۔ ۱۶۹۳ء۔ ۱۶۹۴ء۔ ۱۶۹۵ء۔ ۱۶۹۶ء۔ ۱۶۹۷ء۔ ۱۶۹۸ء۔ ۱۶۹۹ء۔ ۱۷۰۰ء۔ ۱۷۰۱ء۔ ۱۷۰۲ء۔ ۱۷۰۳ء۔ ۱۷۰۴ء۔ ۱۷۰۵ء۔ ۱۷۰۶ء۔ ۱۷۰۷ء۔ ۱۷۰۸ء۔ ۱۷۰۹ء۔ ۱۷۱۰ء۔ ۱۷۱۱ء۔ ۱۷۱۲ء۔ ۱۷۱۳ء۔ ۱۷۱۴ء۔ ۱۷۱۵ء۔ ۱۷۱۶ء۔ ۱۷۱۷ء۔ ۱۷۱۸ء۔ ۱۷۱۹ء۔ ۱۷۲۰ء۔ ۱۷۲۱ء۔ ۱۷۲۲ء۔ ۱۷۲۳ء۔ ۱۷۲۴ء۔ ۱۷۲۵ء۔ ۱۷۲۶ء۔ ۱۷۲۷ء۔ ۱۷۲۸ء۔ ۱۷۲۹ء۔ ۱۷۳۰ء۔ ۱۷۳۱ء۔ ۱۷۳۲ء۔ ۱۷۳۳ء۔ ۱۷۳۴ء۔ ۱۷۳۵ء۔ ۱۷۳۶ء۔ ۱۷۳۷ء۔ ۱۷۳۸ء۔ ۱۷۳۹ء۔ ۱۷۴۰ء۔ ۱۷۴۱ء۔ ۱۷۴۲ء۔ ۱۷۴۳ء۔ ۱۷۴۴ء۔ ۱۷۴۵ء۔ ۱۷۴۶ء۔ ۱۷۴۷ء۔ ۱۷۴۸ء۔ ۱۷۴۹ء۔ ۱۷۵۰ء۔ ۱۷۵۱ء۔ ۱۷۵۲ء۔ ۱۷۵۳ء۔ ۱۷۵۴ء۔ ۱۷۵۵ء۔ ۱۷۵۶ء۔ ۱۷۵۷ء۔ ۱۷۵۸ء۔ ۱۷۵۹ء۔ ۱۷۶۰ء۔ ۱۷۶۱ء۔ ۱۷۶۲ء۔ ۱۷۶۳ء۔ ۱۷۶۴ء۔ ۱۷۶۵ء۔ ۱۷۶۶ء۔ ۱۷۶۷ء۔ ۱۷۶۸ء۔ ۱۷۶۹ء۔ ۱۷۷۰ء۔ ۱۷۷۱ء۔ ۱۷۷۲ء۔ ۱۷۷۳ء۔ ۱۷۷۴ء۔ ۱۷۷۵ء۔ ۱۷۷۶ء۔ ۱۷۷۷ء۔ ۱۷۷۸ء۔ ۱۷۷۹ء۔ ۱۷۸۰ء۔ ۱۷۸۱ء۔ ۱۷۸۲ء۔ ۱۷۸۳ء۔ ۱۷۸۴ء۔ ۱۷۸۵ء۔ ۱۷۸۶ء۔ ۱۷۸۷ء۔ ۱۷۸۸ء۔ ۱۷۸۹ء۔ ۱۷۹۰ء۔ ۱۷۹۱ء۔ ۱۷۹۲ء۔ ۱۷۹۳ء۔ ۱۷۹۴ء۔ ۱۷۹۵ء۔ ۱۷۹۶ء۔ ۱۷۹۷ء۔ ۱۷۹۸ء۔ ۱۷۹۹ء۔ ۱۸۰۰ء۔ ۱۸۰۱ء۔ ۱۸۰۲ء۔ ۱۸۰۳ء۔ ۱۸۰۴ء۔ ۱۸۰۵ء۔ ۱۸۰۶ء۔ ۱۸۰۷ء۔ ۱۸۰۸ء۔ ۱۸۰۹ء۔ ۱۸۱۰ء۔ ۱۸۱۱ء۔ ۱۸۱۲ء۔ ۱۸۱۳ء۔ ۱۸۱۴ء۔ ۱۸۱۵ء۔ ۱۸۱۶ء۔ ۱۸۱۷ء۔ ۱۸۱۸ء۔ ۱۸۱۹ء۔ ۱۸۲۰ء۔ ۱۸۲۱ء۔ ۱۸۲۲ء۔ ۱۸۲۳ء۔ ۱۸۲۴ء۔ ۱۸۲۵ء۔ ۱۸۲۶ء۔ ۱۸۲۷ء۔ ۱۸۲۸ء۔ ۱۸۲۹ء۔ ۱۸۳۰ء۔ ۱۸۳۱ء۔ ۱۸۳۲ء۔ ۱۸۳۳ء۔ ۱۸۳۴ء۔ ۱۸۳۵ء۔ ۱۸۳۶ء۔ ۱۸۳۷ء۔ ۱۸۳۸ء۔ ۱۸۳۹ء۔ ۱۸۴۰ء۔ ۱۸۴۱ء۔ ۱۸۴۲ء۔ ۱۸۴۳ء۔ ۱۸۴۴ء۔ ۱۸۴۵ء۔ ۱۸۴۶ء۔ ۱۸۴۷ء۔ ۱۸۴۸ء۔ ۱۸۴۹ء۔ ۱۸۵۰ء۔ ۱۸۵۱ء۔ ۱۸۵۲ء۔ ۱۸۵۳ء۔ ۱۸۵۴ء۔ ۱۸۵۵ء۔ ۱۸۵۶ء۔ ۱۸۵۷ء۔ ۱۸۵۸ء۔ ۱۸۵۹ء۔ ۱۸۶۰ء۔ ۱۸۶۱ء۔ ۱۸۶۲ء۔ ۱۸۶۳ء۔ ۱۸۶۴ء۔ ۱۸۶۵ء۔ ۱۸۶۶ء۔ ۱۸۶۷ء۔ ۱۸۶۸ء۔ ۱۸۶۹ء۔ ۱۸۷۰ء۔ ۱۸۷۱ء۔ ۱۸۷۲ء۔ ۱۸۷۳ء۔ ۱۸۷۴ء۔ ۱۸۷۵ء۔ ۱۸۷۶ء۔ ۱۸۷۷ء۔ ۱۸۷۸ء۔ ۱۸۷۹ء۔ ۱۸۸۰ء۔ ۱۸۸۱ء۔ ۱۸۸۲ء۔ ۱۸۸۳ء۔ ۱۸۸۴ء۔ ۱۸۸۵ء۔ ۱۸۸۶ء۔ ۱۸۸۷ء۔ ۱۸۸۸ء۔ ۱۸۸۹ء۔ ۱۸۹۰ء۔ ۱۸۹۱ء۔ ۱۸۹۲ء۔ ۱۸۹۳ء۔ ۱۸۹۴ء۔ ۱۸۹۵ء۔ ۱۸۹۶ء۔ ۱۸۹۷ء۔ ۱۸۹۸ء۔ ۱۸۹۹ء۔ ۱۹۰۰ء۔ ۱۹۰۱ء۔ ۱۹۰۲ء۔ ۱۹۰۳ء۔ ۱۹۰۴ء۔ ۱۹۰۵ء۔ ۱۹۰۶ء۔ ۱۹۰۷ء۔ ۱۹۰۸ء۔ ۱۹۰۹ء۔ ۱۹۱۰ء۔ ۱۹۱۱ء۔ ۱۹۱۲ء۔ ۱۹۱۳ء۔ ۱۹۱۴ء۔ ۱۹۱۵ء۔ ۱۹۱۶ء۔ ۱۹۱۷ء۔ ۱۹۱۸ء۔ ۱۹۱۹ء۔ ۱۹۲۰ء۔ ۱۹۲۱ء۔ ۱۹۲۲ء۔ ۱۹۲۳ء۔ ۱۹۲۴ء۔ ۱۹۲۵ء۔ ۱۹۲۶ء۔ ۱۹۲۷ء۔ ۱۹۲۸ء۔ ۱۹۲۹ء۔ ۱۹۳۰ء۔ ۱۹۳۱ء۔ ۱۹۳۲ء۔ ۱۹۳۳ء۔ ۱۹۳۴ء۔ ۱۹۳۵ء۔ ۱۹۳۶ء۔ ۱۹۳۷ء۔ ۱۹۳۸ء۔ ۱۹۳۹ء۔ ۱۹۴۰ء۔ ۱۹۴۱ء۔ ۱۹۴۲ء۔ ۱۹۴۳ء۔ ۱۹۴۴ء۔ ۱۹۴۵ء۔ ۱۹۴۶ء۔ ۱۹۴۷ء۔ ۱۹۴۸ء۔ ۱۹۴۹ء۔ ۱۹۵۰ء۔ ۱۹۵۱ء۔ ۱۹۵۲ء۔ ۱۹۵۳ء۔ ۱۹۵۴ء۔ ۱۹۵۵ء۔ ۱۹۵۶ء۔ ۱۹۵۷ء۔ ۱۹۵۸ء۔ ۱۹۵۹ء۔ ۱۹۶۰ء۔ ۱۹۶۱ء۔ ۱۹۶۲ء۔ ۱۹۶۳ء۔ ۱۹۶۴ء۔ ۱۹۶۵ء۔ ۱۹۶۶ء۔ ۱۹۶۷ء۔ ۱۹۶۸ء۔ ۱۹۶۹ء۔ ۱۹۷۰ء۔ ۱۹۷۱ء۔ ۱۹۷۲ء۔ ۱۹۷۳ء۔ ۱۹۷۴ء۔ ۱۹۷۵ء۔ ۱۹۷۶ء۔ ۱۹۷۷ء۔ ۱۹۷۸ء۔ ۱۹۷۹ء۔ ۱۹۸۰ء۔ ۱۹۸۱ء۔ ۱۹۸۲ء۔ ۱۹۸۳ء۔ ۱۹۸۴ء۔ ۱۹۸۵ء۔ ۱۹۸۶ء۔ ۱۹۸۷ء۔ ۱۹۸۸ء۔ ۱۹۸۹ء۔ ۱۹۹۰ء۔ ۱۹۹۱ء۔ ۱۹۹۲ء۔ ۱۹۹۳ء۔ ۱۹۹۴ء۔ ۱۹۹۵ء۔ ۱۹۹۶ء۔ ۱۹۹۷ء۔ ۱۹۹۸ء۔ ۱۹۹۹ء۔ ۲۰۰۰ء۔ ۲۰۰۱ء۔ ۲۰۰۲ء۔ ۲۰۰۳ء۔ ۲۰۰۴ء۔ ۲۰۰۵ء۔ ۲۰۰۶ء۔ ۲۰۰۷ء۔ ۲۰۰۸ء۔ ۲۰۰۹ء۔ ۲۰۱۰ء۔ ۲۰۱۱ء۔ ۲۰۱۲ء۔ ۲۰۱۳ء۔ ۲۰۱۴ء۔ ۲۰۱۵ء۔ ۲۰۱۶ء۔ ۲۰۱۷ء۔ ۲۰۱۸ء۔ ۲۰۱۹ء۔ ۲۰۲۰ء۔ ۲۰۲۱ء۔ ۲۰۲۲ء۔ ۲۰۲۳ء۔ ۲۰۲۴ء۔ ۲۰۲۵ء۔ ۲۰۲۶ء۔ ۲۰۲۷ء۔ ۲۰۲۸ء۔ ۲۰۲۹ء۔ ۲۰۳۰ء۔ ۲۰۳۱ء۔ ۲۰۳۲ء۔ ۲۰۳۳ء۔ ۲۰۳۴ء۔ ۲۰۳۵ء۔ ۲۰۳۶ء۔ ۲۰۳۷ء۔ ۲۰۳۸ء۔ ۲۰۳۹ء۔ ۲۰۴۰ء۔ ۲۰۴۱ء۔ ۲۰۴۲ء۔ ۲۰۴۳ء۔ ۲۰۴۴ء۔ ۲۰۴۵ء۔ ۲۰۴۶ء۔ ۲۰۴۷ء۔ ۲۰۴۸ء۔ ۲۰۴۹ء۔ ۲۰۵۰ء۔ ۲۰۵۱ء۔ ۲۰۵۲ء۔ ۲۰۵۳ء۔ ۲۰۵۴ء۔ ۲۰۵۵ء۔ ۲۰۵۶ء۔ ۲۰۵۷ء۔ ۲۰۵۸ء۔ ۲۰۵۹ء۔ ۲۰۶۰ء۔ ۲۰۶۱ء۔ ۲۰۶۲ء۔ ۲۰۶۳ء۔ ۲۰۶۴ء۔ ۲۰۶۵ء۔ ۲۰۶۶ء۔ ۲۰۶۷ء۔ ۲۰۶۸ء۔ ۲۰۶۹ء۔ ۲۰۷۰ء۔ ۲۰۷۱ء۔ ۲۰۷۲ء۔ ۲۰۷۳ء۔ ۲۰۷۴ء۔ ۲۰۷۵ء۔ ۲۰۷۶ء۔ ۲۰۷۷ء۔ ۲۰۷۸ء۔ ۲۰۷۹ء۔ ۲۰۸۰ء۔ ۲۰۸۱ء۔ ۲۰۸۲ء۔ ۲۰۸۳ء۔ ۲۰۸۴ء۔ ۲۰۸۵ء۔ ۲۰۸۶ء۔ ۲۰۸۷ء۔ ۲۰۸۸ء۔ ۲۰۸۹ء۔ ۲۰۹۰ء۔ ۲۰۹۱ء۔ ۲۰۹۲ء۔ ۲۰۹۳ء۔ ۲۰۹۴ء۔ ۲۰۹۵ء۔ ۲۰۹۶ء۔ ۲۰۹۷ء۔ ۲۰۹۸ء۔ ۲۰۹۹ء۔ ۲۱۰۰ء۔ ۲۱۰۱ء۔ ۲۱۰۲ء۔ ۲۱۰۳ء۔ ۲۱۰۴ء۔ ۲۱۰۵ء۔ ۲۱۰۶ء۔ ۲۱۰۷ء۔ ۲۱۰۸ء۔ ۲۱۰۹ء۔ ۲۱۱۰ء۔ ۲۱۱۱ء۔ ۲۱۱۲ء۔ ۲۱۱۳ء۔ ۲۱۱۴ء۔ ۲۱۱۵ء۔ ۲۱۱۶ء۔ ۲۱۱۷ء۔ ۲۱۱۸ء۔ ۲۱۱۹ء۔ ۲۱۲۰ء۔ ۲۱۲۱ء۔ ۲۱۲۲ء۔ ۲۱۲۳ء۔ ۲۱۲۴ء۔ ۲۱۲۵ء۔ ۲۱۲۶ء۔ ۲۱۲۷ء۔ ۲۱۲۸ء۔ ۲۱۲۹ء۔ ۲۱۳۰ء۔ ۲۱۳۱ء۔ ۲۱۳۲ء۔ ۲۱۳۳ء۔ ۲۱۳۴ء۔ ۲۱۳۵ء۔ ۲۱۳۶ء۔ ۲۱۳۷ء۔ ۲۱۳۸ء۔ ۲۱۳۹ء۔ ۲۱۴۰ء۔ ۲۱۴۱ء۔ ۲۱۴۲ء۔ ۲۱۴۳ء۔ ۲۱۴۴ء۔ ۲۱۴۵ء۔ ۲۱۴۶ء۔ ۲۱۴۷ء۔ ۲۱۴۸ء۔ ۲۱۴۹ء

نظر نہیں آتی۔^۶ منعم خاں کو عطا کئے گئے دوسرے مراعات بھی اسی حقیقت پر مزید روشنی ڈالتے ہیں
موجودہ بادشاہ بہادر شاہ اور امرا کی سب سے زیادہ با اثر و زیر کے درمیان تصادم
کا اسکان متعدد عوامل کے سبب ملتا رہا۔ اول تو یہ کہ منعم خاں نے کبھی بھی اس حقیقت کو فراموش
نہیں کیا کہ اس کا جو کچھ وقار تھا وہ محض بہادر شاہ کا مرہون منت تھا۔ اس لیے اس نے کبھی اپنی
پچھلی خدمات یا اپنے وقار کی عظمت پر نگاہ غلط انداز نہ ڈالی۔ وہ کہتا کرتا تھا کہ حکومت خدا کا عطا
کردہ خاص عطیہ ہے۔ اس لیے حکمرانوں پر احسان کرنے کا کوئی دعو یا نہیں بن سکتا اس لیے کسی
کالان کی کامیابی میں خود کو محرک سمجھنا محض غرور تکبر ہے اور کچھ نہیں۔^۷ دوسرے یہ کہ منعم خاں
امراء کے کسی با اثر گروہ کا سربراہ نہ تھا۔ اس لیے بہادر شاہ کے لیے اس کے اشارات سے خوفزدہ
ہونے یا اس کی طرف سے کوئی خطرہ محسوس کرنے کا موقع نہ تھا اس نے بخوشی تمام منعم خاں کو انصاف
حکومت کا بار سنبھالنے دیا اور اپنی فرسخت کی بنا پر اس نے نہ خود اس کے روزانہ کے معاملات میں
دخل اندازی کی اور نہ دوسروں کو اس کی اجازت دی۔ تیسرے یہ کہ منعم خاں ایک اعلیٰ منظم و بھی
تاہم ایک اوسط درجہ کا قابل و ماہر منظم ضرور تھا۔

اس نے اپنے اخلاق، علم و فضل اور قدیم عالم گیری امراء کے لحاظ و پاس کے سبب ہر دعویٰ
حاصل کر لی تھی۔^۸ لیکن اتنے متعدد حسن اتفاقات کا دوبارہ یکجا ہونا ناممکنات میں سے معلوم ہوتا تھا
اس لیے بہادر شاہ کو منعم خاں کا جائشیں تلاش کرنے میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس سے
وزارت کا مسئلہ سنجیدہ شکل اختیار کر گیا۔ بہادر شاہ نے بالآخر اس مسئلہ کو اس طرح حل کرنا چاہا کہ
اکبر اعظم کی روایت پر عمل کرتے ہوئے وزارت کے فرائض کو متعدد اشخاص میں تقسیم کر دیا جائے
لیکن اکبر کی روایت کو پوری طرح زندہ کرنے سے قبل ہی بہادر شاہ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور
اس کے نتیجہ میں وزارت کا سماں پھر طاقت آزمائی کی آتش فروزاں کی نند ہو گیا۔

ذوالفقار خاں اور تینوں شاہزادوں کا وفاق

اپنے اور اپنی نسل کے لیے دنارت کا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش میں ناکام ہو جانے کے بعد ذوالفقار خاں نے اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے نئے حربے استعمال کرنا شروع کر دیئے اس کی ہمہ کما اصل مقصد شاہزادہ عظیم الشان کو زبردست شکست دینا تھا۔ کیونکہ وہ شاہزادہ عظیم الشان کو دنارت کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ عظیم الشان بہادر شاہ کے بیٹوں میں سے سب سے زیادہ با اثر اور لائق وقایت تھا۔ وہ ادائیں عمر ہی میں اورنگ زیب کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا اور اس کو بہت عزیز ہو گیا تھا۔ بنگال کی صوبہ داری یعنی 1697 تا 1706 کے عرصہ میں صوبہ کی اندرونی تجارت کو اپنی اجارہ داری میں لے کر اس نے بہت دافر دولت پس انداز کر لی تھی⁹۔ بہادر شاہ کی تخت نشینی کے لیے اس کی کوششوں کا اور ادل الذکر کے دربار میں اس کے اثرات کا تذکرہ پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ دولت طاقت اور اثر میں اس نے اپنے تینوں بھائیوں یعنی جہاں دار شاہ کو، رفیع الشان شاہ اور جہاں شاہ کو اس قدر پیچھے چھوڑ دیا تھا کہ عام طور پر یہ یقین کر لیا گیا تھا کہ بالئینی کی طاقت آزمائی میں ان کی کامیابی کا کوئی امکان ہی نہ تھا۔ ارنے ذوالفقار خاں نے حکومت کی تقسیم کے معاہدہ کو بنیاد بنا کر مقصد برائی کے لیے تینوں بھائیوں کو ایک وفاق کی شکل میں عظیم الشان خاں کے خلاف متحد کرنے کی کوشش شروع کر دی¹⁰۔

اس طرح با اثر ترین شاہزادہ اور دربار میں با اثر ترین امیر الامرا کھلے طور پر ایک دوسرے کے دست و گریبان ہو گئے۔ ان حالات کی روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور سے آغز ہونے والی خانہ جنگی ان تمام خانہ جنگیوں سے مختلف تھی جو اس سے قبل منغل شاہزادگان کے درمیان وقوع پذیر ہو چکی تھیں۔

آخری لمحہ تک ذوالفقار خاں کو اپنی کامیابی کا یقین نہ تھا اور وہ شاہزادہ عظیم الشان سے کسی معاہدہ پر پہنچنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ ذوالفقار خاں کی اصل شرائط کا تو ہمیں علم نہیں ہو سکا۔ بہر حال وہ کوشش جو اس نے شہور مورخ ارادت خاں کے توسط سے بہادر شاہ کی وفات کے فوراً بعد کی، اس کو عظیم الشان کے جانب سے اس کے ترجمان شیخ قسنت اللہ نے مسترد کر دیا اور ذوالفقار خاں کو فوری طور پر تسلیم خم کرنے کو کہا گیا ورنہ کسی دوسری جگہ کا کوئی امکان نہ تھا¹¹۔ اسی طرح ان کوششوں کا بھی وہی حشر ہوا جو منم خاں کے صاحبزادگان کے توسط سے کی گئی تھیں¹²۔

ذوالفقار خان کیا چاہتا تھا اور کس قسم کی خواہشات رکھتا تھا اس کا اندازہ حکومت کو تقسیم کرنے کی اس تجویز سے کیا جاسکتا ہے جو اس نے اسی زمانے میں دیا اس سے کچھ قبل ہی مرتب کی تھی۔ اس تجویز کے مطابق زمدا کے جنوب کا کل خط جہان شاہ کے حصہ میں آیا تھا۔ ملتان ٹھٹھا اور کشمیر رنج اشان کے زیر نگین ہونا تھا اور باقی جہاں در شاہ کے لیے تجویز کیا گیا تھا۔ اس تجویز کا ایک خاص اور نہایت ہی عجیب پہلو یہ تھا کہ ان تینوں بھائیوں کا مشترک وزیر ذوالفقار خان ہی کو ہونا تھا۔ وہ جہاں دار شاہ کے دربار میں رہنا چاہتا تھا جس کے نام کے سکے چلتے تھے اور تمام ملک میں اسی کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جاتا تھا اور وزیر اعظم اپنے نائبین کے ذریعہ دوسرے حکمران بھائیوں کے دربار میں اپنے فرائض ادا کرنا چاہتا تھا¹⁴۔

اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آیا ذوالفقار خان کو حکومت کو تقسیم کرانے کی تجویز حکمت عملی کا ایک حصہ تھی یا اس بات کا اقرار تھا کہ تخت نشینوں کا مسئلہ کامل ممکن نہیں یا پرانے حل کو نئے طریقے سے استعمال کرنے کا تجربہ کرنا تھا۔ حکومت کی تقسیم کی تجویز تو بھائیوں کے وقت ہی میں ناکامیاب ہو چکی تھی۔ اس کا لا حاصل ہونا شاہ جہاں کے دور حکومت اور درنگ زیب کی وفات کے بعد بھی ثابت ہو چکا تھا۔ شاید اورنگ زیب کی طرح ذوالفقار خان کو بھی یہ خیال ہونے لگا تھا کہ اب حکومت اس قدر وسیع تھی کہ اس کا کسی ایک مرکز کے ماتحت رہنا دشوار ہو گیا تھا اور اسی لیے غیر مرکزیت کی تجویز قابل غور تھی۔ ذوالفقار خان کی تجویز کے مطابق اس بات کی کوشش کی گئی تھی تھی کہ حکومت کی سالمیت کو برقرار رکھتے ہوئے غیر مرکزیت حکومت کی تقسیم کی تجویز پر عمل درآمد کیا جائے۔ چنانچہ سب سے بڑے بھائی کو اتحاد اور سالمیت کا نشان بنایا جاتا تھا اور اس میں شہنشاہ اقتدار اعلیٰ اور وزیر اعظم کو حکومت کا اصل محرک اور وزیر کو حکمت کا ناظم بنانا تھا۔ اگر اس تجویز پر عمل درآمد کر لیا جاتا تو حکمرانی کا پورا زور اور اس کی پوری قوت وزیر کے ہاتھ میں مرکوز ہو جاتی۔ کچھ مورخوں کے خیال کے مطابق تقسیم کی تجویز میں اولاً عظیم الشان شریک تھا اور اسی کی مرضی سے یہ تجویز مرتب کی گئی تھی۔ لیکن یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اپنی دولت و ثروت اور جاہ و سپاہ کے گھمنڈ میں وہ ہندوستان کی وفات کے بعد اپنے وعدے سے منحرف ہو گیا تھا۔ چنانچہ دوسرے شاہزادوں کے سامنے بوجہ جنگ کے کوئی دوسرا راستہ باقی نہ رہ گیا تھا اور اسی لیے انھوں نے عظیم الشان کے حصے کو جہان دار کی طرف منسوب کر دیا¹⁵۔ بہر حال یہ بات ہرگز قرین قیاس نہیں ہے کہ عظیم الشان نے کسی ایسی تجویز سے اتفاق کیا جو جس کے مطابق حکمرانی کی اصل قوت وزیر کے ہاتھوں میں آجائے۔ اس لیے یہی سمجھنا چاہیے کہ

حکومت کی تقسیم کی تجویز محض ذوالفقار خاں ہی کی تجویز تھی اور اس کے ذریعہ وہ پوری حکمرانی کی طاقت کو اپنے ہاتھ میں مرکوز کر لینے کے خواب کو شرمندہ تعبیر کر لینا چاہتا تھا۔

ہم کو شاہزادوں کے درمیان جو حکمرانی کی جنگ ہوئی تھی اس کی تفصیل میں جاتے کی ضرورت نہیں۔ سبھی بھائیوں میں اس پر متفق ہیں کہ محض ذوالفقار خاں کی قوت اور جسارت کی بنا پر باقی تین شاہزادوں نے عظیم الشان پرتغ پائی۔ عظیم الشان اپنی جگہ اس کا شغل غلطی کا مرتکب ہوا کہ وہ محض پیش بندیوں تک ہی محدود رہا اور وہ اس خیال غام کی بنا پر کہ چونکہ اس کا خزانہ باقی شاہزادوں کے خزانوں سے کہیں زیادہ تھا اس لیے خود اس کو کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے گی اور دوسرے شاہزادوں کی فوج خزانے خالی ہونے پر منتشر ہو کر رہ جائے گی۔ اس سے ذوالفقار خاں کو ایک چال چلنے کا موقع مل گیا۔ اس نے عظیم الشان کا تعلق لاہور سے منقطع کر دیا اور لاہور کے قلعہ میں جمع شدہ خزانوں اور توپ خانوں پر قبضہ کر لیا اور عظیم الشان کو خود اس کے کیمپ ہی میں نظر بند کر دیا۔¹⁶

شاید عظیم الشان کے اس طرز عمل کا سبب اس کی فوج کی تعداد کا اپنے بھائیوں کی افواج کی تعداد سے کم ہونا تھا۔¹⁷ عظیم الشان کو اپنے بھائیوں میں پھوٹ پڑنے کی توقع ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے کیونکہ وہ ان کی صلاحیتوں کو بہ نظر محارت دیکھتا تھا۔ اور اسے اپنی تلخ خاں اور دیگر امراءے ملک ملنے کی بھی امید تھی۔¹⁸ لیکن اس کے بھائیوں کی مجموعی افواج کی تعداد نے اسے منسوب کر دیا اس ناکامی کی طرف سے کوئی ملک اس تک پہنچ سکتی اس کی افواج ناقصی اور بغاوت کے سبب بہت کمزور بھی ہو گئی تھیں۔

عظیم الشان کی شکست اور اس کی موت کے بعد باقی تین بھائیوں کے درمیان مالی نصیبت کی تقسیم پر تنازعہ مکھڑا ہو گیا۔ ذوالفقار خاں نے ابتدا ہی سے جہان دار شاہ کا ساتھ دیا تھا۔ اس کا سبب جیسا کہ ارادت نے اشارہ کیا ہے، شاید یہ ہو سکتا ہے کہ "جہان دار شاہ ایک کمزور شاہزادہ تھا" ہمیشہ و مشرت کا شوقین تھا اور کام سے بد دل تھا چنانچہ ذوالفقار خاں جیسے وزیر کو وہ تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ موزوں معلوم ہوتا تھا وہ ایسے امداد کا مستحق تھا جس میں اسے کسی کا ماتحت نہ رہنا پڑے۔¹⁹ ایک دوسرے بصر کے قول کے مطابق جہان دار شاہ نے خود بستر مرگ پر جہان دار شاہ کے حق میں اعلان کر دیا تھا۔²⁰

ذوالفقار خاں کی اعانت جہان دار شاہ کی متواتر فتح کا باعث ہوئی جو اسے اپنے دونوں

بھائیوں کے خلاف نصیب ہوئی۔ 29۔ مارچ 1712 کو بہادر شاہ کی وفات کے ایک ماہ بعد جہاندار شاہ، باقاعدہ طور پر تخت نشین ہوا اور اسی کو شہنشاہ بننے کا فخر نصیب ہوا۔

ذوالفقار خاں بطور وزیر اعظم اس کے اختیارات اور اس کا مقام

جہاندار شاہ کی تخت نشینی کے بعد ذوالفقار خاں اپنے حق کی بنا پر وزیر بن گیا۔ وہ دکن کی نائب

حکمرانی پر بھی قائم رہا۔ چند وہ اپنے نمائندہ داؤد خاں کے ذریعہ چلاتا رہا۔ مزید برآں، اس کو ²¹ نئے

شہنشاہ کے ہاتھوں ایک عظیم الشان منصب یعنی دس دس ہزار دوا سب کا منصب عطا ہوا۔ اور

اس کو ایک شہزادہ کا منصب اور اختیارات حاصل ہو گئے۔ ²² اس کا باپ پہلے کی طرح وکیل مطلق

کے منصب پر قائم رہا اور اس کو (غیر موجودگی میں) گجرات کی صوبہ داری اور بارہ بارہ ہزار کے منصب

بھی عطا کئے گئے۔ جہاں دار اس کی بڑی عزت کیا کرتا تھا اور اس کو (عمومی) یعنی چچا کے نام سے پکارتا

تھا۔ ²³ لیکن اسد خاں سیاسی معاملات میں دلچسپی لینے سے گریز کرتا اور شاہ ذی دربار میں جاتا

تھا۔ کل اختیارات ذوالفقار خاں کے ہاتھ میں تھے اور امن و جنگ کے کل معاملات میں جہاندار اسی

کے مشورے کے مطابق عمل کرتا تھا۔ ²⁴ ذوالفقار خاں کے مقربین میں سے ایک امیر عبدالصمد خاں ²⁵

کو سات ہزار کا منصب دے کر صدر بنایا گیا۔ ذوالفقار خاں کے دیوان سبھا چند کرم راہ کا خطاب

دیا گیا اور اس کو دیوان خالصہ شریف یعنی شاہی زمینوں کا دیوان مقرر کیا گیا۔ ²⁶

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالفقار خاں نے گویا اپنی حسرت پوری کر لی تھی۔ لیکن اسے جلد ہی

مبوس ہوا کہ وہ اتنے اثرات اور اختیارات کا مالک نہیں تھا جتنا وہ خود کو حقدار سمجھتا تھا اس کا

سبب ان شاہی مقربین کی خفیہ مخالفت تھی جو وزیر کے سلسلے میں شہنشاہ کے کان بھرتے رہتے

تھے اور انتظامی معاملات میں مداخلت کرتے رہتے تھے۔ ان مقربین میں سے خاص کو کل ناش خاں

یعنی شہنشاہ کا دودھ شریک بھائی (کوکا) تھا ایک عرصہ تک کو کل ناش جہاں دار شاہ کا رفیق ہزار

اور شیر تھا اور اس شاہزادہ کے تمام معاملات کا وہی منتظم اور ذمہ دار تھا۔ جہاندار نے شہنشاہ بن جانے

پر کو کل ناش کو وزیر بنانے کا وعدہ ²⁷ کیا تھا۔ کو کل ناش وزارت نہ بنے پر سخت خفا تھا لیکن حالت

کے تحت جو ہوا وہ ناگزیر تھا۔ نہ صرف کو کل ناش بلکہ اس کا کل خاندان اس کی والدہ، اہلیہ اور دختر

جن کا کہ شاہی خاندان سے بہت قریب کا تعلق تھا، وزارت سے اس کو بے حق کئے جانے پر نہایت

رنجیدہ تھے وہ ذوالفقار خاں کے تبدیل کئے جانے کے سلسلے میں مستحل کو شان بھی

وہ جہاں وار کے خدشات کو ہوا دیتیں اور اس کو یقین دلانے کی کوشش کرتیں کہ امیرالامراء کے حوصلے ایک ماتحت کی حیثیت سے کہیں بڑھ کر تھے اور وہ محسوس کو پورا کرنے کے لیے حکمرانوں اور ان کے شاہزادوں کا خون بہانے سے بھی باز نہ رہے گا۔ مزید یہ کہ وہ پہلے ہی بغاوت کا ارادہ کر چکا تھا۔ یا تو وہ تخت و تاج کو اپنے لیے حاصل کرنے کا اور اگر اس نے اس میں خطرہ دیکھا تو وہ حکومت کو علیٰ تبرعاً (یعنی عظیم الشان کا وہ بیٹا جو زندہ رہ گیا تھا) کے حوالے کر دے گا یا وہ مقید شاہزادوں میں سے کسی کو بھی جو بادشاہ سلامت کے علاوہ اس کو مفید اور پسند خاطر نظر آئے گا²⁸ حکومت کا سربراہ بنادے گا۔ جہاں دار نے ان اشارات کا بہت اثر لیا۔ کیونکہ وہ وزیر کی انتہائی تیزی و طراری کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس کو یقین تھا کہ کوکل تاش بطور وزیر کے اس کے خواہشات کے مطابق عمل کرنے والا ثابت ہوگا۔ چنانچہ کوکل تاش کو نوہزاری نوہزاری منصب سے نوازا گیا۔²⁹ اور اس کو غیر نشی کا عہدہ سپرد کیا گیا اور اس کے بجائے اعظم خاں کو آٹھ ہزاری منصب تک ترقی دی گئی اور اگر وہ کامیاب مقرر کیا گیا جبکہ اس کا برادریم زلف، خواجہ حسن خاں دوران کو بھی آٹھ ہزاری منصب کی ترقی دی گئی اور اس کو بخشی دوم مقرر کیا گیا۔³⁰ کوکل تاش کے ساتھ سعد اللہ خاں بھی شریک کیا گیا جو کہ خانی سالی کے عہدہ پر فائز تھا اور پانچ ہزاری منصب رکھتا تھا اور دوبار میں بڑا اثر و سرور اور وقار رکھتا تھا۔³¹ نسیم خاں کے انتقال کے بعد سعد اللہ خاں سے ذوالفقار خاں کو وزارت سے علیحدہ رکھنے میں بہت کام لیا گیا تھا اور اسی لیے وہ موخر الذکر کے زہر آلود ارادوں سے بہت فائدہ رہتا تھا۔

شہنشاہ کی پس پردہ اعانت کے سہارے اس با اثر جماعت نے اعلیٰ انتظامی معاملات میں مداخلت اور وزیر کے اقتیارات کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ کوکل تاش کے مشورہ پر، سر بلند خاں کو، بغیر وزیر کے مشورہ کے، گجرات کا نائب گورنر مقرر کر دیا گیا وزیر کی مرضی کے خلاف اسی کے مشورہ سے³² خواجہ حسن خاں دوران کو جسے خفی خاں اس وقت کے کترین انسانوں میں شمار کرتے تھے شاہزادہ عزیز الدین کا نائبین مقرر کیا گیا جبکہ وہ بہار کی طرف فرخ میر کی پیش قدمی کو روکنے کی ہمت میں لگا ہوا تھا۔ وزیر کی رائے یہ تھی کہ کسی تجربہ کار اور پرانے امیر کو اس کام کے لیے مقرر کیا جانا چاہیے تھا۔ جبکہ ایک معاصر مورخ کے الفاظ میں خواجہ حسن خاں دوران نے کبھی ایک بلی کو بھی نہ مارا تھا۔³³ کوکل تاشی جماعت کے علاوہ ایک دوسری جماعت بھی تھی جو شہنشاہ کی ہر دلعزیز ملکہ، محلہ اس کے رشتہ داروں و دوستوں اور ہم نشینوں پر مشتمل تھی۔ یہ جماعت بھی ذوالفقار خاں کی فحاش تھی۔ محلہ گورنر کو ایک رفاہہ کہا جاتا ہے۔³⁴ ایک مدت سے جو انداز کی نظر تھی۔ ۳۱ کے تحت نشین

ہونے پر محل کنود کے مراتب بھی بلند ہوئے یہاں تک کہ اسے شاہی نشان اور ڈھول تاشوں کے ساتھ فوج کی نقل و حرکت کو ملحوظ کرنے کا بھی اختیار دیا گیا گو یا کہ وہ خود شہنشاہ بن گئی تھی۔ پانچ سو شراف سپاہ (امادیش) اس کے بلوس پہنتے تھے۔³⁵ وہ شہنشاہ کی مستقل ہم جلیس تھی اور اس طرح وہ زبردست اثر و رسوخ کی مالک تھی۔

محل کنور کی ذوالفقار خاں سے مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ وزیر اس کے نئے منصب یافتہ رشتہ داروں کی ان کے منصبوں کے مطابق عزت نہیں کرتا تھا۔ اور ان کو ایسے منصبوں اور مرتبوں کا حق دار نہیں مانتا تھا جو شریف خون کے لوگوں کے لیے مخصوص تھے۔ چنانچہ محل کنود کے ایک بھائی کو ایک صوبہ کا گورنر مقرر کئے جانے کی تجویز کو ذوالفقار خاں نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ اس سے امرا میں بے اطمینانی پھیلے گی۔³⁶ ایک دوسرے موقع پر محل کنور کے بھائی خوش حال خاں کو وزیر مملکت کے حکم سے اس جرم کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا کہ اس نے ایک شادی شدہ عورت پر دست درازا کی تھی۔ اس کی اہلک ضبط کر لی گئی اور اس کو ساموگر ٹھہ کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ محل کنور کو دخل اندازی کرنے کی مجال نہ تھی۔³⁷

ہم عصر مصنفین متعدد ایسی داستانیں بیان کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاندار شاہ بعض اوقات رشتہ داروں کے معمولی معیار سے بھی گرجا تھا اور شاہی عظمت و جلالت کی اہانت کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا۔³⁸ محل کنور شاہی تقرب اور سرپرستی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بن گئی تھی چنانچہ بتایا جاتا ہے کہ اس کی ایک دوست زہرہ کے دروازے پر جو باقتدار پیشہ ایک سبزی فروش تھی، صبح سے شام تک ایسے لوگوں کا مجمع لگا رہتا تھا جو ترقی و تقرب کے خواہاں رہتے تھے۔³⁹ محل کنور کے متعدد اعدا اور اصحاب نے بھی اس کے علوی مرتبت سے زبردست فائدے اٹھائے۔⁴⁰ اس کے بھائیوں میں سے تین بھائی سات ہزاری اور پانچ ہزاری منصب پر فائز ہوئے اور انہیں نہایت زرخیز جاگیریں ملیں اور ایسے عہدے ملے جن کے ساتھ فوائد تو وابستہ تھے مگر ذمہ داریاں نہ تھیں۔⁴¹

تقدیری یاد پر امرا اور عہدے داران شہنشاہ کا ایک عام عورت سے تعلق دیکھ کر بڑی قلم انداز کرتے تھے، تاہم یہ پیشہ سے علاوہ رکھتی تھی اور اس کے عزیز و اقارب کو اپنے ہم مرتبہ عہدہ داروں کے لیے کوئی نصیب دینا بھی محسوس ہوتی تھی۔ دوسری طرف نوردنگر محل کے متعلق اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ محض ایک عورت سے پیدا ہوئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی جسارت اور گستاخیوں سے

ہر طبقہ کو اپنا مخالف بنالیا تھا⁴¹ لیکن سیاسی معاملات میں لعل کنور کے اثرات کو مبالغہ آمیز انداز میں نہیں دیکھنا چاہئے۔ اس بات کا یقین کرنے کے لیے کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ لعل کنور کی عزت افزائی سے کم ذات لوگوں کی بھاری تعداد کو امر کے عہدہ تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔ لعل کنور کے رشتہ داروں کا بھی دربار سے متعلق کسی اہم جگہ پر تقرر نہیں کیا گیا تھا اور کوئی ایسا عہدہ نہیں دیا گیا تھا جس سے انتظامی ذمہ داریاں وابستہ ہوں۔ لعل کنور کا اثر غیر سیاسی اثر تھا اور اس کے اور نور جہاں کے درمیان مطابقت یا مماثلت کی کوشش کرنا گمراہ کن ہو گا۔⁴² تاہم محض اس کا شاہی اقرب اور نعلنی سے منسلک ہو جانا ہی ذریعہ کے مرتبہ کی بلندی اور اس کے ذرائع آمدنی پر اثر انداز ہونے بغیر نہیں رہ سکا کیونکہ شہنشاہ سے ملاقات کرنے والوں اور اس کا اقرب حاصل کرنے والوں سے ملنے والی رقم آمدنی کا ایک قابل لحاظ اور باعزت ذریعہ مانا جاتا تھا۔ لعل کنور اور ذوالفقار خاں کے درمیان خصومت کی اصل وجہ یہ تھی۔

اندرونی رقابتوں کے ابھرنے سے حکومت کا پورا نظام درہم برہم ہو گیا۔ ذوالفقار زبردست اثر کا مالک تھا اور جہاں دار میں نہ تو اس کو برعاست کرنے کی جرات تھی اور نہ وہ کھلے طور پر کسی معاملہ میں اس سے اختلاف ہی کر سکتا تھا۔⁴³ چنانچہ اس نے ذریعہ سے پہچا جھڑنے کی خفیہ تدبیر شروع کر دی اور اس طرح اس نے ایک زہر آلود فضا بیدار کی جس سے انتظام سلطنت کی کوئی شاخ اور کوئی شعبہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔⁴⁴

ذوالفقار خاں کا طرز سیاست اور انتظام

اس پس منظر میں ذوالفقار خاں نے ہندو رائے عامہ کو مطمئن کرنے اور حکومت اور راجپوتوں اور مرہٹوں کے درمیان کی فلیج کو مندل کرنے کے لیے یہ اقدامات کئے تھے تاکہ دربار میں اس کا اقتدار مستحکم ہو سکے یہ ضرور ہے کہ ان اقدامات کی صحت پر وہ یقین رکھتا تھا۔

ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ اعظم کے مختصر دور حکومت میں ذوالفقار خاں کے اشارے پر شاہی کو نظر بندی سے رہا کر دیا گیا تھا۔ اور جے سنگھ اور اجیت سنگھ کو علی الترتیب سات ہزاری ذات سات ہزاری سوار منصب اور مرزا راجہ اور مہاراجہ کے خطابات بخشے گئے تھے۔ لیکن ہاشم شاہ کے دور حکومت میں اس پسندی اور صلح وارتباط کی پالیسی بہت زیادہ کامیاب نہ ہو سکی جیسا کہ مندرجہ بالا اقدامات کے بعد توقع کی جاتی تھی۔

ذوالفقار خاں نے جہاندار کی حکومت میں وزیر بننے کے بعد پھر اپنی پچھلی پالیسی کو اختیار کیا۔ سب سے اول تو جزیہ ختم کر دیا گیا⁴⁵ جو ہندوؤں کے لیے ایک تفریق اور تنگ نظری کی علامت بن گیا تھا، ان لوگوں میں اعتماد پیدا کرنے کی غرض سے اٹھا لیا گیا۔ اس طرح راجپوتوں اور مرہٹوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کے لیے راستہ ہموار کیا گیا۔ اس کے بعد، جسے سنگھ اور اجیت سنگھ کو سات ہزاری ذات سات پلہ سوار منصب دیئے گئے اور علی الترتیب ان کو مرزا اور پوائی اور مہاراجہ کا خطاب بخشے گئے۔⁴⁶ اس کے فورا بعد ہی جسے سنگھ کو مالوہ کا اور اجیت سنگھ کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا گیا جسے سنگھ کی موروثی حکومت میں مندرسور اور ایڈار پلٹن کے علاقے بخش دیئے گئے کو بھی سوراٹھ لیکن اس کو مجبور کیا گیا کہ ناگور اندر سنگھ کو اور کشن گڑھ اندر روپ گجراج سنگھ واپس دے دے عام طور پر راجگان مطمئن تھے یا اس کی وجہ یہ تھی کہ راجپوت وکیل کے بقول شہنشاہ نے ہماری تمام ہی عرضداشتیں منظور فرمائیں⁴⁷ مرہٹوں کے سلسلے میں دکن کے اختانات میں کوئی مداخلت نہیں کی گئی اور ان کو بدستور قائم رکھا گیا ماؤڈواں کے معاہدہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ بہر حال ایک نئی تبدیلی یہ ضرور ہوئی کہ راجہ رام (کو لھا پور کی شاخ سے منسوب) کے بیٹے شواجی دوم کو تین ہزار ذات اور دو ہزار سوار کا منصب اور ان کے سنگھ کا خطاب دیا گیا۔ ایک خلعت اور حیدر آباد کی دیش مکھی بخشنے کا ایک فرمان بھی اس کو بھیجا گیا۔⁴⁸ اس سے کو لھا پور شاخ کا شاہی باگیر تسلیم کیا جانا ظاہر ہوتا ہے جو ستارا شاخ سے کم مرتبہ تو ضرور تھی (جیسا کہ اس کے حکمران کو چھوٹا منصب دینے جانے سے ظاہر ہوتا ہے) تاہم یہ نوکراؤں کو اس سے کسی بھی طرح ماتحت نہ تھی۔ اس طرح ذوالفقار خاں نے پیش نظر مسائل کے ایک ایسے حل کی طرف قدم بڑھایا جو کہ مرہٹوں کے ایک گروہ کی ہمدردی حاصل کر سکتا تھا اور اسی کے ساتھ شاہی مفادات سے بھی مطابقت رکھتا تھا معدود کی تقسیم کی تجویز کو شاہو نے تارابائی کے سامنے 1708ء میں پیش کر دیا تھا لیکن اس نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا تھا۔⁴⁹ نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ جنگی برقرار رہی اور اس کے سبب دکن میں بھی بد امنی قائم رہی اور دونوں دعویدار مرہٹہ اقوام شاہی سرمدوں پر چھاپہ مانتی رہیں۔⁵⁰ ہمارا اشارہ کی تقسیم میں شہنشاہی حکومت کا بیدہی مفاد تھا یعنی اس سے مرہٹوں کے حوصلوں پر ایک تدعن لگی رہی۔ ایسے اقدام کے لیے شاہو بھی کوئی حق بجانب شکوہ نہ کر سکتا تھا کیونکہ وہ سارا بائی کی سرکوبی کرنے میں ناکام رہا تھا اور اس زمانے میں وہ اس سے بہت تنگ آیا ہوا تھا۔⁵¹ 1711ء میں تارابائی نے نعل

دربار میں اپنا ایک وکیل، آریل نام کا گھٹو کرے اور معاملات طے کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس سیر کو ادیسے بدھٹھرنے کا حکم ملا۔ اور وہیں سے گھٹو کرنے کا شورہ دیا گیا۔ اس سے ناہر ہوتا ہے کہ ہوا کا رخ کیا تھا۔ سو راج کے علاقے کی تقسیم اور دکن کی چوتھ اور سریش مکھی دونوں شاخوں کے درمیان تقسیم ان شاخوں کا علیحدہ علیحدہ دمج تسلیم کئے جانے کا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ جیدابا کی دیش مکھی کا کھلا پر شاخ کوٹنے کا حکم بھی اس سمت ایک اقدام ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ذوالفقار خاں کا عمل ایک ادنیٰ نہایت زیرک سیاست دان نظام الملک کے عمل کی طرف اشارہ کر رہا تھا جس نے آنکھ ستارا شاخ کے مقابل کوٹھاپور شاخ کو کھڑا کر کے ستارا شاخ کو زیر کرنے کی کوشش کی۔

سکھوں کے سلسلے میں ذوالفقار خاں کیا پالیسی اختیار کرنا چاہتا تھا اس کی وضاحت کے لیے کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس نے محمد امین خاں کو بندہ کے خلاف ہم جاری رکھنے کے لیے مقرر کیا اس طرح بظاہر اس نے بہادر شاہ و منعم خاں کی جبر و تشدد کی پالیسی ہی کو برقرار رکھا۔ محمد گو بنکا متنبی کا اور اس کا قانونی طور پر مانا جوار و مانی بانٹین اجیت سنگھ مع اپنی والدہ کے، نخل دربار میں موجود تھا اور اس کو ایک شاہی منصب بھی ملا ہوا تھا۔⁵³ شاید اس سے قبل کہ اجیت سنگھ کی امداد کی جائے یا اس کو مطمئن کرنے کے لیے کوئی اقدام کیا جائے۔ بندہ (جھوٹے گرد) کی بغاوت کو کچلنا ضروری معلوم ہوا۔

جالون اور بندیوں کے سلسلے میں، بہادر شاہ کے زمانے کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں لائی گئی پھر سال اب بھی ایک وفادار جاگیر دار تھا اور اس کو فرخ میٹر کے خلاف ہم میں شاہزادہ عز الدین کی اعانت کے لیے طلب کیا گیا۔⁵⁴ چورامن جاٹ نے لاہور کی بانٹینی کی جنگ میں عظیم الشان کام کیا تھا۔ لیکن اس کو بھی معاف کر دیا گیا اور شہنشاہ کے سامنے اس کو آنے کی عزت بخشی گئی اور اس کا وہی منصب بحال کر دیا گیا جو 1707 میں منعم خاں نے اس کے لیے حاصل کیا تھا۔⁵⁵

ذوالفقار خاں کی یہ کوشش تھی کہ امن پسندی کی پالیسی کی طرف رجعت کر کے حکومت کو گویا کچھ اور مدت کی زندگی حاصل ہو جائے لیکن اسی کے ساتھ اس نے جو سیاسی اور انتظامی اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں مرکوز کر لینے کی کوشش کی اس سے قدرتی طور پر اور تنگ زیب اور بہادر شاہ کے وقت کے قدیم امراء میں سخت رد عمل ہوا۔ اس وقت پہلے امراء میں سے سب سے طاقت ور جماعت جن تلچ خاں اور محمد امین خاں کی تھی۔ اس خاندان کی جماعت اور ذوالفقار خاں کے خاندان

کے مابین جو نزاع تھا اسی اس پر پہلے ہی مدد شنی ملنی چاہی ہے۔ بہادر شاہ کے دور حکومت میں جن کا خاندان پس پردہ ہی رہا۔ جن تلچ خاں مطنیں نہیں تھا۔ اس لیے وہ اپنے منصب سے مستعفی ہو کر دہلی میں گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا۔ مطنیں خاں کو مراد آباد کا فوجدار بنایا گیا اور اس کو سکھ گردو کا تعاقب کرنے کا حکم ملا۔ آئندہ فوجی کے اندیشہ سے عظیم الشان نے جن تلچ خاں سے رسوخ پیدا کیا۔ اور کسی بہت اونچے منصب کا وعدہ کر کے اس کو اپنی طرف ملا لیا تھا۔ جب جن تلچ خاں نے بہادر شاہ کی موت کی خبر سنی، اس نے ایک فوج جمع کی اور لاہور کا رخ کیا۔ لیکن وہ ابھی دہلی سے ایک ہی منزل تک گیا تھا کہ اسے عظیم الشان کی شکست اور اس کی وفات کی اطلاع ملی۔ چنانچہ اس نے اپنے سپاہیوں کو رخصت کر دیا اور دہلی لوٹ آیا۔⁵⁶

جب زند افتخار خاں دہلی میں گیا وہ اپنی طاقت سے جن تلچ خاں کا ہمیشہ کے لیے قلع قمع کرنا چاہتا تھا۔ لیکن عہد احمد خاں کی درخواست پر جو (عہد احمد خاں) ایک دوسرا تورانی امیر تھا اشاری کی نسبت سے وہ جن خاندان سے منسلک تھا اور ذوالفقار خاں کا حاشیہ نشین بھی تھا۔ اسد خاں نے مداخلت کی اور ذوالفقار خاں کو اپنے ادا دل سے باز رہنے پر مجبور کر دیا۔ جہاندار کے دہلی پہنچنے کے بعد جن تلچ خاں کو اس کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت اس کو بانچہ ہزاری کا منصب اور مالوہ کی صوبہ دار بنی کا عہدہ سپرد کیا گیا۔⁵⁷ لیکن مطنیں اب بھی مطنیں نہیں تھا اور وہ اپنے عہدے اور منصب سے مستعفی ہو گیا۔⁵⁸ محمد امین کو سکھ گردو کا پچا کرتے رہنے کے کام پر ہی مستقل کر دیا گیا اور اس طرح وہ دوبارہ سے دہلی ہوا۔

اس طرح یہ طاقتور گردو غیر مطنی تو تھا ہی وہیم برہم بھی ہو گیا۔ ذوالفقار خاں نے جن تلچ خاں کو مطنیں کرنے کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا۔ اگرچہ ایک موقع پر اس نے نو آخر الذکر کی ہم نوائی اس وقت کی جبکہ اس کے (دوہیں کے) سپاہی زہرہ کے سپاہیوں سے بوسریہ کار ہو گئے۔ زہرہ لعل کنور کی دوست تھی اور وہ شہر کی ایک تنگ گلی سے گزر رہی تھی کچا جاتا ہے کہ زہرہ نے جن تلچ کی ان الفاظ سے اہانت کی کہ آے اسے اپنا بیٹا کہ فرزند اس پر خاں کے چہلو ہوں نے زہرہ کے ملازمین کی خوب سرکوبی کی زہرہ نے لعل کنور سے شکایت کی اور اس نے شہنشاہ سے اس سلسلے میں گفتگو کی! لیکن جن اس سے قبل ہی ذوالفقار خاں سے مل چکا تھا۔ جس نے جن کی ہم نوائی کی اور اس کے نتیجہ میں جہان دار کو اس کے خلاف اقدام کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔⁵⁹

جب عظیم الشان کے فرزند نازع میر کی بھارت نے مشرق کے علاقے میں نازک صورت اختیار

کی۔ تب اس کو احساس ہوا کہ بین تلچ خاں واپس اتنا دم تھا کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ اسے سات ہزاری منصب دیا اور شاہزادہ عبدالدین کی زوج میں اس کا تقرر ہوا۔ لیکن خاں اس تنازع میں حصہ لینے کا سنی نہیں تھا اس لیے اس نے حیدر سادی کی مدد بھی مانگ رہی تھی تعجب کجواہ کے مقام پر عبدالدین کو فرخ سیر کے ہاتھوں شکست ہوئی۔⁶⁵

اس طرح ذوالفقار خاں قدیم امر کی سب سے اہم جماعت کی ہمدردی حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ بین تلچ اور محمد امین کا طرز عمل بہادر اور ذوالفقار کی اس شکست کا بڑی حد تک ذمہ دار تھا جو انھیں فرخ سیر کے ہاتھوں نصیب ہوئی۔

بین تلچ اور محمد امین کی جماعت کو اپنی طرف دلا سکنے کی ناکامی سے بھی شاید ایسی نادر صورت حال پیدا ہوئی اگر ذوالفقار خاں امر کی دوسری جماعتوں کو اپنے ارد گرد جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ لیکن متعدد ایسے وجوہات تھے جن کے سبب وہ ایسا کرنے میں ناکام رہا۔ ہم مصر و رخ ارادت کے بقول وزیر بے انتہا مغرور اور بدنامی کی سنگ مرمر بن گیا تھا۔ وہ کہتا ہے ذوالفقار خاں نے پرانے خانہ لاؤں کو تباہ کر دینے کی ٹھانی تھی وہ ان کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے نئے نئے پہلے ایجاد کیا کرتا تھا۔ ان کی بے عزتی کرتا تھا اور ان کے مال و دولت کو لوٹ کر باقاعدہ آدمی نہایت بد نصیب تھا جو اپنی دولت مندی کے لیے مشہور ہو جاتا تھا کیونکہ دولت کے ساتھ ہی الزامات لگنے شروع ہو جاتے تھے اس نے ایسے ایسے الزامات اور انتہاات لگائے کہ پرانے زمانہ میں ان کی مثال ڈھونڈ کر بھی نہیں لائی جاسکتی ادب وہ ان ہی ذیل کارناموں کے لیے بالکل بن کر رہ گیا ہے۔ اپنے لیے تو وہ بڑی بڑی رقم اور عوام حاصل کرتا تھا لیکن دوسروں کو وہ کوئی رقم بھی دینے میں اتنا بخل کرتا تھا کہ خود اس کے پروردہ انتہائی مفلسی کے شکار رہتے تھے وہ کسی کو باگیر تو بخشا ہی نہ تھا چنانچہ بلند و است امیر و غریب اقرب و دور اپنے اندر یہ گمان غرض سب کے خیالات اس کی طرف سے برگشتہ ہو گئے تھے اور سب کے سب اس کی تباہی کی دعا مانگتے رہتے تھے۔⁶⁶

ان لیے جوڑے الزامات کا قابل قبول ہو تا تھا دشمن ہے۔ دراصل ارادت خاں کوئی غیر جانب دار مبصر نہیں ہے کیونکہ وہ تو ہمیشہ سے ذوالفقار خاں کا مخالف تھا پہلے وہ منہ خاں سے وابستہ تھا اور بعد میں عظیم الشان ہے۔ علامہ انہیں ذوالفقار خاں کے اختیارات سنبھالنے کے بعد جب ارادت خاں اس کے پاس ملازمت حاصل کرتے ہیں ان کے اختیارات اس کے ساتھ ہرانی

سے پیش آیا لیکن کوئی عہدہ سپرد نہ کیا۔ چنانچہ اداوت خاں تلخ ہو کر کہتا ہے "اب کسی عہدہ میں کوئی کشش باقی نہ رہ گئی تھی کیونکہ اب ایک ایسی حکومت تھی جس کا کوئی سربراہ نہیں تھا۔ وزارت کم ظرف ظالموں اور اقبالیات کے غلط استعمال کرنے والوں کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔"⁶²

ازادت خاں اور دوسروں نے جو ذوالفقار خاں پر تشدد کا عام الزام عائد کیا ہے اس کی بنیاد پھانسی قتل، قید و بند اور اطلاق کی ضابطی کے متعدد واقعات ہیں۔⁶⁴ جو جہاندار کی تخت نشینی کے بعد رونما ہوئے، مادیات خاں تحریر کرتا ہے "اس نیک نام خاندان کا ایک عام دستوریہ تھا کہ اگرچہ امراء میں سے کوئی امیر اپنے تعلقات کی بنا پر میدان جنگ میں اس کا مخالف معلوم ہوتا تھا تاہم فاتح نہ تو اس کو موت کے گھاٹ ہی اتار دیتا تھا اور نہ اس کی تعجب تک ہی کرتا تھا اس کے برعکس ایک شکست خوردہ حربہ کے ساتھ وفاداری اور میدان جنگ میں شجاعت خود فاتح کے لیے بڑے سفارش کا کام کرتے تھے۔ حکمران جانتے تھے کہ حکومت کا استحکام اور سلطنت کا کاروبار تجربہ کار امراء پر ہی منحصر ہوتا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ "امراء کی دشمنی تخت سے نہیں ہوتی کیونکہ جیسے ہی کوئی حکمران مستحکم طور پر تخت نشین ہو جاتا تھا وہ اسی کی وفادار رعایا بن جاتے تھے۔ اگر ہم انہیں نیست و نابود کر دیں تو حکومت کس کے ذریعہ چلائیے۔"⁶⁵

لیکن جب شکست خوردہ شہزادوں کے وفادار، ذوالفقار خاں کے پاس ملازمت کے لیے پہنچے تو ان میں سے اکثر کو صاف انکار کا جواب دے دیا گیا۔ ایسا کرنا اس سے پہلے کے طریقے کے بالکل خلاف تھا لیکن ذوالفقار خاں کی عداوت پسندی ہی تنہا اس کی ذمہ داری تھی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عظیم الشان کے فرزند فرخ سیر کی بغاوت ابھی فرو نہیں ہوئی تھی۔ سزائے موت وغیرہ کے احکام کے لیے کوئلے کی ذمہ داری کا معاملہ بھی کچھ صاف نہیں ہے۔⁶⁷ لیکن اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اب اصل طاقت وزیر کے ہاتھوں میں مرکوز تھی اور وزیر مکرانوں جیسی نیماضی کا سلوک نہیں کر سکتا تھا کیونکہ حکمرانوں کو اپنے استحکام کا یقین ہوتا تھا اور امراء سے وفاداری حاصل کرنا ان کا حق تھا۔ اس لیے وہ بے فکر ہو کر نیماضانہ سلوک کرتے تھے۔

ازادت خاں، ذوالفقار خاں پر کبھی اور باغیہ میں دینے میں پس پیش کرنے کا بھی الزام لگاتا ہے جبکہ وہ (وزیر) خود اپنے لیے لہجہ دست و قوم حاصل کرتا رہتا تھا۔ باغیہ اور منصبوں کے دینے کے سلسلے میں کبھی کا الزام ذوالفقار خاں کے خلاف ایک قدیم الزام تھا۔⁶⁸ یہ یاد رہے کہ کفایت شعاری اس وقت کی سخت ترین ضرورت تھی۔ کیونکہ حکومت کی آمدنی کے ذرائع بہت

تاکافی تھے اور نوازہ خالی تھا۔⁶⁹ اپنی نیامی میں بہادر شاہ نے فاصلہ کی جاگیر کو بھی بر باد کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ خود منعم خاں نے بھی ایسا کرنے کے خلاف قدم اٹھانا شروع کر دیا تھا لیکن منعم خاں بڑی مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا اور وہ اس معاملہ ہی سے دست بردار ہو گیا کیونکہ شکایات کا تانا بانہہ گیا تھا۔⁷⁰ لیکن ذوالفقار خاں نے درہی کر دکھایا جس کے کرنے سے منعم خاں دامن بچار ہوا تھا۔ جہاں دار کے دور حکومت کے اوائل میں ذوالفقار خاں نے حکم صادر کیا کہ کسی منصب دار

کو اس وقت تک کوئی سند نہ دی جائے جب تک کہ اس کے حقوق و عادی پایہ ثبوت کو نہ پہنچ جائیں۔ اس طرح عہدوں میں ترقیاں بھی تحقیقات کے بغیر نہیں کی جاتی تھیں اس نے منصب داروں کو اس بات پر بھی مجبور کرنے کی کوشش کی کہ وہ فوج کی مقرر کردہ تعداد بھی ضرور رکھیں اور منصب دار کی فوجوں سے متعلق جو قوانین تھے ان کو بھی نافذ کرنے کی طرف اس نے توجہ کی۔⁷¹ لیکن کفایت شعاری اور قانون کا سخت نفاذ امرائے مزاج کے خلاف تھا۔ خصوصاً کوکل تاش کے اور شہنشاہ کے مقربین کا شاکہ ہوئے اور ان تکلف و قوانین پر اس بالواسطہ طریقہ سے عمل کرنے کی کوشش کی اپنا اپنا ایک نمائندہ بطور عریضہ (بخشش میں ملی ہوئی جاگیروں سے متعلق اہل کار) بنا دیا۔ اس سے کوکل تاش خاں اور وزیر کے مابین سخت تنازع پیدا ہو گیا کیونکہ وزیر مالیات کے سلسلہ میں کوئی دخل اندازی برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ یہ تنازعہ جہاندار شاہ کے حضور میں پیش ہوا لیکن وہ اعلانہ طاقتور وزیر کی مخالفت کرنے کی جسارت نہیں رکھتا تھا۔⁷² جلد ہی ذوالفقار خاں کے وضع کردہ قوانین ختم کر دیئے گئے اور شاہی مقربین کو کل کر منصب بخشے جانے لگے۔ چنانچہ ذوالفقار کی کفایت شعاری کی کوشش نے اس کو اپنے ہی لوگوں کی نظر میں قابل نفیر بنادیا۔

اس الزام پر سمجھ گئی سے غور کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ پرانے امرائے جماعت کو نباہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیونکہ ہمارے سامنے پہلے ہی چن قلیج خاں اور محمد امین خاں کے ساتھ اس کا برتاؤ آچکا ہے اگرچہ یہ دونوں حضرات پرانے امرائے ایک زبردست جماعت کے سربراہ تھے۔ اورنگ زیب اور بہادر شاہ کے وقت کے بہت سے امرائے مرکز اور مصلوں دونوں جگہ اعلیٰ عہدوں پر مامور تھے وزیر کم ذات کے لئے لوگوں کو مراتب عطا کرنے کے ضرور خلاف تھے اور اسی لیے اس نے کئی بار محل کنوڑ اور اس کے متعلقین کے مقابلہ میں اور ان لوگوں کی کبر و نخوت کے خلاف قدیم امرائے مفاد کا دفاع کیا۔ تاہم ارادت خاں نے جو الزام لگایا ہے وہ پرانے امرائے اس ایک طبقہ کے جذبات کی عکاسی ضرور کرتا ہے جو اپنے امتیازات اور اثرات سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور شاید

مالی انتظام کے سلسلے میں ذوالفقار خاں کو اس سے بھی زائد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ دکن میں اورنگ زیب کے طویل قیام سے شمالی ہندوستان کا انتظام متزلزل ہو گیا تھا۔ مالی بحران اور جاگیر داری نظام کا بحران اورنگ زیب کے آخری ایام حکومت میں ظاہر ہونے لگا تھا اس نے بہادر شاہ کے دور حکومت میں نہایت نازک صورت اختیار کر لی تھی۔ بظاہر جو اصلاحات منعم خاں نے کیں ان سے حالات نہ سنبھل سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جہاندار شاہ کے زمانے میں تجارت کے پرانے طریقوں کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا اور اجارہ داری یعنی (کرایہ داری کی کھیتی) عام ہو گئی تھی۔⁷³ دوسرے الفاظ میں ٹوڈر مل کے قبضی نظام کو جواب تک پورے مالگزار داری نظام کی بنیاد تھا، قطعاً ترک کر دیا گیا تھا اور اب حکومت نے مالگزار داری دینے والے کسانوں سے سودا لے کر ناسودہ کر دیا تھا اور یہی طریقہ سرکاری اہل کاروں اور درمیان کے سب آدمیوں کے ساتھ بھی تھلیہ بنی کام تھا کہ جو چاہیں رعیت سے حاصل کریں ظاہر ہے کہ اس سے عام لوگوں پر ظلم و استبداد کا دروازہ کھل گیا۔ اس سے جاگیروں کی اصل اور کاغذی آمدنی میں بھی بہت نمایاں فرق ہونے لگا جس سے آخر میں خود منصب داری نظام حکومت ہی کی کمر ٹوٹ گئی۔

سوال یہ ہے کہ ذراعت میں اس مالگزار داری نظام کے اختیار کرنے کے لیے ذوالفقار خاں کو کہاں تک ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے حالات کے نتیجے میں جو انتظامیہ کی شکست و ریخت ہوئی اس کے لیے صرف ذوالفقار خاں کو ذمہ دار ٹھہرانا تاریخی حقائق کے خلاف ہوگا اس کے سلسلے مالیات کی نازک صورت حال تھی اور اس نے اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سب سے زیادہ سہل اور بدیہی طریقہ اختیار کر لیا۔ سیاسی حالات کی بہتری کے لیے اپنی قوت کی بنیاد کو مضبوط کرنے کے بعد شاید وہ مناسب انتظامی اصلاحات کے لیے ضرور موقع نکال لیتا۔ وقتی طور پر اس نے مالی انتظامات کو اپنے سابق دیوان سبھا چند کے ہاتھوں میں دینے پر ہی اکتفا کیا۔⁷⁴ سبھا چند اپنے منصب کے لیے نامناسب تھا لیکن مالگزار داری کے سلسلے میں سختی، رشوت ستانی اور بدزبانی بنا پر وہ نہایت قابل نفرت سمجھا جاتا تھا۔ دکن میں داؤد خاں یعنی ذوالفقار خاں کا نائب مکمل طور پر صاحب اختیار تھا لیکن اس نے بھی تمام اختیارات دکنی برہمنوں کو سونپ دیئے تھے اور خود عیش و عشرت کی زندگی گزارتا تھا۔⁷⁵ جہاندار شاہ کے دور حکومت میں غلہ کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ غلہ کے بیوپاریوں اور شاہی بازار کے اہل کاروں کو سزا دے کر قیمت گرنے کی متعدد

کوششیں بھی بار آور رہی ہو سکیں اور اسی سبب ⁸⁷ سے نئے دور حکومت میں پایہ تخت کے شہر کی پریشانی اور بے اطمینانی میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ ⁷⁶

جہاں دارشاہ اور ذوالفقار خاں کی شکست اور ان کا زوال

ذوالفقار خاں بھی اپنی طاقت کو مجتمع کرنے اور عوامی ہندوؤں کا اعتماد اور ان کی مہارت حاصل کرنے اور خصوصاً راجپوتوں اور مرہٹوں کو خوش کرنے اور ان کا دل جیتنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ مشرق میں ایک زبردست خطرہ پیدا ہو گیا۔ یہ عظیم الشان کے دوسرے فرزند فرخ سیر کی بغاوت تھی جیسا کہ اس کے بعد بھی بیان کیا جائے گا۔ اپنے والد کی وفات کی خبر سننے ہی فرخ سیر نے پٹنہ میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا تھا۔ اپنی طرف بہار کے صوبہ دار سید صہب علی بارہ اور اس کے بھائی، الہ آباد کے صوبہ دار سید عبداللہ خاں کو ملانے سے فرخ سیر ایک فوج مجتمع کر لینے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب وہ آگرہ کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس علاقے کے متعدد امراء اور لائبرسے جان بچا کر بھاگے ہوئے عظیم الشان کے بہت سے ہم نوا بھی اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔

جہاندار شاہ کے دہلی پہنچنے سے قبل ہی فرخ سیر کا مقابلہ کرنے کے لیے عز الدین کی سرکردگی میں ایک شاہی فوج روانہ ہو چکی تھی۔ اس مقصد کے لیے اس کو ایک کثیر رقم دے دی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رقم ۱۰ لاکھ روپے تھی۔ چونکہ شاہزادہ کے متعلق خیال تھا کہ وہ ابھی نوجوان اور نا تجربہ کار ہے اس لیے اسے خواجہ حسن خاں دوراں اور شاہزادہ کے دیوان، لطف اللہ خاں صادق کی اتالیقی میں دے دیا گیا تھا۔ ان دونوں امراء میں سے کسی ایک کو بھی میدان جنگ کا عملی تجربہ نہ تھا۔ اور یہ تقرر وزیر کی خواہشات کے خلاف کئے گئے تھے جیسا کہ ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ جب فرخ سیر کے اور گرد امراء کی تعداد بڑھتی گئی تو دوبار میں بے چینی پھیل گئی۔ عز الدین کو آگرہ سے آلہ آباد پہنچنے کا حکم ملا اور خاں کے منصب میں اضافہ کر کے (سات ہزار کا منصب دے کر) اس کو شاہزادہ کے ساتھ جانے کے لیے رضا مند کیا گیا خاں دوراں اور لطف اللہ خاں کی نا تجربہ کاری اور بزدلی اور شاہزادہ عز الدین اور خاں دوراں کے درمیان نا اتفاقی یہ امد شروع ہی سے کمزوری کا ایک سبب بن چکے تھے سپاہ بھی شکستہ دل تھی کیونکہ ایک مدت سے ان میں سے بہت سیہل کی تھیں

واجب اللہاجلی آتی تھیں۔ مزید برآں یہ کہ شاہزادہ عزالدین لال کنور سے سخت نفرت کرتا تھا اور اس کی طرف سے اسے سازشوں کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا تھا۔ شاہزادہ عزالدین اور خان دوران کا عین جنگ کے وقت کھجواہ سے فرار ہو جانے کا سبب یہی اندرونی اختلافات ہو سکتے تھے۔ ان کے فیصے ساز و سلمان وغیرہ پر دشمن کی سپاہ نے لوٹ مار چائی اور بہت کچھ سامان بنگ فرخ تیر اور سید بردان کے ہاتھ آگیا۔ اس سے فرخ تیر کے ساتھ اگر مل جانے کی رغبت وہاں کے ان منصب داروں کو بھی ہوئی جو ابھی تک کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکے تھے۔ خود شاہزادہ عزالدین کے اپنے امراء میں سے بھی کچھ فرخ تیر سے جا ملے ان میں شاہزادہ کا دیوان لطف اللہ خان صادق بھی شامل تھا۔⁷⁷

عزالدین کے فرار ہونے کی خبر سے جہاندار شاہ پہلی بار سنجیدہ طور پر اس خطرے کی طرف متوجہ ہوا۔ فوراً ایک زبردست فوج جمع کرنے اور پایہ تخت سے چل کر دشمن سے مقابلہ کرنے کو کشیش رومنا ہونے لگیں۔ اس وقت سب سے بڑی رکاوٹ روپے پیسے کی کمی تھی تمام جمع شدہ خزانوں کو بہادر شاہ پہلے ہی خرچ کر چکا تھا جو باقی بچا تھا وہ لاہور کی خانہ جنگی کی نذر ہو چکا تھا جہاندار شاہ کو درنہ میں ایک خالی خزانہ ملا تھا۔ لیکن اس نے ان حالات کا کچھ خیال نہ کیا بلکہ حالات کو بد سے بدتر کر دیا کیونکہ وہ خود اور محل کنور جشن منانے اور چراغاں کرنے کے بہت شوقین تھے اور اس میں بے مدارا خراجات ہوتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی تخت نشینی کو گیارہ مہینے ہو چکے تھے لیکن اس کی فوج کو ایک حقیر پائی بھی ادا نہیں کی گئی تھی۔

سخت پریشانی کی حالت میں جہاندار شاہ نے جس قدر بھی اس کے پاس سونے چاندی کے برتن تھے ان سب کو توڑ ڈالا اور میردں اور جواہرات کو اور جڑاؤ سامان کو فروخت کر دیا یہاں تک کہ اس نے شاہی عملات کی پھرتوں میں نئے ہوئے سونے کو بھی اتار لیا۔ گوداموں کے دھانے کھول دیئے گئے اور سپاہیوں کو بجائے نقد کے قیمتی اشیاء بانٹی گئیں۔ اس پر بھی فوج کے واجبات ادا نہ ہو سکے⁷⁸

اس طرح باہر کے زمانے سے جو قیمتی اشیاء جمع ہو گئی تھیں وہ سب کی سب ختم ہو گئیں۔ حکومت کا دیوالیہ پن مکمل ہو چکا تھا۔ اس طرح لوٹ مار کا کام دہلی کے دروازے پر جاؤں اور مرہٹوں کے پہنچنے سے بہت پہلے خود تیموری حکمرانوں کے ہاتھوں شروع ہو چکا تھا۔ بڑی جلدی اور دشواری کے بعد بالآخر فوج جمع کی گئی اور ۹ دسمبر کو جہاندار اگرہ کے لیے روانہ ہوا۔ راجپوت

راجاؤں سے لگ مائجنے کے لیے خطوط لکھے گئے۔ لیکن اس بات کا بھی یقین تھا کہ ان لوگوں کی آمد سے قبل ہی جو ہونا ہے وہ ہو چکے گا۔⁷⁹ اس پر بھی جہاندار کی فوج فرخ سیر کی سپاہ سے بہتر تھی توپ جانے کے لحاظ سے بھی اور تعداد کے لحاظ سے بھی۔ جہاندار کے پاس 80 یا 70 ہزار گھوڑے اور لاکھوں پیدل فوج تھی جبکہ فرخ سیر کے پاس اس کا ایک نہائی بھی تھا۔ لیکن جہاندار کی فوج پست حوصلہ اور مختلف ارائے تھی۔ ذوالفقار اور کوکل ناش جنگ کی حکمت عملی پر بھی متفق نہ ہو سکے۔ کوکل ناش خاں کے مشورہ پر تعطلی اقدام کرنے کے لیے جہاندار کے کھانے پینے کے سامان اور فوج بیکر کی فوج کو پار اترنے سے روکنے کے لیے اس کی تمام کشتیوں پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن سید برادران نے ندی کا ایک ایسا اٹھلا کنارہ ڈھونڈ نکالا جس پر کوئی پہرہ نہ تھا۔ مجبوراً ایک رات کے سفر کے بعد انھوں نے ندی کو پار کیا اور جہاندار شاہ کی حالت کو دیکھ کر گریہ کر دیا 10 جنوری 1713 کو جنگ ہوئی اور مقابلہ نہایت ہی سخت ہوا ذوالفقار اور کوکل ناش کے درمیان عدم مفاہمت، اس نازک وقت پر محمد امین اور عین تلچ کی عدم توجہی اور نتیجہ رونما ہونے سے قبل ہی میدان جنگ سے جہاندار کے فرار ہو جانے سے فرخ سیر اور سید برادران کو مکمل فتح حاصل ہوئی۔⁸⁰

اس طرح جہاندار شاہ کا دور حکومت اختتام پذیر ہوا اور اسی کے ساتھ ذوالفقار خاں کی وزارت کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ اگرچہ یہ حکومت کم مدت تک ہی رہی تاہم جہاندار کا دور حکومت بہت سے اہم رجحانات کو وجود میں لانے کا ذمہ دار ہے۔ اولاً اس سے یہ ظاہر ہوا کہ کسی مطلق العنان حکمران کے کمزور ہوجانے کی حالت میں ایک خود مختار وزیر کے وجود میں آنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ اگر بادشاہ میں قوت عمل اور صلاحیت و قابلیت کا فقدان ہو تو وزیر ہی ایک ایسا صاحب منصب حاکم رہ جاتا ہے جو وسیع اختیارات اور اہمیت کے پیش نظر حکومت کا لائحہ عمل متعین کر سکتا تھا اور انتظامیہ کو چلا سکتا تھا اور امر و نکر کو زیر اثر رکھ سکتا تھا۔ لیکن ایسے حالات میں جو دشواریاں پیدا ہوتی ہیں وہ بھی نہ ہو پذیر ہوتیں۔ ایک بہت زیادہ با اختیار وزیر قدرتی طور پر بادشاہ کی نظر میں مشتبہ اور امرائے بے رشک و حسد کا سبب بن سکتا تھا۔ ایسی صورت میں وزیر اپنا مقام تب ہی قائم رکھ سکتا تھا جبکہ اس کا اپنا کوئی ایسا با اثر طبقہ موجود ہو جو کسی حریف یا حریفوں کے کسی گروہ کا مقابلہ کر سکتا ہو اور جو دربار کے باہر یعنی مرہٹوں اور راجپوتوں جیسے آزاد عناصر کی مدد حاصل کر سکتا ہو۔ اس کے نتیجہ میں وزیر کے شخصی اقتدار اور تسلط بڑھنے کا اندیشہ تھا

اور اس سے شاہی خاندان کے اور قدیم امرا میں اس خاندان کے مددگاروں سے محروم ہو جانے کا خطہ تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ ایک نئے خاندان کا عروج تھا اور ایسے امرا کا جو بلا واسطہ محمد وزیر سے متعلق ہوتے یا پھر اس وزیر کی برطرفی اور زوال جس سے پھر وہی صورت حال پیدا ہو جاتی جو پہلے تھی جہاں کے دور حکومت میں صورت حال اتنی خراب تو نہیں ہوئی جو ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا۔ لیکن ایسی صورت حال کے لیے جس قسم کے عوامل کی ضرورت تھی وہ تمام حالات پیدا ہو چکے تھے۔

دوسرے یہ کہ جہاں دارشاہ کے دور حکومت میں اورنگ زیب کی پالیسی سے تیزی کے ساتھ انحراف کیا گیا جبکہ بہادر شاہ کے زمانے میں یہ پالیسیاں کسی حد تک ضرور موجود تھیں۔ چنانچہ جزیرہ فتم کر دیا گیا۔ راجپوتوں کو وافر رعایتیں دی گئیں اور مرہٹوں سے خوشگوار تعلقات قائم کرنے اور ان کو برقرار رکھنے کی کوششیں کی گئیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ذوالفقار خاں اکبر کے زمانے کی روایات کو زندہ کر رہا تھا اور ملک میں ایک مشترک حکمران طبقہ کی بنیاد ڈال رہا تھا اور جس کا لازمی نتیجہ ایک قوی حکومت ہوتی جو ہندو اور مسلمانوں دونوں اقوام کے اعتماد اور امداد پر قائم ہوتی اس طرح ذوالفقار خاں نے اورنگ زیب کی اس کوشش کی ناکامی کو واضح کر دیا کہ حکومت کی سالمیت اسلام پر زور دینے اور حکمران طبقہ کے اسلامی رجحانات کی بنیاد پر ہی قائم کی جاسکتی تھی۔

باب سوم

1- مزید تفصیل کے لیے مصنف تریپاٹھی کی مسلم نظام حکومت کے چند پہلو (انگریزی) صفحہ 161-164 دیکھئے۔

2- دیکھئے تریپاٹھی کی مذکورہ بالا تصنیف صفحہ 197-209

3- چنانچہ جہانگیر کے عہد میں آصف خاں اور شاہ جہاں کے عہد میں سعد اللہ خاں کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں 7000/7000 ہزار کے اعلیٰ منصبوں سے ممتاز تھے۔

4- احکام - 11

5- ب۔ ن۔ صف 104، خ۔ خ۔ صف 626، کام در صف 14

6- اورنگ زیب کی وفات کے وقت منعم خاں کا منصب 1500-1000 تک لاکھا۔ لیکن جاجو کی جنگ سے قبل ہی اس 5000/5000 کے منصب پر ترقی دی جا چکی تھی۔ صف 57-5

7- ارادت - صف 51

8- وزیر (منعم خاں) نے بڑی کوشش کے بعد اپنے آقا کو یہ یقین دلایا تھا کہ قدیم امر سلطنت کے ستون تھے اور نظام حکومت کی خیر و خرابی انجام دہی انہیں کے ذریعہ ممکن ہو سکتی تھی ان کے مورث عظیم عہدوں پر فائز تھے اور عوام میں با اثر اور ہر دل عزیز ہو چکے تھے اس لیے مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ ان سے کام لیا جائے۔ ارادت صف 53-54

9- ریاض السلاطین مصنف غلام حسین صف 246، خفی خاں جلد 2 صف 686، اس کے س عمل پر اورنگ زیب نے ان کو سخت سرزنش بھی کی تھی۔

10- عبرت نامہ 5 الف مصنف مرزا محمد دغنی خاں صف 685۔

11. ان صاحب کا نام اس عہد کے "ذکیل" کے صفات میں بار بار آتا ہے اور اس کو اس قدر با اثر بنایا جا رہا ہے کہ خود منعم خاں کے صاحبزادگان اسی کے توسط سے اپنی نرمانی کرتے

تھے۔ اسی کو 1711 میں ذوالفقار خاں کو وزارت سے طعیدگی کا سبب بتایا جاتا ہے۔ دیکھئے ہجرت

29 ب۔ دیکھئے صفات از 943 تا 946 اور 952

12۔ دیکھئے تذکرہ اداوت خاں صفحہ 76

13۔ دیکھئے۔ نورالدین۔ 9 الف

14۔ دیکھئے قاسم لاہوری کا معنفہ عبرت نامہ صفحہ 42۔ 43، معاصر الامرا از شاہنواز خاں

جلد 2 صفحہ 99، مرآۃ واردات یا تاریخ محمد شاہی از۔ محمد وار دتہرانی صفحہ 195، 217 وار د کے بقول یہ بھی لے پایا تھا کہ جہاندار ایک لاکھ اسپ، رفیع الشان اسی ہزار اسپ اور جہان شاہ ساٹھ ہزار اسپ رکھتا۔ نورالدین (164۔ الف) نے بہر حال یہ بھی لکھا ہے کہ حکومت کے یہ تمام تقسیم شدہ حصے آزادانہ طور پر ان حکمرانوں کے ذریعہ چلائے جاتے اور ان سب حکمرانوں کو بادشاہ کا خطاب ہی دیا جاتا۔

15۔ دیکھئے انشاں مادھورام صفحہ 73 خاں جلد 2 صفحہ 685۔ لیکن ملاحظہ ہوا ایک معاصر خواجہ غلیل کا یہ خیال کہ ذوالفقار خاں ہی نے اس جنگ کو ہوا دی تاکہ وزارت اس کے ہاتھ آجائے (ترک شہنشاہی)

16۔ دیکھئے عبرت نامہ از مرزا محمد (9 الف) و عبرت نامہ از قاسم لاہوری صفحہ 44۔

17۔ دین مائیں نے جلد 4 صفحہ 294 پر جنگ آزما افواج کا مندرجہ ذیل اندازہ پیش کیا:

(i) جہاندار شاہ 20 ہزار سوار 30 ہزار پیادہ فوج (ii) رفیع الشان 8 ہزار سوار 8 ہزار

پیادہ (iii) جہان شاہ 25 ہزار سوار 30 ہزار پیادہ۔ 53 ہزار سوار 68 ہزار پیادہ افواج۔

(iv) عظیم الشان 30 ہزار سوار 30 ہزار پیادہ فوج۔

18۔ دیکھئے اصل کتاب ہذا کا صفحہ 76 سے آگے۔

19۔ دیکھئے ارادت صفحہ 72، قاسم صفحہ 1716

کام در صفحہ 117 تا 116 اور مرزا محمد (10 ب) یہ تمام معنفین و مبصرین ارادت کی مندرجہ ذیل سے متفق ہیں۔

20۔ دین مائیں (جے۔ پی۔ پی۔ ایچ۔ ایس۔ 211) لیکن یہ قرین قیاس نہیں کیونکہ ڈچ

لوگ۔ جہاندار کی کامیابی میں خود ہی دلچسپی رکھتے تھے۔

21۔ اخبارات ہندہ اپریل 1712 لیکن ہرچرن نے صفحہ 24، 25 دے صفحہ 218 اور

بی۔ نیم نے صفحہ 169 (جس کا حوالہ اردن نے ہے۔ اے۔ ایس۔ بی مورخہ 1896 نمبر 161 پر دیا ہے) پر اس کا منصب بارہ ہزار کا بتایا ہے۔ کام ور صفحہ 393، نورالدین نمبر 34 ب اور دکنی اس کو آٹھ ہزار کا منصب بناتے ہیں اور جوہر اے۔ ایس۔ بی۔ ایم۔ ایس میں ف 35 کے حوالے ہے) اس کو 10 ہزار کا منصب لکھتے ہیں۔

22۔ اخبارات (مورخہ اپریل 3 د 7 1712 کے حوالے سے) اس کو بطور انعام کے 4 کروڑ دام 10 لاکھ جن بطور سہ بندی کے اور یار وفادار کا خطاب بھی عطا کیا گیا۔

23۔ بحوالہ اخبار مورخہ اپریل 1712 ہرجن صفحہ 24۔ وارد صفحہ 208 اور یحییٰ (118) لیکھی بی ایم 1690 (بحوالہ ہے۔ اے۔ ایس۔ بی 1896) کہنا ہے کہ اس کا منصب سولہ ہزار کا تھا۔ نضی خاں اور کام ور کے یہاں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ جب اسد خاں دربار جاتا تو یہاں جہان دار اس کے ساتھ بڑی تعظیم سے پیش آتا اور اس کو تخت کے قریب جگہ دیتا۔ (بحوالہ صفحہ 35) 24۔ دیکھئے سیر المتاخرین از غلام حسین صفحہ 392۔

25۔ عبدالصمد خاں ایک تورانی امیر تھا وہ ایک لمبے عرصہ تک دکن میں کاربائے نمایاں انجام دے چکا تھا۔ بہادر شاہ کے دور حکومت میں وہ چمکا اور باشریحین فغانان میں شادی کے سلسلے سے منسلک ہو گیا۔ لیکن اس کے کچھ عرصہ کے بعد وہ عظیم الشان سے کسی بنا پر بد دل ہو گیا جبکہ عظیم الشان ہی اس وقت سب کچھ تھا۔ مواخر الذکر کے اشارے پر اس کی سخت اہانت کی گئی اس کی ساری اہلاک ضبط کر لی گئیں اور اس کو مکہ شریف کا عزم سفر کرنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن اسی اثناء میں بہادر شاہ وفات پا گیا۔ عظیم الشان کے خلاف اس کو ایک موزوں آلہ کار سمجھے ہوئے ذوالفقار خاں نے عبدالصمد کو طلب کیا اور اس نے بطور میر آتش کے نمایاں خدمات انجام دیں اور عظیم الشان کے خلاف خوب کام کیا (بحوالہ وارد دارون جلد 1 صفحہ 180-190 جوہر نے (بحوالہ 36-الف) اس کا منصب چار ہزاری لکھا ہے۔

26۔ بحوالہ اخبارات مورخہ اپریل 6 1712 دلین طائن جلد 4 صفحہ 29 و کام ور۔ وہ ایک کانتہ تھا۔ اور ایک لمبے عرصہ سے ذوالفقار خاں کی خدمت میں رہا تھا۔ ذوالفقار خاں کے وزارت پر ناز ہو جانے پر اس کو بھی 9 سو اور 3 سو کے منصب کی بجائے 2 ہزار اور ایک ہزاری منصب دیا گیا۔ صاحب تاریخ ہندی کہتا ہے کہ وہ جمادہ 1137 مطابق جنوری۔ فروری 1725 کو لاہور میں ہو گیا۔ اس کی عمر 70 سال کی ہوئی۔ اس طرح وہ اس وقت 85 برس کی عمر کا ہوگا۔

27۔ بحوالہ دار صفحہ 223 تا 253 خوش حال صفحہ 68، معاصر الامراء از شاہ نواز خاں جلد 2 صفحہ 100 ملتان میں جہاندار کا نائب تھا اور بہادر شاہ کے وقت میں اسے 2 ہزار 5 سو اور دو ہزار دو سو پچاس کا منصب حاصل ہوا۔ اور وہ کوکل تاش کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ (بحوالہ اخبارات مورخہ جنوری 5/ 1709۔)

28۔ بحوالہ ارادت صفحہ 97

29۔ بحوالہ اخبارات مورخہ اپریل 25/ 1712ء و جوہر 35 ب۔ معاصر الامراء جلد 1 صفحہ 817 دہلی۔ ایم 1690 (1896ء کے۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی میں جس کی طرف اشارہ کیا گیا چکا ہے) بیکس دار و صفحہ 218 دہر چرن صفحہ 24 پر اس کا منصب 12 ہزاری بتاتے ہیں۔ یہی صرف سات ہزاری ہی لکھتے ہیں۔ کوکل تاش کو ملتان اور تھٹا کا گورنر بھی مقرر کیا گیا تھا۔ اور وہ بھاکر کا فوجدار بھی تھا (بحوالہ اخبارات نمبر 26 صفحہ مطابق اپریل 14)

30۔ بحوالہ اخبارات مورخہ اپریل 25/ اگست 7/ 25 1712ء کام 3-303۔ جوہر 35 ب۔ معاصر الامراء جلد 1 صفحہ 1817 و دفنی خاں صفحہ 716۔ خواجہ غلیل خاں کہتا ہے کہ خواجہ حسن کو بنگال کا گورنر مقرر کیا گیا تھا اور اس کے فرزند نصرت جنگ کو بہار کی گورنری دی گئی تھی۔ ایک دوسرے بھائی ظفر خاں کو دادو و ٹیل خانہ بنایا گیا تھا اور اسے تین ہزار تین ہزار کا منصب عطا ہوا تھا۔ بحوالہ اخبارات مورخہ اپریل 4)

31۔ بحوالہ معاصر الامراء جلد 2 صفحہ 506 اخبارات مورخہ 31 مارچ اور حجاز محمد درعبرت نامہ

66۔ الف۔

32۔ دیکھئے تاریخ مظفری از ایم علی خاں انصاری صفحہ 188۔ 189 نور الدین 38 ب۔ دین ماثن اس تقریر کی تاریخ 15 جولائی بتاتا ہے جو اخبارات میں مندرجہ 12 رجسٹری تاریخ سے مطابقت رکھتی ہے۔ ایک دوسرا اندراج مورخہ 29 یعنی ظاہر کرتا ہے کہ سر بلند خاں کو ذوالفقار خان نے شہنشاہ کے حضور میں پیش کیا تھا اور یہ کہ اسے پانچ ہزاری کے منصبوں کے علاوہ دوسرے تحفے نچا کف بھی ملے۔ کوکل تاش کے اشارے پر انگریزوں کا گورنر امانت خاں بھی مالوہ بھیج دیا گیا تھا اس پر غصہ میں انگریز ذوالفقار خاں نے راجپوتوں کے راجہ کو اس کے راستہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے اکسایا۔ بحوالہ مدیقات صفحہ 23 و دفنی خاں صفحہ 695 تا 697

33۔ ”گلہ وردگر بہ تیر نژادہ“ دیکھئے عبرت نامہ از مرزا محمد 13 ب۔ ارادت 86ء کام 386

34 :- لعل کنور یا لعل کماری ارادت نے صفحہ 95 پر اور تاسم نے صفحہ 55 پر اس کو ایک مفینہ یعنی کانے والی روٹی لکھا ہے۔ اردن اس کو جہاندار "داشتہ" کا نام دیتا ہے۔ وہ خصوصیت خاں کی روٹی تھی جو مشہور مفتی تان سین کی نسل سے ایک کلا و نت یعنی مفتی تھا۔ (دیکھئے حقیقت صفحہ 134) ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت اس کا باپ حیات تھا کیونکہ 16 اپریل کو وہ دربار میں پیش کیا گیا تھا اور اس کے اس کے تینوں بیٹے بھی تھے۔ اس کو دربار سے ایک خلعت ایک شاہی نشان 'ایک نیمہ آستین ایک کام دار عمامہ' ایک بالابند جڑاؤ تلوار اور خنجر۔ ازار بند وغیرہ پیش کئے گئے دیکھئے (اخبارات)۔

35 :- بحوالہ اخبارات و سیر صفحہ 386 و غلیل صفحہ 23 و کام در صفحہ 385 نور الدین 37 الف

دفعی خاں 889 وارد 219

36 :- دیکھئے دفعی خاں صفحہ 689 خوش حال نے صفحہ 72 پر نام دار کا نام لکھا ہے اور صاحب سیر نے صفحہ 385 پر نعمت خاں کا نام دیا ہے جو کہ لعل کنور کا چچا تھا۔ وارد صفحہ 222 پر خوش حال خاں کو نعمت خاں کا ہی خطاب بتاتا ہے۔ زیر نظر صوبہ کا نام مختلف طور پر وارد نے لاہور راور صاحب سیر نے اگرہ اور نور الدین نے ملتان لکھا ہے۔ ویلن ٹاؤن نے اس واقعہ کا ذرا بدلا ہوا حال لکھا ہے اور وہ اس تاریخ 25 اپریل بتاتا ہے۔ نور الدین کے قول کے مطابق ذوالفقار اور کوکل تاش دونوں ہی اس تقرری کے مخالف تھے۔

37 :- دیکھئے سیر صفحہ 386۔ اخبارات مورثہ 18 نومبر 5 دسمبر 1713 ان میں واقعہ کو ذرا سی تبدیلی سے بیان کیا گیا ہے۔

38 :- چنانچہ تمام معاصر مصنفین نے تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح جہاندار اور لال کنور ایک رتھ میں سوار ہو کر نکلے اور وہ شراب نوشی سے بہت زیادہ مدہوش ہو گئے۔ (بحوالہ خوش حال صفحہ 15) ارادت صفحہ 95، 96 دفعی خاں 690 نور الدین اور ویلن ٹاؤن تھوڑی بہت تبدیلی سے بھی بیان بیان کرتے ہیں) اور دوسرے قصبہ بھی ہیں جو خوش حال اور نور الدین نے قلمبند کئے ہیں۔ دیکھئے اردن جلد 1 صفحات 192 تا 196

39 :- بحوالہ ارادت صفحہ 95 کام در صفحہ 385، وارد صفحہ 219 پہ لعل کنور کی منہ بولی بہن (دو گانہ) اور ایک قدیمی دوست تھی اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ کسی وقت بھی جہاندار کی داشتہ رہی ہو۔ اس نے جہاندار کی نظر میں اس بات سے وقار حاصل کیا کہ جبکہ لاہور کی خانہ جنگی میں وہ

روپے کی طرف سے بہت پریشان تھا تو اس نے جہاندار کو ایک لاکھ روپے پیش کئے تھے۔ (بحوالہ اخبارات مورخہ اپریل 17:12)

40. دیکھئے جوہر (35 ب) جہاں بد وہ اس کے بھائیوں کے منصب کی تفصیل اس طرح دیتا ہے۔ خصوصاً 70:00 - 70:00 - نام دارغاں 5000 - 5000 - خوش حال غاں 500:0 - 500:0 - نعمت غاں - 5000 - 5000 - وارد (صفحہ 219) پر لکھا ہے کہ ان کو سات ہزار سے لے کر نو ہزار تک کے منصب دیئے گئے۔ جوہر نے بھی لکھا ہے کہ لعل کنور کے ذریعہ بہت سے کلاوتوں کو 5 ہزار سے لے کر 7 ہزار تک منصب حاصل ہوئے۔

41. چنانچہ کام در صفحہ 385 پر لکھا ہے کہ "لعل کنور کے بھائی جو طبلہ اور ستار بجانے والے تھے نلی کی سرکل پر ہر قسم کی قانون شکنی کرتے پھرتے تھے" فعلی غاں صفحہ 389 پر لکھا ہے کہ یہ وقت گانے بجانے والوں اور بھاڑوں اور رقاصوں کے لیے بڑی ہی عیش و عشرت کا تھا، محمد عیش آشوب نے بھی اسی انداز کی رائے کا اظہار کیا ہے دیکھئے تاریخ شہادت فرخ سیر و جلوس محمد شاہی از محمد ش آشوب۔

42. کام در کے قول کے مطابق (دیکھئے صفحہ 385) نور جہاں کا زمانہ گویا لعل کنور کے لیے دوبارہ واپس آگیا تھا۔ اور اس کے نام کے سکے ڈھالے گئے۔ لیکن اگر ایسے سکے ڈھالے گئے تھے تو وہ ابھی تک ہماری معلومات سے باہر ہیں۔

45. بحوالہ اخبارات مورخہ 7 اپریل 17:12 یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ اقتدار جہاندار شاہ کی فتح کے 9 دن بعد ہی کئے گئے اور وہ بھی اورنگ زیب کے وزیر اور مدت العمر کے دوست اسد غاں کے مشورہ کے مطابق۔ ملاحظہ کریں مصنف ہذا کا مضمون بعنوان "اورنگ زیب کے بعد کے زمانے میں جزیہ" بحوالہ انڈین ہسٹری کانگریس کی روداد مورخہ 1940 صفحات 320 - 327 تک۔

46. بحوالہ جے ریکارڈس "مختلف مقالات جلد 2 صفحہ 21۔ اس فرمان کی تاریخ 3 ربیع 10/1 اپریل 17:12 وکیل مذکور کا خط اور رپورٹ مورخہ 5 سودی چیت 69 مطابق 19 اپریل

47. بحوالہ اخبارات مورخہ 25 نومبر، وکیل کی رپورٹ مورخہ 30 نومبر اخبارات کے اندراج پر یہ جادو ناتھ سرکار کا پینل سے لکھا مافیہ پر یہ نوٹ موجود ہے! اگر جہاندار نے یہ تصور کئے تھے تو یہ فیض کاغذی کلہ روائی تھی! صاحب عبرت نامہ مرزا محمد (بحوالہ 59 اصف) بہر حال

کہتا ہے کہ جیسے ہی اجیت سنگھ گجرات کے لیے روانہ ہوا۔ اس کو خبر ملی کہ فرخ سیر کی بغاوت نازک موڑ اختیار کر چکی تھی چنانچہ اس نے روانگی کا ارادہ ترک کر دیا۔

48۔ بحوالہ اخبارات مورخہ 7 ستمبر 1712

49 بحوالہ ریاست (13) شاہو نے درناہدی کے جنوب کا علاقہ دینے کی پیش کش کی تھی

50 دیکھئے اصل کتاب کے پچھلے صفحات نمبر 46 تا 49

51 1711ء و 1712ء میں شاہو اپنی حالت کے نقطہ زوال کی انتہائی پستی تک پہنچ

گیا تھا۔ مغلوں کی طرف کو چ کرنے والوں کے سبب شکست پر شکست کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا چنانچہ 1710ء میں راولہ بھاداد دھاں سے آگیا۔ بحوالہ اخبارات مورخہ 12 اکتوبر اور 1711ء میں

چند ریسین وقتی طور پر اس تک پہنچا (بحوالہ اخبارات مورخہ جون 28 - 1711)

52 بحوالہ دی۔ دی۔ 944

53 بحوالہ ہرچرن (فروریو 145 ب) اجیت کو جہاندار کے سامنے 23 مئی 1712

کو پیش کیا گیا۔ (بحوالہ اخبارات)

54 بحوالہ اخبارات مورخہ 29 اکتوبر و 8 دسمبر۔ چورامن نے فرخ سیر کے خلاف

جہاندار کی اعانت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن جیساکہ اس کی عادت تھی اس نے دونوں کو ٹوٹا اور جنگ کے دوران سخت بد نظمی پیدا کی۔

55 بحوالہ اخبارات مورخہ 26 جمادہ سال دوم۔ مطابق 24 نومبر 1707ء اس

نے سکھوں کے خلاف ہم میں بھی حصہ لیا تھا۔

56 بحوالہ جہرت نامہ از مرزا محمد (99 ب)

57 بحوالہ اخبارات مورخہ 21 و 24 جون و مرزا محمد (100 الف)

58 بحوالہ اخبارات مورخہ 6 اگست۔ اس کی جگہ پر شہادت خاں مالوہ کا گورنر ہوا۔

59 بحوالہ ارادت صفحہ 83 و سیر صفحہ 386

60 بحوالہ مرزا محمد (100 الف) و خفی خاں 700، 716

61 بحوالہ ارادت صفحات 96 تا 98

62 بحوالہ ارادت 100 تا 101

63 دیکھئے کام رد 1724 الف) وارد (225 - 26) خفی خاں 733 مرزا 66 الف

64 نظر بند امرا میں یہ امر ابھی تھے۔ ہایت خاں اور خان زماں (منعم خاں کے فرزند ان) حکیم الملک (جہاں شاہ کا خاص طبیب اور مشاور) عقیدت خاں (امیر خاں کا بیٹا)۔ ہدایت کش خاں 1109ھ مطابق 1687-88ء سے لے کر واقعہ نگار کل (محمد علی خاں (جہاں شاہ کا بخشی) اسلام خاں میر آتش، حمید الدین خاں عالمگیری، سر فراز خاں بہادر شاہی۔ امین الدین سخیل اودان کے علاوہ بیس کے قریب اور دیگر امرا ابھی تھے۔ بحوالہ صفحہ خاں 688 اخبارات اندراج مورخہ 23 صفر مطابق 4 مارچ)

65 بحوالہ ارادت صفحہ 19

66 نور الدین (35 ب) کہتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں دہ ہزار سے تین ہزار تک کی تعداد میں ملازمین بے روزگار ہو گئے تھے۔

67 رستم دل، مخلص خاں اور شاہزادہ محمد کریم کے قتل کا حکم کوکل تاش خاں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ بحوالہ آشوب صفحات 125-26) کہا جاتا ہے کہ ستم دل نے لعل کنور پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ فرخ سیر کے سوال کے جواب میں بعد کو ذوالفقار خاں نے ان تمام قتلوں سے خود کو بری الذمہ ٹھہرایا دیکھتے مرزا مرزا محمد (22 ب) و خفی خاں (732 - 33) ارادت صفحہ 97 پر کہتا ہے کہ ذوالفقار خاں جے کوکل تاش کی طرف سے عداوت کا خوف تھا وہ اس طرح اپنے دشمنوں سے چھٹکارہ پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

68 دیکھئے بہادر شاہ نامہ از نعمت خاں عالی صفحہ 416

69 ملاحظہ کیجئے خفی خاں (جلد 2 صفحہ 684) بہادر شاہ کے زمانے میں حکومت کی آمدنی اخراجات کے لحاظ سے ناکافی تھی۔ اس لیے سرکاری دفاتر میں سخت کفایت شعاری سے کام لیا جاتا تھا اور خاص کر شاہی گھرانے کا تو یہ حال تھا کہ روزانہ روپیہ عظیم الشان کے خزانے سے منگایا جاتا تھا تاکہ کام چل سکے۔

70 دیکھئے اصل کتاب کا صفحہ 58

71 بحوالہ اخبارات مورخہ 22 صفر 16 جمادی الاول مطابق مارچ 31 و جون 21۔

72 بحوالہ اخبارات مورخہ 2 ربیع الاول و 29 صفر مطابق اپریل 9، داپریل 7

73 دیکھئے وارد۔ (6) کہا جاتا ہے کہ وزیر اور دوسرے شاہی اہل کار بھی رشوت ستانی کے

عادی ہو گئے تھے۔ دیکھئے معاصر الامرانہ جلد 3 صفحہ 127۔

74 دیکھئے کام ورد و خفی خاں 689

75 دیکھئے مرآة احمدی از احمد علی غار 403 و خفی خاں 964 و 748۔

76 دیکھئے اخبارات سورہہ 22 صفحہ 17 جمادی الاول 19 جمادی الثانی 13 رمضان (غریبہ

ابواب کا استنماع - غلہ کے چودھریوں کو پابستہ دربار میں پیش کیا گیا۔) سورہہ 31 مارچ 22 - جون

24 جولائی 14 اکتوبر - دیکھئے خوش حال صفحہ 91 و 218

77 دیکھئے - خفی خاں صفحہ 717 و کام ورد

78 بحوالہ وارد 48 - 247 و اردن 21 - 220

79 بحوالہ اخبارات جے سنگھ اور اجیت سنگھ کو فرمان 3 ربیع الاول مطابق 10 اپریل ہی

بھیج دیئے گئے تھے جن کی مدد سے ان کو دربار میں طلب کیا گیا تھا اور 1 ربیع الثانی مطابق 8 مئی ان

کو تاننی طود پر شاہزادہ عبدالدین کی فوج کے لیے مقرر کر دیا گیا تھا اور شاہی فرمان بردار ان کو دربار تک لانے کے لیے روانہ کر دیئے گئے تھے۔ لیکن راجاؤں نے حاضر ہونے میں دیر لگائی۔

80 بحوالہ مرزا محمد 15 الف و وارد 259 - 255 و خفی خاں 700 و 24 - 718 و

ایجاد 88 ب و 91 الف نیز ملاحظہ ہو اردن 236 - 219

سید برادران کی نئی وزارت کے لیے جدوجہد

سید برادران کے تعاون سے فرخ سیر 1713 میں بادشاہ بنا۔ 1713 سے 1721 تک کی مدت کو سید برادران کا زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ اس زمانہ کے شروع میں سید برادران اور فرخ سیر کے بیچ تناؤ کی وجہ سے حکومت میں کئی بار سنکٹ کے حالات پیدا ہوئے اس تناؤ کے نتیجہ میں 1719 میں فرخ سیر کو تخت سے ہٹا دیا گیا اور کچھ دنوں بعد اسے قتل کر دیا گیا۔ شہنشاہت کی پوری طاقت اب ان بھائیوں کے ہاتھ میں مرکوز ہو گئی لیکن اس وقت خاص اہمیت وزیر اور میر بخش کی شکل میں سید برادران کا فرخ سیر کی مخالفت میں حکومت کے اوپر اپنا قبضہ جمانا نہیں ہے بلکہ اس تنازعہ میں حکمران طبقہ کے کردار اور مغل حکومت کی شکل اور اس کی بنیادی پالیسیوں کو طے کرنے کے مسائل پوشیدہ ہیں۔

سید برادران عبداللہ خاں اور حسین علی خاں اپنے خاندان کی پیدائش موسو پٹامیا کے قدیم سید خاندان سے جوڑتے تھے۔ مغلوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے ابو العزم نام کا آدمی ہندوستان آیا۔ اور میرٹھ و سہارنپور کے علاقے میں اپنے خاندان کے ساتھ بس گیا کہا جاتا ہے کہ بارہ گاؤں بسانے کی بنیاد پر انھیں بارہا سید کہا جانے لگا۔ اکبر کے دور حکومت سے ہی بارہا کے سید بہادر اور جنگجو سمجھے جاتے تھے اور مغلیہ فوج کے ہراول دستہ کی کمان انھیں وراثتاً حاصل تھی۔ ان کے زیادہ تر ازدواجی تعلقات ہندوستانی امیروں کے ساتھ تھے اور ان کا رمن سہن اور طور طریقہ ہندوستانی تھے۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں عبداللہ خاں بارہا

جو سیدمیاں کے نام سے مشہور تھا بیجا پور اور اس کے بعد اجمیر کے صوبہ دار کے عہدہ پر فائز رہا تھا۔ مگر اورنگ زیب کا خیال تھا کہ بارہاسیدوں کے ساتھ حکومت میں ڈھیل دینا اپنی بربادی کرنا ہے کیونکہ یہ لوگ ذرا سی ڈھیل پر مغرور ہو جاتے ہیں اور ”ہجومِ دیگرے نیست“ ہمارے جیسا دوسرا نہیں کہاوت پر عمل کرتے ہوئے حکم ماننے کے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں اور سازشیں کرنے لگتے ہیں۔

سیدمیاں کے دونوں بڑے بیٹے حسین علی اور عبداللہ خاں اپنی بہادری کی وجہ سے اورنگ زیب کے دور حکومت میں ہی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ ۱۷۰۰ میں سید عبداللہ خاں نے مراٹھا سردار ہنومنٹ کے خلاف جنگ میں ہمت اور جنگی مشاق کا ثبوت دیا تھا اس نے ہنومنٹ کے پڑاؤ کو لوٹ کر اس کے بھانجے جانوجی کو قیدی بنا لیا تھا اور اسے مسلمان ہونے کے لیے مجبور کیا تھا اس جرات کے نتیجہ میں اورنگ زیب نے انھیں دو خلعت اور کٹاریں بھیجیں لیکن ان کے منصب میں ترقی کی تجویز کو نا منظور کر دیا۔ اس کے بعد عبداللہ خاں شاہ عالم کے بڑے بیٹے جہاندار شاہ کی خدمت میں ملتان میں رہا لیکن ۱۷۰۳ میں بھگڑا کر کے وہ لاہور چلا آیا اور وہاں کئی سال تک بیکار بیٹھا رہا۔ اس کا چھوٹا بھائی حسین علی خاں ابتدا میں فقیہ اور بعد میں ہنڈون و بیانہ کا فوجدار رہا۔

جاجوں کی جنگ میں دونوں بھائیوں نے بہادر شاہ کی طرفداری میں جنگ کی۔ بہادر شاہ نے عبداللہ خاں کو سہ ہزاری اور حسین علی کو دو ہزاری منصب عطا کیا۔ جاجوں میں سید برادران بڑی جرات اور دلیری سے لڑے۔ اور ان کے ایک بھائی نور الدین علی خاں نے جنگ میں شہادت پائی اور حسین علی خاں زخمی ہوا لیکن بہادر شاہ کے دربار میں انھیں خاص ترقی نہیں ملی۔ ۱۷۰۴ میں عظیم الشان نے حسین علی کو بہار میں اپنا نائب صوبہ دار مقرر کیا۔ عبداللہ خاں مزید کئی سال بیکار رہا۔ راجپوتوں کے ساتھ لڑائی کے وقت بہادر خاں نے اسے اجمیر کی صوبہ داری دینے کی تجویز بھی لیکن عبداللہ خاں کی بڑھی چڑھی مانگوں کی وجہ سے اس نے اپنی تجویز واپس لے لی۔ ۱۷۱۰ میں سکھوں کے خلاف آمنت پور کی جنگ میں عبداللہ خاں نے پھر بہادری اور جرات کا ثبوت دیا۔ آخر میں ۱۷۱۱ میں عظیم الشان نے

وراثت کی ممکنہ جنگ کے لیے اپنا ہاتھ مضبوط کرنے کے مقصد سے عبداللہ خاں کو الہ آباد کا نائب صوبہ دار مقرر کیا۔

اس طرح سید عبداللہ خاں اور سید حسن علی خاں دونوں ہی کو عظیم الشان کی مہربانی سے اپنے عہدہ حاصل ہوئے۔ لاہور کی خانہ جنگی میں عظیم الشان کی وفات کے بعد اس کے دوسرے بیٹے فرخ سیر نے جب بغاوت کا علم بلند کیا تو وہاں کے نائب صوبہ دار حسین علی کو اس سے کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی۔ اس کا پس منظر یہ بھی تھا کہ فرخ سیر جو لاہور کی جنگ سے دو ماہ قبل پٹنہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ حسین علی کے ساتھ دوستانہ تعلقات نہیں تھے۔ جنوری فروری 1712ء میں فرخ سیر کے رہتاس کے قلعہ پر دغا بازی سے قبضہ جمانے سے حسین علی ناراض تھا۔ 15 مارچ 1712ء میں بہادر شاہ کی موت کی خبر پاتے ہی اور خانہ جنگی کے نتائج سے پہلے ہی فرخ سیر نے اپنے باپ عظیم الشان کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس وقت حسین علی کچھ باغیوں کے خلاف راج گیر کی طرف گیا ہوا تھا اس کے ساتھ صلاح و مشورہ کیے بغیر فرخ سیر کے اس اعلان کی وجہ سے حسین علی اور فرخ سیر میں اختلاف بڑھ گیا ایک ہم عصر مورخ کے مطابق حسین علی کا ارادہ تھا کہ فرخ سیر کو جس کے پاس سپاہیوں کی تعداد کم تھی قیدی بنائے لیکن فرخ سیر کے بخش احمد بیگ نے جلدی ہی ایک بڑی فوج تیار کر لی دوسری طرف فرخ سیر نے بھی حسین علی کو بڑے عاجزانہ اور انکسارانہ خطوط لکھے۔ آخر میں حسین علی نے اس کا ساتھ دینا منظور کر لیا۔

لاہور کی جنگ میں عظیم الشان کی موت کی خبر سننے کے بعد حسین علی نے اپنی جانب داری بدلنا چاہی۔ فرخ سیر بھی مایوس ہو کر خودکشی کرنے کو تیار ہو گیا۔ لیکن اس کی ماں خود حسین علی کے پاس گئی اور اسے عظیم الشان کے پرانے احسانوں کی یاد دلائی اور اس کے بیٹوں کو حکومت میں سب سے اعلیٰ عہدہ دلانے کی یقین دہانی کی۔ مورخ نور الدین کے مطابق اس نے کہا۔

”اگر وہ ہار جاتے ہیں تو قیامت کے دن تک ان کا نام بہادروں کی صف میں گنا جائے گا اور اگر کامیاب ہوتے ہیں تو سارا ہندوستان ان کے قدموں کے نیچے ہوگا اور ان کے اوپر صرف بادشاہ ہوگا۔“

حسین علی کے ذریعہ فرخ سیر کی طرف داری نہ چھوڑنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اسے اس بات کا بڑا ملال تھا کہ ذوالفقار خاں نے جہاندار شاہ کے دربار میں ساری قوت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔

حسین علی کے فرخ سیر کا ساتھ دینے کے بعد بھی دونوں کا اختلاف ختم نہیں ہوا۔ پٹنہ میں موجود انگریزی کمپنی کے ایجنٹ کے مطابق فرخ سیر اور حسین علی کے درمیان اختلاف اتنا بڑھ گیا تھا کہ اس وقت دو گروہ ہو گئے۔ اس وقت کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ فرخ سیر پٹنہ کے سبھی ملکی اور غیر ملکی تجاروں سے دولت وصول کرنا چاہتا تھا لیکن حسین علی اس کا مخالف تھا اسی وقت خواجہ عاصم خان دوراں لاہور کی جنگ سے بچ کر پٹنہ جا پہنچا۔ اس کی کوششوں اور اثر کی وجہ سے حسین علی اور فرخ سیر کے بیچ کا اختلاف کچھ کم ہو گیا۔

فرخ سیر اور حسین علی کے اختلافات بنیادی طور پر اس وقت ذاتی تھے اور ان کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ حسین علی اس بات سے ناراض تھا کہ فرخ سیر نے بھوج پور کے زمیندار سہسٹ نارائن کو اپنا دوست بنالیا جب کہ حسین علی کے ساتھ اس کے تعلقات پہلے سے ہی دشمنانہ تھے اس وقت پالیس کا سب سے اہم قدم جزیہ کا ختم کرنا تھا حسین علی کی صلاح سے یہ کام فرخ سیر نے پٹنہ ہی میں کیا۔

فرخ سیر کی مستقبل کی پالیسی کے لیے اس ابتدائی اعلان کی ایک خاص اہمیت ہے 18 ستمبر 1712 کو فرخ سیر نے پٹنہ سے کوچ کیا اور نومبر میں وہ الہ آباد پہنچا وہاں پر سید عبداللہ نے بھی ذاتی وجوہات کی بنا پر فرخ سیر کا ساتھ دینا منظور کیا۔ عبداللہ خاں ایک کامیاب منتظم نہیں تھا وہ اپنے سپاہیوں کی پچھلی تنخواہیں نہیں ادا کر سکا تھا بہادر شاہ کی وفات کے وقت بنگال کے دیوان مرشد علی خاں کے ذریعہ بھیجا گیا 28 لاکھ کا خزانہ الہ آباد کی سرحد پر تھا عبداللہ خاں نے اسے ہتھیالیا اور اس سے اپنے سپاہیوں کی تنخواہیں ادا کر دیں۔

جہاندار شاہ عبداللہ خاں سے پہلے ہی سے ناراض تھا کیونکہ اس نے اس کی خدمت چھوڑ کر عظیم الشان کی خدمت منظور کی تھی۔ اس لیے جہاندار شاہ نے عبداللہ خاں کو الہ آباد کی نائب صوبہ داری کے عہدہ سے ہٹا دیا ان حالات میں عبداللہ خاں

کے لیے فرخ سیر کی تائید کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ تو یہ عبداللہ خاں نے جہاندار شاہ کو بھی ایک عرضداشت بھیج رکھی تھی۔ مندرجہ بالا تفصیلات سے ظاہر ہے کہ سید برادران اور فرخ سیر کے درمیان اختلاف کی وجہ خان دوران اور میر جملہ نہیں تھے جن پر بادشاہ مہربان تھے حقیقت تو یہ ہے کہ خان دوران کا اثر ابتدائی دور میں دونوں گروہوں کے درمیان دوستی پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوا لیکن بعد میں بادشاہ کے ان معتمدوں کی آپسی پھوٹ اور پرفریب برتاؤ نے حالات کو اور زیادہ خراب کر دیا سید برادران نے بھی فرخ سیر کی جانب داری اس کے باپ کے احسانوں کے بدلے میں نہیں بلکہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر کی۔

سید برادران کے اختیارات اور ان کی عام پالیسی

بادشاہ بننے کے بعد فرخ سیر نے عبداللہ خاں کو وزیر اور حسین علی خاں کو میر بخشی کا عہدہ دیا اور دونوں کو ہفت ہزاری منصب عطا کیا۔ عبداللہ خاں کو ملتان اور حسین علی کو بہار کی صوبہ داری پر فائز کیا اور انھیں یہ صلاح دی گئی کہ وہ اپنے صوبوں کا انتظام اپنے نائبوں کے ذریعہ کریں۔ ان کے چھوٹے بھائی سید نجم الدین علی خاں اور ان کے دوسرے چھوٹے بھائی، رشتہ داروں کو بھی اعلیٰ منصب دیئے گئے۔ عبداللہ خاں کے ماموں مظفر خاں کو بارہا جیسر کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ ان عہدوں کے علاوہ سید برادران نے اپنے دوسرے عزیزوں کے لیے اعلیٰ عہدے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ چاہتے تھے کہ حکومت کو عزت و پائندگی دینے کے لیے پرانے عالمگیری و بہادر شاہی امیروں کا تعاون حاصل کیا جائے۔ اس لیے زیادہ تر پرانے امیروں کو اپنے اپنے عہدوں پر رہنے دیا گیا اگر سید برادران کا بس چلتا تو اسد خاں و ذوالفقار علی خاں کو جنھیں عظیم الشان اور اس کے بیٹے کی موت کے لیے مجرم ٹھہرایا گیا تھا معاف کر دیا جاتا اور انھیں پھر سے اعلیٰ عہدے دیئے جاتے لیکن فرخ سیر اس سے متفق نہیں تھا اس نے ان دونوں خاص امیروں اسد خاں اور ذوالفقار خاں کو قیدی بنالیا ذوالفقار خاں کو پھانسی دیدی گئی اور اسد خاں کو ذلیل کیا گیا اس کا منصب چھین لیا گیا۔ حقیقت میں فرخ سیر کا یہ فعل نا عاقبتہ اندیشانہ تھا اور حکومت و شاہی خاندان دونوں کے حق میں غلط تھا۔ یہ

دونوں تجربہ کار اور بااثر امیر سید برادران کی چاہ طلبی کی خواہش پر روک لگانے میں معاون ہو سکتے تھے۔ بعد میں فرخ سیر نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ سید برادران فرخ سیر کے اس فعل سے خوش نہیں تھے۔ حسین علی نے اس کا نتیجہ نکالتے ہوئے فرخ سیر کے بارے میں کہا: وہ احسانمندی نہیں جانتا، اعتماد کو نہیں جانتا اور اپنے قول و فعل میں صرف غیر متقل ہی نہیں بلکہ اس کے توڑنے میں اسے کوئی شرم نہیں۔

دربار میں اب صرف ایک طاقتور گروہ رہ گیا تھا جس میں جن قلع خاں، محمد امین خاں اور عبدالصمد خاں شامل تھے۔ عبداللہ خاں اس گروہ کی اہمیت کو اچھی طرح سے سمجھتا تھا اس لیے اس نے جن قلع خاں کے توسل سے اس گروہ کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی۔ عبداللہ خاں کے مشورے سے جن قلع کو سات ہزار ذات سات ہزار سوار کے منصب کے ساتھ نظام الملک کا خطاب دیا گیا اور اسے دکن کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ دکن کے نائب صوبہ دار داؤد خاں ہی کو گجرات کا نائب صوبہ دار بنادیا گیا۔ نظام الملک کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے اور اپنے معاونین کے لیے جاگیریں چن لے۔ اور وہاں کے خصوصی زمینداروں کے منصب طے کرنے کے لیے صلاح دے۔ عبداللہ خاں اکثر یہ کہتا کہ وہ نظام الملک کو اپنے بڑے بھائی کی طرح سمجھتا ہے۔ نظام الملک کے دکن کو کوچ کرنے سے پہلے عبداللہ خاں خود اس کی رہائش گاہ پر گیا اور دوستی کی نشانی کے طور پر دونوں نے بیش قیمت تحائف کا تبادلہ کیا۔ محمد امین خاں کو دوم بخشی کا عہدہ اور اعتماد الدولہ کا خطاب دیا گیا۔ حالانکہ عبدالصمد خاں ذوالفقار خاں کا خصوصی معاون تھا لیکن نظام الملک کا رشتہ دار ہونے کے ناطے اسے سات ہزار ذات سات ہزار سوار کا منصب دیکر لاہور کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ عبدالصمد خاں حکومت کے انتظام میں کامیاب ثابت ہوواں نے سکھ و افغان باغی عناصر کو کچل کر وہاں پر امن قائم کیا۔ عام طور سے دوسرے صوبوں میں امیر اپنے سابق عہدوں پر قائم رہے۔

بادشاہ کے قابل اعتماد لوگوں کا تقریباً عہدوں پر ہوا وہ دربار کی نظر میں اس لیے اہم تھے کہ ان سے بادشاہ کی قربت قائم کی جاسکتی تھی ان تقریروں کی وجہ سے سید برادران اور فرخ سیر کے اختلافات بڑھے۔

خاص عہدوں پر تقرری کے بعد فرخ سیر اور سید برادران کے سامنے راجپوتوں

مرہٹوں سکھوں اور ان سے متعلق دوسرے مسائل کے لیے ایک اعلیٰ پالیسی طے کرنے کا مسئلہ آیا یہ بتایا جا چکا ہے کہ بہار میں پڑاؤ کے وقت ہی فرخ سیر نے حسین علی کے مشورے سے جزیہ کو ہٹانے کے لیے فرمان جاری کر دیا تھا۔ حصول تخت کی جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد اگر وہ میں فرخ سیر نے دوبارہ اس حکم نامہ کی تائید کی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر صحیح طور پر عمل 2 اپریل 1713 کو کیا گیا جب حسین علی نے بادشاہ کو ایک غرضداشت میں لکھا کہ اس کے متعلق دفتر دیوانی کو پروا نہ بھیج دیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ اودے پور کے مہارانا کے وکیل بہاری داس نے عبداللہ خاں کو مشورہ دیا کہ ہندوؤں کی مخالفت کی وجہ جزیہ ہے اور اگر وہ جزیہ کو ہٹا دے گا تو ان کی جڑیں اور مضبوط ہوں گی۔ عبداللہ خاں نے اس صلاح کو منظور کر لیا اور بادشاہ کو جزیہ ہٹانے کے لیے راضی کر لیا اس طرح بہت سے مقامات پر سے سفری محصول بھی ہٹا دیا گیا۔

(اخبارات 3 اپریل 1713)

ہندوؤں کے پالکی پر بیٹھے اور ایرانی و عربی گھوڑوں کے استعمال پر سابقہ پابندی کچھ دنوں تک برقرار رہی۔

جہاں تک راجپوتوں کا تعلق ہے فرخ سیر کے بادشاہ بننے کے بعد بے سنگھ، اجیت سنگھ اور دوسروں نے مبارکیا دے خطوط بھیجے جو بادشاہ کو پیش کیے گئے۔ فرخ سیر نے حسین علی کے مشورہ سے راجہ بے سنگھ، اجیت سنگھ اور دیگر راجاؤں کے پاس خطوط بھیجے کہ وہ بادشاہ کے روبرو حاضر ہوں ساتھ ہی مہارانا سنگرام سنگھ کو دوستانہ خطوط بھیجے گئے مہارانا کا بیٹا پرتاپ سنگھ 13 مارچ 1713 کو شہی دربار میں حاضر ہوا اور اسے بہت سے تحائف دیئے گئے سنگرام سنگھ کو سات ہزار ذات سات ہزار سوار کا منصب عطا کیا گیا اور اسے آٹھ کروڑ دام انعام کی شکل میں دیئے گئے اتنا اونچا منصب راجہ راج سنگھ کے علاوہ میواڑ کے کسی دوسرے رانا کو نہیں دیا گیا تھا مہاراجہ بے سنگھ و اجیت سنگھ نے خوف و شک کی وجہ سے دربار میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ لیکن انھوں نے بادشاہ کو مطلع کیا کہ شاہی حکم کے مطابق انھیں جہاں بھی مقرر کیا جائے گا وہاں وہ خدمت کرنے کو تیار رہیں گے۔ انھوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ اعتماد بحال ہونے پر جلد ہی دربار میں حاضری دیں گے۔ دونوں راجاؤں

نے مالوہ و گجرات اور مالوہ ویرہا پور کی صوبہ داری کے لیے ذاتی تجویز رکھی۔ اس طرح کی مانگ یہ دونوں راجہ بہادر شاہ کے وقت سے کر رہے تھے۔ راجپوت راجاؤں کے اس بڑاؤ سے فرخ سیر ناراض ہوا۔ فرخ سیر نے حسین علی میر جملہ و خان دوراں کی موجودگی میں کہا ”ہمیں ان کے سلسلہ میں ہوش مندی اور تدبیر سے کام لینا چاہئے۔ یہ ممکن نہیں کہ دونوں کو ایک ہی علاقہ کی سمت بھیجا جائے کیونکہ وہ حکومت کے مفادات کے خلاف ہو گا۔“ اس طرح بہادر شاہ کی طرح فرخ سیر نے بھی راجپوت راجاؤں کی باہمی دوستی کو منسلک شہنشاہیت کے لیے نقصان دہ سمجھا۔ جے سنگھ کو سات ہزار ذات سات ہزار سوار کا منصب اور مالوہ کی صوبہ داری عطا کی گئی۔ اجیت سنگھ کو بھی سات ہزار ذات سات ہزار سوار کا منصب عطا کیا گیا لیکن اسے ٹھٹھہ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اس کا واضح مقصد دونوں راجاؤں کے درمیان مخالفت پیدا کرنا اور انھیں ایک دوسرے سے الگ کرنا تھا۔ جس میں کافی حد تک کامیابی ملی۔ جے سنگھ نے مالوہ کی صوبہ داری کی تجویز کو قبول کر لیا لیکن اجیت سنگھ نے جس کی نگاہیں گجرات پر لگی تھیں ٹھٹھہ جانے سے انکار کر دیا۔ اسی وقت ناگور پر قبضہ کرنے کی خواہش سے اور پرانی دشمنی کے تحت اجیت سنگھ نے اندر سنگھ کے لڑکے محکم سنگھ و موہن سنگھ کو دلی میں قتل کر دیا جو کثرتاً ہی منصب دار تھے۔ اجیت سنگھ کی ان حرکتوں سے فرخ سیر بہت ناراض ہو گیا اس لیے اجیت سنگھ کے خلاف خود فرخ سیر کی کمان میں ایک شاہی فوج بھیجنا طے کیا گیا لیکن بعد میں اس کی کمان میر بخش حسین علی کو سونپ دی گئی۔ 6 جنوری 1714 کو حسین علی نے ایک بڑی فوج کے ساتھ یہ مہم شروع کی۔ سیاسی نقطہ نظر سے مارواڑ کے خلاف اس شاہی مہم کا ایک اہم مقام ہے سب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ راجپوت راجاؤں کے سلسلہ میں پالیسی سے متعلق فرخ سیر اور سید برادران کی رائے مختلف تھیں سید حسین علی راجپوت راجاؤں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے ابتدا ہی سے پھر امیر کے وکیل جگ جیون رام سے پوشیدہ طور پر صلاح مشورہ کر رہا تھا میواڑ کا وکیل بہاری داس بھی سیدوں کا گہرا دوست تھا دوسری طرف فرخ سیر کا منصوبہ تھا کہ سید برادران میں اختلاف پیدا کر کے انھیں ایک دوسرے سے الگ کر دیں اور اس طرح انھیں برباد کر دیں۔ اس لیے حسین علی کی کوچ کے فوراً بعد بادشاہ

نے اجیت سنگھ کو اس قسم کا ایک خط لکھا کہ اگر وہ حسین علی کو جنگ میں ہرا کر مار ڈالنے میں کامیاب ہو جائے تو اسے بادشاہ کا پورا اعتماد مل جائے گا۔ لیکن اس پوشیدہ پرفریب منصوبہ کا نتیجہ فرخ سیر کی امید کے خلاف ہوا حسین علی کو بادشاہ کے اس منصوبہ کا راز معلوم ہو گیا۔ ممکن ہے بادشاہ کا یہ خط اس کے ہاتھ لگ گیا ہو یا حسین علی سے صلح کرنے کے مقصد سے اجیت سنگھ نے اس راز کو افشا کر دیا۔ عبد اللہ خاں نے بھی حسین علی کو خطوط لکھے جن میں اسے جلد ہی دربار میں واپس آنے کے لیے اصرار کیا کیونکہ بادشاہ کے مقربین کی وجہ سے وہ خود پریشان تھا۔ حسین علی اب تک اپنے خلاف فرخ سیر کے کاموں سے پوری طرح واقف ہو گیا تھا ان حالات کے تحت مارچ 1714 میں حسین علی اور اجیت سنگھ کے مابین ایک سمجھوتہ ہوا۔ سمجھوتہ کے مطابق اجیت سنگھ نے اپنی لڑکی کی شادی فرخ سیر کے ساتھ کرنے اور اپنے بیٹے ابیہ سنگھ کو میر بخش کے ساتھ دربار میں بھیجنے و ضرورت پڑنے پر خود دربار میں حاضر ہونے کا وعدہ کیا۔ اجیت سنگھ نے پیش کش دینا اور ٹھٹھہ کی صوبہ داری بھی منظور کر لی لیکن اس سمجھوتہ کا سب سے اہم حصہ وہ تھا جو پوشیدہ طریقہ سے اجیت سنگھ و حسین علی کے مابین ہوا اس میں طے کیا گیا کہ اجیت سنگھ بادشاہ کا حکم مان کر ٹھٹھہ کی جانب روانہ ہو جائے گا لیکن جیسے ہی وہ کچھ منزلیں طے کر لے گا اسے گجرات کی صوبہ داری کی تقرری کا پروانہ دیدیا جائے گا۔

حسین علی کی کارروائی واضح طور پر اس پالیسی کے خلاف بھی جس پر عمل درآمد کرنے کے مقصد سے مارواڑ بھیجا گیا تھا اس نے دونوں راجاؤں کو الگ الگ صوبوں میں مقرر کرنے کی نسبت انھیں مالوہ اور گجرات میں مقرر کرنے کا وعدہ کیا اور اس طرح راجاؤں کی وہ مانگ پوری ہو گئی جو وہ بہادر شاہ کے دور حکومت سے کرتے آ رہے تھے اس طرح یہ سمجھوتہ سید برادران اور راجپوتوں کے درمیان دوستی اور تعاون کی شرعاً عات تھی۔

مندرجہ بالا واقعات نے 1714 کے آخر میں فرخ سیر اور سید برادران کے اختلافات کو پھر سے پیدا کر دیا وہ دونوں نردھوں میں مکر او کی خاص وجہ یہ تھی کہ سب برادران حقیقی شاہی طاقت اپنے ہاتھوں میں رکھنا چاہتے تھے خفی احساں

لکھتا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ جاگیر دینا منصب اور عہدہ دینا یا اس میں ترقی دینا وغیرہ کوئی بھی کام ان کی ماقبل صلاح کے بغیر نہ ہو اس کے خلاف فرخ سیر حالانکہ شاہی عہدہ کے لیے نااہل تھا مگر وہ اپنے ذاتی اختیارات کو خود استعمال کرنے کی خواہش رکھتا تھا وہ سمجھتا تھا کہ سید برادران کی خواہشات کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وزیر اور بخشی کے روایتی اختیارات بہت بڑھ جائیں گے اور ایسی حالت میں بادشاہ صرف نام کا بادشاہ رہ جائے گا۔ فرخ سیر چاہتا تھا کہ وزیر بادشاہ کے صلاح کار کی حیثیت سے ہی کام کرے وہ محکمہ مالگذاری کا حاکم بنا رہے لیکن آزادانہ طور پر اپنے اختیارات کا استعمال نہ کرے۔ ذوالفقار خاں کی طرح سید برادران وزیر کے عہدہ کو سب سے زیادہ طاقتور بنا چاہتے تھے جس سے انھیں نئی پالیسیاں وضع کرنے کا موقع ملے۔ اختیارات کے بارے میں یہ دونوں مختلف نظریہ شروع ہی سے دکھائی دیتے ہیں۔ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ حکومت کے خاص عہدوں پر تقرری کے سوال پر وزیر اور بادشاہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف بنے رہے۔ بادشاہ نے اپنے آپ کو بااثر بنانے کے لیے جملہ کوداروغہ خواہان، داروغہ غسل خانہ کے عہدہ پر فائز کیا گیا اور خانہ دوران کوداروغہ دیوان خاص و والاث ہیوں کے بخشی کے عہدے عطا کیے دونوں کو سات ہزار ذات اور سات ہزار سوار کے منصب دیئے گئے۔ ان دونوں امیروں کے تعاون سے سید برادران کے خلاف ایک گروہ ترتیب دیا گیا فرخ سیر کے ان دونوں معتمدین و مقربین نے انتظامیہ کے کاموں میں بھی مداخلت کرتا شروع کر دی میر جملہ کو بادشاہ نے اپنی جانب سے حکم ناموں پر شاہی مہر لگانے کا اختیار دیدیا تھا فرخ سیر نے بابا رییہ بات دہرائی کہ میر جملہ کا دستخط اور قول میرا دستخط اور قول ہے۔ میر جملہ نے اس اختیار کا فائدہ اٹھا کر تقرریوں اور منصب میں ترقی وغیرہ کے کاغذوں کو بغیر دیوان وزارت کے پاس بھیجے شاہی مہر لگانا شروع کر دیا۔ یہ کام روایتی اصول کے خلاف تھا اور وزیر کی عزت پر سیدھی چوٹ تھی۔ ایسی تقرریوں میں وزیر کو تحائف یا پیش کش کی شکل میں کافی دولت ملتی تھی اس لیے میر جملہ کے طریقہ عمل سے وزیر کو اقتصادی نقصان بھی ہوا ان سب وجوہات سے سیدوں کو اپنی حالت کی طرف زیادہ چوکس ہونا پڑا۔

مشکل یہ تھی کہ خود عبداللہ خاں حکومت کے کاموں کی طرف سے عدم دلچسپی رکھتا تھا وہ صرف ایک سپاہی تھا اسے حکومت کے انتظام اور مالیات کے کاموں میں دلچسپی کم تھی اس لیے یہ سب کام اس نے اپنے دیوان رتن چند کو سونپ دیئے تھے۔ حالانکہ رتن چند مالیاتی کاموں میں ہوشیار تھا وہ بہت زیادہ لالچی اور مغرور تھا اپنے وزیر کے لیے مناسب پیش کش حاصل کیے بغیر وہ کوئی بھی کام پورا نہیں کرتا تھا۔ میر جملہ نے ان غیر قانونی کارروائیوں کو روکنے کی کوشش کی وہ خود منصب اور عہدہ کی تقرری کے لیے پیش کش نہیں لیتا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رتن چند کی شکایت پر عبداللہ خاں نے اسے یہ حکم دیا کہ وہ ایسے کسی بھی تقرر کو منظور نہ کرے جس میں میر جملہ کا ہاتھ ہونے کا شک ہو۔ ان کارروائیوں سے انتظامیہ کا کام رک گیا اور بادشاہ اور اس کے معتمدین اور سید برادران کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی۔

ایک دوسرے نقطہ نظر سے بھی فرخ سیر کی سیدوں کے خلاف شکایت صمم تھی رتن چند کی وجہ سے اجارہ کار و اج عام ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ خالص زمین کو بھی اجارہ پر دیا جانے لگا تھا جب کبھی بھی کسی عامل کا تقرر ہوتا تھا رتن چند اس سے ایک قول لکھوا لیتا تھا اور اس بنیاد پر پیشگی روپیہ مہاجنوں سے لیتا تھا۔ فرخ سیر اجارہ کو کسانوں اور حکومت دونوں کے لیے تباہ کن سمجھتا تھا اور اسے روکنے کے لیے اس نے فرمان جاری کیا تھا۔

اس حالت میں سید برادران کی طاقت کم کر کے اور اس امید پر کہ وہ اپنی مرضی سے اپنا عہدہ چھوڑ دیں فرخ سیر نے اپنے معتمدین کی فوجی طاقت بڑھانی شروع کر دی میر جملہ کو پانچ ہزار سوار... رکھنے کی اجازت دی گئی جن کی خواہش ہی خزانہ سے دی جاتی تھی۔ اس کو لاہور صوبہ میں جو بڑا دولت مند اور زرخیز تھا جاگیریں دی گئیں۔ اس سے پہلے میر جملہ کو سات ہزار ذات سات ہزار سوار کا منصب اور بنگال کی صوبہ دار کی مگنی تھی اور ان کے لیے دہلی و آگرہ صوبوں میں جاگیریں دی گئیں۔ اسے بھی سات ہزار کا منصب دیا گیا۔ ان دونوں کے دوسرے متعلقین کے عہدوں میں بھی غیر معمولی ترقی کی گئی۔ انھیں وجوہات سے عبداللہ خاں نے حسین علی کو مارواڑ سے جلد لوٹنے کے لیے خط بھیجے تھے۔

مارواڑ سے لوٹنے کے بعد اس دور کے حالات کو دیکھ کر سید برادران نے یہ نتیجہ نکالا کہ دربار میں اپنی حیثیت کو بنائے رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی دوسرے دولتمند صوبہ پر ان کا قبضہ ہو جائے۔ تاکہ اس کے ذرائع کا استعمال کیا جاسکے۔ اس کے مطابق نظام الملک کو دکن کی صوبہ داری سے ہٹا کر حسین علی نے وہاں کی صوبہ داری اپنے نام لکھوائی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ذوالفقار خاں کی طرح وہ دربار میں رہے اور اپنے نائب کے ذریعہ دکن کا انتظام چلائے اس لیے اس نے داؤد خاں کو دکن میں اپنا نائب مقرر کیا اور اس سے مقامی انتظام چلانے اور حسین علی کو سالانہ پیش کش دینے کے بارے میں معاہدہ کر لیا۔ یہ ایک نامناسب انتظام تھا لیکن فرخ سیر اسے آسانی سے نامنظور نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ کچھ دن پہلے اس نے اپنے معتمد میر جلد کو بنگال کا صوبہ دار بن کر وہاں کے نائب صوبہ دار مرشد قلی خاں کے ساتھ اسی طرح کے معاہدے کرنے کی منظوری دیدی تھی۔ میر جلد کے مشورے سے فرخ سیر نے حسین علی کی تجویز نامنظور کر دی اور اسے حکم دیا کہ وہ بذات خود دکن جائے۔

اس حکم سے دربار میں ایک تشویشناک حالت پیدا ہو گئی۔ بہادر شاہ کی طرح فرخ سیر بھی وزیر میر بخش اور دکن کی صوبہ داری تینوں کے تینوں عہدے ایک ہی خاندان کے لوگوں کو سونپنا ناہی خاندان کے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔ برخلاف اس کے سید برادران ان تینوں میں سے کسی بھی عہدہ کو چھوڑنے کے تیار نہیں تھے۔ اس لیے دکن میں حسین علی کے ذاتی طور پر جانے کے حکم کو فرخ سیر کی سیاسی چال سمجھتے تھے جس سے وہ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے الگ الگ ان سے منٹ سکے۔ اس لیے فرخ سیر اور میر جلد کی سیاسی چالوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے حسین علی نے اپنے بھائی کو دربار میں اکیلا چھوڑ کر دکن جانے سے انکار کر دیا۔ فرخ سیر نے اجیت سنگھ کے ساتھ حسین علی کے ذاتی معاہدہ کی بھی مخالفت کی اور اجیت سنگھ کے نام گجرات کی صوبہ داری کا فرمان جاری کرنے میں آنا کافی کی۔

جس وقت یہ سب جھگڑے ہو رہے تھے اس وقت حسین علی نے اپنے قتل کرنے کی ایک سازش کا پتہ لگایا۔ سید برادران کو یہ ڈر تھا کہ بادشاہ کے

مددگاروں کے ذریعہ قتل کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس لیے انھوں نے دربار میں جانا چھوڑ دیا اور اپنی رہائش گاہ کے چاروں طرف سخت پہرہ لگا دیا۔ اس طرح سید برادران نے یہ واضح کر دیا کہ وہ دھمکیوں سے نہیں ڈریں گے حقیقت میں بادشاہ کے معتمد فوجی نقطہ نظر سے اپنے کو کمزور سمجھتے تھے۔ انھوں نے بادشاہ کو محمد امین خاں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کا مشورہ دیا جو ایک تجربہ کار جنگجو تھا لیکن اس کے انعام میں امین خاں خود وزیر بننا چاہتا تھا۔ بادشاہ کے صلاح کار اسے اور بھی خطرناک سمجھتے تھے کیونکہ بعد میں محمد امین کو وزیر کے عہدہ سے ہٹانا اور بھی مشکل ہوتا۔ اس سے فرخ سیر کے ہاتھوں میں طاقت نہیں آتی لیکن بادشاہ اور اس کے معتمدین صرف سیاسی چالوں سے سیدوں کو ان کے عہدہ سے ہٹانے میں نااہل تھے۔

حالات کو سمجھتے ہوئے فرخ سیر نے پھر سیدوں کے ساتھ صلح کرنے کی کوشش کی فرخ سیر کی ماں سیدوں کے پاس گئی اور اپنے بیٹوں کی جانب سے انھیں یقین دلایا۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ میر جملہ اور سید حسین علی دونوں اپنے اپنے صوبوں کو چلے جائیں۔ سیدوں نے یہ واضح کر دیا کہ میر جملہ کے چلے جانے کے بعد ہی حسین علی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوگا اس کے دربار میں حاضری کے وقت قلعہ کا کل انتظام سیدوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس سمجھوتہ کے مطابق 16 دسمبر 1712 کو میر جملہ نے بنگال کے لیے کوچ کیا۔ 20 کو حسین علی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اس وقت قلعہ کا سارا نظم و نسق سید برادران کے ہاتھ میں تھا یہ ایک ایسی عجیب بات تھی جس نے سیدوں کے خصوصی اختیارات واضح کر دیئے اور یہی بات بعد میں فرخ سیر کے لیے خطرناک ثابت ہوئی۔

20 مئی 1725 کو حسین علی نے دکن کے لیے کوچ کیا جاتے وقت حسین علی بادشاہ سے اجازت لی کہ دکن میں زمینداروں کا تقرر اور معزولی قلعہ کے محافظوں کا تقرر و تبادلہ وغیرہ پورے اختیارات اس کے ہاتھ میں ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ فرخ سیر کو اس بات کے لیے بھی مجبور کیا گیا کہ حسین علی کو شاہی مہر دیدی جائے جس سے جاگیرداروں کے تبادلہ وغیرہ میں بادشاہ کی رسمی اجازت کی ضرورت نہ پڑے جاتے وقت حسین علی نے فرخ سیر کو یہ تنبیہ کی کہ اگر اس نے میر جملہ کو دربار میں واپس

بلا یا تو دین ہفتوں ہی میں دکن سے واپس آدھکے گا۔

اس طرح طاقت کے لیے یہ پہلا ٹکراؤ ختم ہوا نظر آ رہا تھا اس کا نتیجہ سیدوں کی فتح تھی کیونکہ بادشاہ سید برادران کو ان کے عہدہ سے ہٹا نہیں سکے۔ بلکہ اس نے سیدوں کی اس ہتک آمیز شرط کو بھی منظور کیا کہ بادشاہ کے دربار میں سیدوں کے حاضر ہونے سے پہلے قلعہ کا سارا انتظام انھیں سونپ دیا جائے گا۔ اس طرح بادشاہ ان کے خصوصی اختیارات قبول کرے۔ اتنا ہونے پر بھی اس حقیقت نے سیدوں کو اپنی کمزوریوں سے آگاہ کر دیا اور انھیں سمجھوتہ کے لیے مجبور کیا انھیں یہ احساس ہوا کہ بادشاہ کے مددگاروں کے ساتھ ہی دربار کا ایک طاقتور گروہ ان کی مخالفت کر رہا ہے۔ ان کا قائد امین خاں تھا۔ بارہا کے سید تو اذیتیں کم تھیں اور صرف اپنی طاقت پر سید برادران کا اثر بنائے رکھنے میں نا اہل تھے جس وقت سید برادران کو ہٹائے جانے کی افواہ پھیلی بہت سے سادات بارہانے بھی ان کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا تھا اس لیے انھوں نے ایک بڑے علاقہ پر اپنا اثر جما نا ضروری سمجھا۔ لیکن یہ جب ہی ممکن تھا جب دونوں بھائیوں میں سے ایک ذاتی طور پر اس علاقہ کا انتظام سنبھالے۔ ممکن ہے اس وجہ سے حسین علی دکن کو جانے کے لیے تیار ہو گیا اس طرح جس مسئلہ کو لے کر جھگڑا شروع ہوا تھا اس پر سیدوں کو جھکنا پڑا۔ وہ بادہ کے معتمد خان دوران کو نائب میر بخشی کا عہدہ دینے کو رضامند ہو گئے میر حملہ کو دربار چھوڑ کر اپنے صوبہ کی طرف جانا پڑا۔ مگر فرخ سیر نے اس کے ساتھ سات ہزار مغل سپاہی بھیجے جو کسی بھی صوبہ دار کو نہیں دیتے جاتے تھے۔ اس لیے میر حملہ کی جانب سے سیدوں کو پھر بھی خطرہ بنا رہا۔ ساتھ ہی سمجھوتہ کے بعد بھی سیدوں کے لیے بادشاہ کی تلخی کسی بھی طرح کم نہ ہو سکی۔ حقیقت یہ تھی کہ جیسے ہی حسین علی نے پیٹھ پھیری بادشاہ نے داؤد خاں پنی کو خفیہ حکم بھیجا کہ اس کا گجرات سے برہانپور تبادلہ کر دیا گیا۔ اور یہ کہ وہ حسین علی کو روکے۔ داؤد خاں تیزی کے ساتھ کوچ کرتا ہوا 13 اگست کو برہانپور پہنچا۔ 6 ستمبر کو حسین علی اور داؤد خاں کی جنگ ہوئی جس میں داؤد خاں کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا، فرخ سیر کے خفیہ خطوط حسین علی کے ہاتھ آ گئے جس سے ان کے سلسلہ میں بادشاہ کی دوہری پالیسی واضح ہو گئی۔

دکن کی موہہ داری سے بٹانے کی وجہ سے نظام الملک سیدوں سے ناراض ہو گیا۔ دکن سے دلی لوٹتے وقت وہ راستہ میں حسین علی کے پڑاؤ سے دو تین میل کے فاصلہ پر ٹکلا لیکن پرانے اصولوں کے تحت اس نے جا کر حسین علی سے ملاقات نہیں کی۔ محمد امین خاں وزارت کے عہدہ کے لاپنج سے سیدوں کی مخالفت کر رہی رہا تھا اس لیے عبد اللہ خاں کو اس با اثر گروہ کا سامنا بھی کرنا تھا۔

اس طرح طاقت کے تجربہ کے اس دور میں کوئی بھی بنیادی مسئلہ حل نہ ہو سکا عبد اللہ خاں سازشی بادشاہ کا سامنا کرنے کے لیے دربار میں کچھ وقت کے لیے اکیلارہ گیا۔ مسئلہ کا حل تب ہی ہو سکتا تھا جبکہ دونوں میں سے ایک گروہ اتنی طاقت حاصل کر لیتا کہ دوسرا اس کے سامنے نہ ٹٹر سکے۔

نئی وزارت کے لیے کشمکش

حسین علی کے دکن کو کوچ کرنے کے بعد کچھ برسوں تک فرخ سیر اور سید برادران اپنے اپنے حمایتی کی تعداد بڑھانے میں مشغول رہے۔ فرخ سیر نے پرانے امیروں خاص کر محمد امین خاں نظام الملک اور اس کے حمایتیوں کا تعاون حاصل کرنے کی جانب غور کیا۔ اس نے جے سنگھ اور اجیت سنگھ کو بھی اپنی طرف ملانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف سید عبداللہ خاں و حسین علی خاں نے پرانے امیروں و راجپوتوں کی حمایت حاصل کرنے اور مراٹھا، جاٹ وغیرہ دوسرے عناصر سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔

اس کشمکش کے نتیجے میں انتظامیہ میں ڈھیل آگئی اور حکومت کی حالت روز بروز بگڑنے لگی۔ عبداللہ خاں نے اپنے دیوان و خاص صلاح کار رتن چند پر انتظام کا سارا بوجھ ڈال دیا۔ اس کے نتیجے میں انتظامیہ کے سب سے اہم شعبوں پر اس کا اثر قائم ہو گیا۔ یہاں تک کہ قاضیوں کے تقرر میں بھی اس کا ہاتھ رہتا تھا خاص طور سے مالگڈاری کے محکمہ میں اس کا اثر اتنا بڑھ گیا تھا کہ کسی بھی فرد کو اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کی مخالفت کر سکے۔ محکمہ مالگڈاری کے دونوں خاص افسر دیوان تن و دیوان خالصہ رشاہی زمینیں نام نہاد ہو کر رہ گئے رتن چند نے اونچی بولی لگانے والے کو مالگڈاری کا ٹھیکہ دینا شروع کر دیا یہاں تک کہ خالصہ زمین بھی ٹھیکہ پر دی جانے لگی۔ ان کارروائیوں کے نتیجے میں خالصہ و جاگیر کی زمین کی مالگڈاری گھٹنے لگی لیکن اس طرح رتن چند اپنے آقا کے لیے کافی مقدار میں دولت اکٹھی کرنے میں کامیاب ہو جا رہا تھا۔

عبداللہ خاں کبھی بھی کسی عامل کا تقرر کرتا تھا رتن چند اس سے پیشگی روپیہ دینے کا پٹہ لکھاتا تھا اور اتنی رقم سہا ہو کاروں سے وصول کر لیتا تھا۔ فرتخ سیر نے ان غیر قانونی کاموں کو روکنے کی کوشش کی لیکن عبداللہ خاں نے اس کے ان اعتراضات پر کوئی دھیان نہیں دیا۔²

ان حالات میں جاگیرداروں کی حالت اور بھی بگڑنے لگی۔ جاگیروں کی کاغذی آمدنی رجب، اور حقیقی آمدنی (حاصل) کے درمیان بڑھتے ہوئے فرق سے ان کے لیے اپنی روزی کما نامشکل ہو گیا۔ چھوٹے منصب دار کے لیے یہ اور بھی مشکل تھا۔ اس حالت میں دیوان تن لطف اللہ خاں نے پچاس سے سو ذات تک کے منصب داروں کو جاگیروں کے بدلے نقد روپیہ دینا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقم جاگیروں کی نسبت بہت کم تھی اور باقاعدہ بھی نہیں دی جاتی تھی اس کے نتیجہ میں بہت سے امیروں نے جن میں بڑے امیر بھی شامل تھے سوار رکھنا بند کر دیا۔ مقصدیوں سے مل کر سواروں کی چھوٹی فہرست بھینچنے لگے۔³ اس طرح نظام کا پوری طرح زوال ہونے لگا۔

ان کارروائیوں کے پس پردہ نتیجہ یہ ہوا کہ معاشرہ میں مہاجنوں میں ٹھیکیداروں، تعلقداروں وغیرہ کا اثر بڑھنے لگا۔ یہ بات بہت سے پرانے خاندان کے لوگوں اور امیروں کو اکھرنے لگی ان کے جذبات کی جھلک ہمیں خفی خاں کے اس بیان سے ملتی ہے کہ رتن چند کے زمانہ میں بارہا اور بنیوں کے علاوہ کسی پر بھی نظر کرم نہیں کی جاتی تھی اور ہر ایک صوبہ کے امیر بے عزتی اور غیرت نفسی کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے ایک اور ہم عصر مصنف خوشمال خاں کے مطابق رتن چند نے مالگنداری کے اصول کی جگہ پر دکانداری کے اصول رائج کر دیے یا دوسرے الفاظ میں اس نے ہر ایک چیز کو بکری کے لیے رکھ دیا۔⁴

اس طرح انتظام کمزور ہوتا جا رہا تھا اور شاہی دربار سیاسی کشمکش کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ حالت یہ تھی کہ جب کبھی بھی بادشاہ شکار کے لیے یا کسی دوسری جگہ پر سواری کرنے کی تیاری کرتا تھا تو عام طور سے یہ افواہ پھیل جاتی تھی کہ اس کا مقصد سید عبداللہ پر حملہ کرنا ہے۔ عبداللہ خاں اپنی حفاظت کے لیے ایک

مستقل فوج بھرتی کر لی تھی جس کی تعداد 15 سے 20 ہزار تھی۔ دربار میں بہت سے دشمن ہونے کی وجہ سے عبداللہ خاں کی حفاظت کے لیے یہ سپاہی بھی کافی نہیں تھے۔ اس لیے جب کبھی بادشاہ شکار کے لیے یا سواری پر نکلتا، عبداللہ خاں اور سپاہی بھرتی کر لیتا تھا۔⁵

سید برادران اپنی حالت اور اپنی مشکلات سے ٹھیک طرح سے واقف تھے اس لیے اختیارات حاصل کرنے کے سوال کو آخری طور پر حل کرنے کے مقصد سے وہ ضروری ذرائع میا کرنے میں لگ گئے۔ واقعات بھی ان کے حق میں ہوتے چلے گئے جس سے انھیں اپنی خواہش کی تکمیل کا مناسب موقع مل گیا۔

جنوری 1716ء میر جمد بڑی پریشان حالت میں اچانک دلی پہنچا اس سے پہلے بہار کو کوچ کرتے وقت اس کے ساتھ سات ہزار زائد مغل سپاہی مقرر کیے گئے تھے۔ سپاہیوں کی زائد تعداد کے خرچ کے لیے اسے نو لاکھ روپے دیئے گئے جس میں سے کچھ نقد دیئے گئے تھے اور باقی بنگال صوبہ کی آمدنی سے دیئے گئے تھے لیکن میر جمد پٹنہ سے آگے نہیں بڑھ پٹنہ میں رہ کر میر جمد بہار کے زمینداروں پر جو ہمیشہ سے سرکش اور باغی سمجھے جاتے تھے، قابو پانے میں ناکام رہا۔ ساتھ ہی اس نے غلط طریقے سے خرچ کیا جس کی وجہ سے وہ مغل سپاہیوں کو تنخواہ نہیں دے سکا۔ نتیجتاً غیر مطمئن سپاہیوں نے عوام سے دولت اکٹھی کرنے کے لیے ظلم اور غیر قانونی طریقے اپنائے۔ دوسری طرف میر جمد نے شاہی اختیارات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے سامنے شیر کی لڑائی کروانا وغیرہ کام شروع کر دیے۔ ان سب کاموں کی اطلاع بادشاہ کے پاس پہنچی۔ اسی وقت میر جمد نے تیس لاکھ روپے کا خزانہ جو ہر سال دہلی بھیجا جاتا تھا ہتھیایا اور غلط طریقہ سے خرچ کر دیا۔⁶

اس کے نتیجے میں نومبر 1715ء میں میر جمد کو بہار کے صوبے دار کے عہدے سے ہٹایا گیا اس کی جگہ پر سر بلند خاں کو وہاں کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ بنگال کی غیر حاضر صوبے داری سے بھی اسے ہٹا دیا گیا۔ اس طرح میر جمد ایک کے بعد ایک مشکلات کا شکار ہو گیا۔ اب اس کے پاس ایک ہی امید بچی تھی کہ وہ اپنے پرانے کرم فرما بادشاہ سے خود گزارش کرے اس لیے وہ بغیر پیشگی اجازت

و اطلاع کے دہلی پہنچا۔ اس کے ساتھ ہی سات آٹھ ہزار مغل سپاہی بھی دارالحکومت میں پہنچے جنہیں گذشتہ بارہ تیرہ مہینوں سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔ ان سپاہیوں نے وہاں پہنچ کر میر جلد کی رہائش گاہ پر گھیرا ڈال دیا اور دارالحکومت میں ہنگامہ کرنا شروع کر دیا۔ عبداللہ خاں کو شک تھا کہ یہ سب اس کے اوپر حملہ کرنے کا بہانہ ہے اس لیے اس نے اپنے سپاہیوں کی تعداد اور بڑھائی شروع کر دی اور فوجی ٹکراؤ کی تیاری کرنی۔ سید جو عبداللہ خاں کو اپنا رشتہ دار سمجھتے تھے اس کی حفاظت کے لیے بڑی تعداد میں دلی پہنچ گئے۔

فرخ سیر اس ٹکراؤ کے لیے تیار نہیں تھا غصے میں اس نے میر جلد کا منصب اور جاگیر چھین لی ایسی حالت میں میر جلد اپنے پرانے دشمن عبداللہ خاں کی پناہ میں آیا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ عبداللہ خاں کے درمیان میں پڑنے سے اسے لاہور کا قاضی مقرر کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ وہ دربار میں حاضر ہوئے بغیر ہی چلا جائے۔ عبداللہ کی سفارش سے سات آٹھ ماہ بعد اسے اس کا پرانا منصب و خطابات بھی دوبارہ عطا کر دیئے گئے۔ ان واقعات کا نتیجہ یہ کہ عبداللہ خاں کے راستے سے ایک کانٹا ہٹ گیا اور اب وہ اپنے کونستیا زیادہ محفوظ سمجھنے لگا۔ فرخ سیر کی حالت اور بگڑ گئی۔

عبداللہ خاں کی طاقت اور اہلیت کا پتہ سرمن سفارتی وفد کی کارروائیوں سے چلتا ہے یہ سفارتی وفد برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے بادشاہ کے دربار میں بھیجا گیا تھا اس کا مقصد کمپنی کے لیے بنگال بہار اور اڑیسہ میں آزادانہ تجارت کی سہولتیں حاصل کرنا تھا۔ کمپنی کے ذریعے پیش کی گئیں دو درخواستیں اس پر منظور نہ ہو سکیں کہ وہ خان دوراں کے ذریعہ بھیجی گئی تھیں۔ انگریز سفارتی وفد کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ ساری طاقت خان دوراں کے ہاتھوں میں ہے اور وزیر مروت ایک کٹھن تل ہے۔ آخر میں عبداللہ خاں کے کہنے سے فرخ سیر نے کمپنی کو ایک مقررہ رقم دینے کے وعدے پر اسے ساری مغل حکومت میں اپنا مال لانے اور بیچنے کا اختیار دیدیا۔ اس فرمان کا انگریز نے جان بوجھ کر یہ مطلب نکالا کہ وہ ملک کی اندرونی تجارت میں بھی غیر محمول دینے حصہ بنا سکتے ہیں۔ حقیقت میں فرخ سیر نے اس

فرمان سے انھیں اسی طرح کے اختیارات دیے جیسے 1656 میں بنگال کے صوبے دار شاہ شجاع کے ذریعے انھیں دیے گئے تھے۔ کمپنی کے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ ان سب کاموں کے لیے وزیر نے ایک پیسہ بھی نہیں لیا جبکہ انگریزوں کا یہ مستحکم خیال تھا کہ دلی میں ہر چیز کا ڈبہ⁸۔

مندرجہ بالا واقعات نے وزیر کے اثر اور اختیارات کی افضلیت کو واضح کر دیا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ مالگڈاری و مالیات دونوں معاملوں میں وزیر کی افضلیت کو تسلیم کر لیا گیا۔

فرخ سیر کی تخت سے برطرفی

میر جملہ کی جانب سے مایوس ہونے کے بعد فرخ سیر نے پھر سے امیروں کے طاقتور گروہ کی تشکیل کرنے اور ان کے ذریعہ طاقت حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے اس نے بے سنگھ کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی۔ مالوہ کے صوبہ دار کی شکل میں 1715 میں بے سنگھ نے مراٹھوں کو زبدا کے پار بھگا کر ان کے خلاف اہم کامیابی حاصل کی تھی۔ اس زمانہ کے اخبارات میں اس کو اورنگ زیب کے بعد سب سے بڑی فتح بتایا گیا⁹۔

مالاکہ راجہ بے سنگھ کو مالوہ کی صوبے داری دلانے میں سید حسین علی کا خاص ہاتھ تھا لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر بے سنگھ سید برادران سے ناراض تھا۔ کوٹ بوندی ریاست کی خانہ جنگی میں حسین علی کی مداخلت سے ہی بے سنگھ کے بہنوئی بدھ سنگھ کو حکومت کے حق سے محروم ہونا پڑا تھا۔ جاہلوں کی جنگ میں بت سنگھ نے بہادر شاہ کی طرف سے جنگ کی تھی جس کی وجہ سے اسے کوٹہ کے قلعے کے ساتھ چوڑن قلعے دینے گئے۔ رام سنگھ ہاڑا کے بیٹے بھیم سنگھ کو کوٹہ سے ہٹا دیا گیا کیونکہ اس نے اعظم شاہ کی طرفداری کی تھی لیکن بھیم سنگھ نے کوٹہ پر اپنا قبضہ چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ فرخ سیر کے تخت نشین ہونے پر وہ دلی پہنچا۔ اس نے حسین علی کی عنایات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ دوسری طرف بدھ سنگھ نے دربار میں حاضر ہونے کے شاہی حکم کو ٹھکرایا ہی نہیں بلکہ جس وقت حسین علی نے اجیت سنگھ کے خلاف حملہ کیا اس

نے دشمنوں کی طرح کے کام کیے اور کوٹہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن بھیم سنگھ نے جلدی ہی کوٹہ پر پھر اپنا قبضہ قائم کر لیا۔ اس نے حسین علی کے اشارے پر بوندی پر بھی قبضہ کر لیا اور بادشاہ نے رسمی طور سے اس کی اجازت اسے عطا کر دی۔ غصے میں آکر بدھ سنگھ اجین میں بے سنگھ سے ملا اور اس سے بادشاہ سے سفارش کرنے کا وعدہ لیا۔ اسی وقت سے ہی سید برادران اور بے سنگھ کے تعلقات بگڑنے لگے۔ دکن جاتے وقت جب حسین علی مالوہ سے گزر رہا تھا تب بے سنگھ نے اس کا خیر مقدم کرنے سے انکار کر دیا اور ایک باغی زمیندار کو سزا دیتے کا بہانہ بنا کر اجین سے بھلسا کی جانب چلا گیا۔¹ اس زمانے کی روایت کے مطابق بے سنگھ کا یہ کام تہذیب کے خلاف تھا۔ حسین علی نے بادشاہ سے اس کی شکایت کی۔ بے سنگھ کی ناراضی کی دوسری وجہ تھی سیدوں کا جاٹوں کو پس پردہ تعاون دینا بے سنگھ اپنی ریاست کی سرحد کے پاس چوڑا من جاٹ کی قیادت میں جاٹ قوت کے بڑھنے سے فکر مند تھا۔ چوڑا من جاٹ کے لوٹ مار کے کاموں سے یحییٰ ہونے کے علاوہ اورنگ زیب کے وقت سے ہی آئیر گھرانے اور جاٹوں میں دشمنی تھی۔ راجہ رام سنگھ نے راجہ رام کے خلاف بہت سی لڑائیاں لڑی تھیں راجہ رام کے مرنے کے بعد بھیجہ کا بیٹا چوڑا من جاٹوں کا قائد بنا کچھ زمانے تک چوڑا من معمولی طور پر لوٹ مار کے کاموں میں لگا رہا لیکن جاٹوں کی جنگ کے بعد منام خاں کے توسل سے وہ بہادر شاہ کے روبرو حاضر ہوا اسے پندرہ سو ذوات پندرہ سو سوار کا منصب دیکر اگر وہ دہلی کے بیچ کے ماڈی کا محافظ مقرر کیا گیا۔ سکھوں کے خلاف مہم میں اس نے بہادر شاہ کا ساتھ دیا اور سا دھورا اور لوہ گڑھ کے محاصرہ کے وقت موجود رہا لاہور کی جنگ میں وہ عظیم الشان کی طرف تھا لیکن اس نے لوٹ مار کے علاوہ کچھ کام نہیں کیا۔ جہاندار شاہ نے اسے معاف کر دیا اور اسے خلعت دی اسے فرخ سیر کے خلاف مہم میں ساتھ دینے کا حکم دیا۔ چوڑا من جہاندار کی جانب سے لڑا لیکن جب جنگ کا رخ جہاندار شاہ کے حق میں نہ رہا تو چوڑا من نے لوٹ مار شروع کر دی اور اس کے جاٹ سپاہیوں نے حرم سرا کے دیروں کو لوٹ لیا۔²

فرخ سیر کے وزیر حکومت کے ابتدائی زمانے میں چھیلارام کو آگرے کا صوبے دار مقرر کیا گیا اور اسے حکم دیا گیا کہ باغی جاٹ سرداروں کو کچل دے۔

چھیلا رام نے جاٹ قوت کو کچلنے کے لیے زائد فوجی گروہوں کا تقرر کیا لیکن وہ اس کام میں ناکام رہا۔ کیونکہ اسے مقامی زمینداروں کی تائید حاصل نہیں ہوئی۔ لوگوں کو یہ شک تھا کہ چوڑا من کو سیدوں کی حمایت حاصل ہے۔ چھیلا رام کے ناکام ہونے پر اس کی جگہ پر خان دوراں کی تقرری کی گئی۔ خان دوراں کی کوششوں سے چوڑا من دربار میں حاضر ہوا اور وہاں اس نے آقا سے وفاداری جتائی۔ اس لیے اسے دہلی سے چمپل کے ماڈی کا محافظ مقرر کیا گیا۔ کچھ وقت کے بعد ہی چوڑا من باغی ہو گیا اس نے شاہی علاقے میں موجود دہشت سے پرگنوں پر قبضہ کر لیا اور جاگیرداروں کی جاگیروں میں مداخلت کی۔ بادشاہ کے پاس یہ شکایتیں آنے لگی تھیں کہ وہ غیر قانونی طریقے سے راہداری وصول کر رہا ہے اور ہتھیار جمع کر رہا ہے چوڑا من نے تھوٹ میں اپنا گڑھ بنایا جہاں سے وہ اپنی کارروائیاں کرتا تھا۔

ان حالات میں ستمبر 1715ء میں فرخ سیر نے بے سنگھ کو اس مطلب کا خط بھیجا کہ وہ راؤ راجہ بدھ سنگھ، چھتر سال بندیلہ اور راٹھور دگاداس کے ساتھ دربار میں حاضر ہو۔ بادشاہ نے جاٹوں کے خلاف شاہی فوج کی کمان بے سنگھ کو دینے اور بدھ سنگھ کو بوندی دینے کا وعدہ کیا اسے خصوصی شاہی مراعات کے بارے میں بھی امید دلائی گئی¹²

سیاسی چالوں کی نظر سے فرخ سیر کی یہ پالیسی انتہائی اہم تھی۔ اس سے ایک ساتھ دو مقصد پورے ہوتے تھے۔ اول جاٹوں کی طاقت کو کچلنا دوم بے سنگھ کی حمایت حاصل کرنا۔ بے سنگھ جاٹوں کی طاقت کو کچلنے کا خواہشمند ہوتے ہوئے بھی دربار کی سیاست سے دور رہنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ دربار میں حاضر نہ ہو کر سیوا امیر چلا گیا۔ جون 1716ء میں فرخ سیر کے دوبارہ بلانے پر ہی وہ دربار میں حاضر ہوا بادشاہ نے حکم جاری کیا کہ ہمیں سنگھ کو بوندی سے ہٹا کر اسے خالصہ میں لے لیا جائے اور بعد میں جگیدہ سنگھ کو دیدی جائے۔ اس کے بعد بے سنگھ کو جاٹوں کے خلاف مہم کی کمان سونپی گئی یہاں یہ قابل ذکر ہے کہ ان معاملات کے فیصلے میں عبداللہ خاں سے کوئی صلاح و مشورہ نہیں کیا گیا¹³

بے سنگھ نے پراسرار شاہی سیاہیوں کے ساتھ نومبر 1716ء میں جاٹوں

کے مرکز تھوں پر حملہ کیا لیکن گھنے جنگل، ٹوٹے ہوئے راستوں، رسد کی کمی اور مقامی زمینداروں کے دشمنانہ رویے کی وجہ سے بے سنگھ کو جلدی کامیابی حاصل نہ ہو سکی ایک سال اور چھ ماہ کے مسلسل محمراز کے بعد آخر میں فرخ سیر کو صلح کے لیے کوششیں کرنی پڑیں۔ اس کام کے لیے عبداللہ خاں کے چچا خان جہاں کو ظاہری طور پر بے سنگھ کی مدد لیکن حقیقت میں اس کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے بھیجا گیا عبداللہ خاں کا مقصد بے سنگھ کو نیچا دکھانا تھا۔ خان جہاں کی کوششوں سے جاٹوں کے ساتھ صلح ہو گئی۔ اس صلح کے مطابق چوڑا من نے بادشاہ کو پچاس لاکھ روپیہ نقد اور دوسرے قیمتی تحائف دینا اور لڑکوں کو ذاتی ملاقات کے وقت 20 لاکھ روپیہ دینا منظور کر لیا۔ اس نے تھون، ڈیل وغیرہ مقامات پر سے اپنا قبضہ چھوڑ دیا اور وعدہ کیا کہ جہاں کہیں بھی اسے مقرر کیا جائے گا وہ خدمت کرنے کو تیار رہے گا۔ 14

یہ صلح بے سنگھ کی ذاتی طور پر بے عزتی اور سیدوں کی سیاسی جیت سمجھنا چاہئے جاٹوں کی جنگ نے سیدوں اور فرخ سیر کے تعلقات میں اور بھی زیادہ الجھن پیدا کر دی۔ اسی وقت سید برادران نے حکومت کے ایک باغی دشمن کے ساتھ سمجھوتہ کر کے دربار کی گروہ بندی کو ایک نیا موڑ دیا۔

جاٹوں کی جنگ کا خاتمہ ہوتے ہوئے سید برادران و فرخ سیر کی کشمکش میں کچھ اہم خصوصیات دکھائی دیتی ہیں۔ فرخ سیر نے اب یہ مان لیا۔ پرانے تجربہ کار امیروں کی بربادی اس کے لیے فائدہ مند نہیں تھی۔ بلکہ ان امیروں کا سیدوں کے خلاف استعمال کیا جاسکتا تھا۔ اس لیے اس نے اورنگ زیب کے زمانے کے امرا کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ فرخ سیر کے دور حکومت کے شروع میں عنایت اللہ خاں جو اپنے بیٹے کو پھانسی دینے جانے کے بعد مکر چلا گیا تھا 17 17 کے شروع میں لوٹ آیا۔ عنایت اللہ اورنگ زیب کے ماتحت کام کر چکا تھا اور اس پر اورنگ زیب کی خصوصی مہربانیاں تھیں۔ اسے انتظامیہ کے کا تجربہ تھا اور وہ کفایت شعاری کے لیے مشہور تھا۔ فرخ سیر نے اپنے حمایتیوں کے منسوب سے اسے دیوان تن و خالصہ کے عہدے پر مقرر کیا اور اپریل 17 17 میں اسے چار ہزار کا منصب دیکر کشمیر کے غائبانہ صوبے دار کا عہدہ دید۔

اس زمانے کے انتظامیہ کے ڈھانچے میں مالگنداری کے معاملات میں عبداللہ خاں کے اختیار و اثر کو دھیان میں رکھتے ہوئے عنایت اللہ نے وزیر کے مشورے کے بغیر دیوان تن کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کچھ دنوں بعد اخلاص خاں کی کوششوں سے یہ سمجھوتہ ہوا کہ عنایت اللہ خاں مالگنداری کے معاملات میں وزیر عبداللہ خاں کے صلاح و مشورے کے بغیر کسی بھی تجویز کو منظور نہیں کرے گا وزیر بھی اس بات کے لیے متفق ہو گیا کہ وہ ہفتہ میں ایک یا دو بار دیوان خاص میں بیٹھے گا اور وزارت کا سارا کام رتن چند پر نہیں چھوڑے گا اس سے پہلے عبداللہ خاں قلعے کے دیوان خاص میں چار پانچ ماہ سے نہیں گیا تھا۔

حقیقت میں سمجھوتہ صرف دکھاوا تھا جو حالات کو سدھارنے میں کامیاب نہ ہوا کچھ وقت کے بعد پالیسی سے متعلق متضاد خیالات کی وجہ سے کشمکش پھر شروع ہو گئی۔ اورنگ زیب کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے عنایت اللہ خاں نے مکہ کے شریف کا ایک خط پیش کیا جس میں جزیہ کو شرع کے مطابق واجب بتایا گیا تھا۔

اس کے بعد جاگیر وادار منصبوں کی آمدنی کی جانچ پڑتال کر کے عنایت اللہ خاں نے کچھ لوگوں کے منصب اور جاگیریں چھیننے یا کم کرنے کی تجویز رکھی اس نے یہ الزام لگایا کہ ہندو، بھڑے اور کشمیری زور زبردستی و چالاکی سے اپنی اوقات سے زیادہ منصب حاصل کیے ہوئے ہیں اور سیر حاصل جاگیروں پر قبضہ کیے ہوئے ہیں کہیں لوگ چاہے وہ دیوانی اور بخشی کے دفتر سے متعلق ہوں یا خانہ سالانہ کے دفتر سے، منصب دار بن گئے ہیں اور انھوں نے جاگیریں حاصل کر لی ہیں اور پرانے خاندان کے لوگوں کے سر پر خاک پڑ گئی ہے۔

ممکن ہے ان تجاویز کے پیچھے عنایت اللہ خاں کا مقصد انتظام میں غیر اصولی اور بد انتظامی کو ختم کرنا تھا لیکن اس کا نتیجہ دوسرا ہی ہوا جزیہ دوبارہ لگانے کی تجویز سے ہندو ناراض ہو گئے دوسری تجویز بھی درمیانی طبقے کے عہدیداروں کے خلاف تھی جن میں ہندوؤں اور ہندوستانی مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے ان لوگوں نے ان دونوں تجاویز کی مخالفت کی رتن چند کی مخالفت کی وجہ سے عبداللہ خاں نے بھی ان اصلاحات کی منظوری نہیں دی اس طرح عنایت اللہ خاں

کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا۔ خفی خاں لکھتا ہے کہ اس کے بعد ہندو عنایت اللہ خاں کے دشمن ہو گئے اور ہر طرح سے اس کی مخالفت کرنے لگے۔^{۱۳۵}

عنایت اللہ خاں کی تجاویز کی مخالفت کرنے سے عبداللہ خاں کو دفتروں کے حاکموں اور ہندوؤں کی حمایت حاصل ہوئی اس وقت سے ہی سید برادران ہندوؤں اور ہندوستانیوں کے حمایتی بنے جانے لگے پھر بھی یہ کہنا مشکل نہیں کہ کشمکش ہندوستانیوں اور مغلوں کے مابین تھی یہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ سیدوں نے اعلیٰ عہدوں پر اپنی یا کسی خاص طبقے یا گروہ کی اجارہ داری قائم کرنے کی کوشش نہیں کی اس کے برخلاف انھوں نے پرانے امیروں کا تعاون حاصل کرنے اور انھیں خوش رکھنے کے لیے اعلیٰ عہدے دیئے۔ ذاتی مفادات کی حفاظت کے لیے کی گئی دربار کی گروہ بندی نے اب آگے بڑھ کر ایک سیاسی کشمکش کی شکل اختیار کر لی۔ یہ گروہ ذات یا مذہب کی بنیاد پر نہیں تھے۔ سیاسی نقطہ نظر سے اہم سوال یہ تھا کہ راجپوتوں کے برابر جاؤں اور مراٹھوں کو اعلیٰ منصب وغیرہ دیکر حکومت کا وفادار بنانے کی کوشش بہتر ہے یا نہیں۔ یہ سوال کوئی نیا نہیں تھا اورنگ زیب کے سامنے بھی یہ سوال تھا اورنگ زیب کے دور حکومت میں اور اس کی وفات کے بعد شاہی فوجوں کے عزت و احترام کو کافی ٹھیس پہنچی تھی کیونکہ مراٹھوں اور کچھ حد تک جاٹ اور سکھوں نے بھی گوریلا طریقہ جنگ کو اپنا لیا تھا جس سے فیصلہ کن جنگ ناممکن ہو گئی تھی۔ بغل شہنشاہیت کی اتحاد و استحکام میں بھی گراوٹ آگئی تھی ان حالات میں اور دربار میں مخالف گروہوں کی کارروائیوں کی وجہ سے سید برادران نے مراٹھا اور جاٹوں کے ساتھ صلح کرنے کی کوشش شروع کر دی سیدوں نے یہ محسوس کیا کہ ہندوؤں کی تائید حاصل کرنے کے لیے مذہبی خیر سگالی ضروری ہے انہیں ہندو اور دھرم کی پالیسیوں کے حمایتی گروہ بننے کی ان پالیسیوں کی مخالفت کی۔ ان پر شرع کے مطابق کام نہ کرنے اور ہندوؤں کے حق میں ہونے کا الزام لگایا اور اس طرح مذہب خطرے میں پڑنے کے نعرے کو پھر سے بلند کیا اس گروہ نے اورنگ زیب کی پالیسی کی دھیان دیتے ہوئے کو صحیح و مناسب مانا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیدوں کی پالیسی حقیقت میں اکبر کی آزاد خیالی اور خیر سگالی

کی پالیسی پر قائم تھی۔ وہ ایک ایسی حکومت کا تصور کرتے تھے جس میں تمام عناصر کا تعاون ہو بر خلاف اس کے ان کے مخالفین اورنگ زیب کی دقیا نوس پالیسی کو واپس لانا چاہتے تھے اور مغلوں اور مسلمانوں کے مخصوص اختیارات کو بنائے رکھنا چاہتے تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسئلے کے بنیادی پہلو اور اس کی گہرائی کو ان دونوں نے اچھی طرح سے پرکھ لیا تھا دونوں کے لیے اختیارات حاصل کرنے کا سوال اہم اور اس دور کا اہل معاملہ حصول اختیار کے لیے دونوں اپنے اپنے اصولوں کو اپنے مقصد کے مطابق تبدیل کرنے کو تیار تھے جو آگے آنے والے صفحات میں اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

سید و مرہٹا معاہدہ

دربار کی گروہ بندی اور حصول اختیارات کی کشمکش نے مراٹھوں سے متعلق سیدوں کی پالیسی کو واضح طور پر متاثر کیا۔ 1715 میں حسین علی جب دکن میں صوبے دار ہو کر پہنچا اس وقت حکومت کی مخالفانہ کارروائیوں سے دکن میں بدظنی اور افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ ابتداءً حسین علی خاں نے نظام الملک کی پالیسی کو جاری رکھتے ہوئے مراٹھوں کی چوتھ اور سردیش مکھی کے مطالبے کو نامنتظر کر دیا۔ مغل سلطنت میں مراٹھوں کے حملوں اور لوٹ مار کو روکنے کے لیے حسین علی نے فوجی مہمات شروع کیں۔ لیکن وہ مراٹھوں کی کارروائیوں کو روکنے میں ناکام رہا اس کی وجہ یہ تھی کہ مراٹھا سپاہی ہمیشہ چھاپہ مار جنگ کرتے تھے شاہی حملے کے وقت وہ اپنے علاقوں کو چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور شاہی افواج کے لوٹے ہی دوبارہ ان پر اپنا تسلط قائم کر لیتے تھے فرخ سیر کی پالیسی کی وجہ سے حالت اور بھی نازک ہو گئی بادشاہ نے مراٹھ سرداروں اور جاگیرداروں کو اس مطلب کے خطوط لکھے کہ وہ دکن کے صوبے دار حسین علی کی مخالفت کریں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیجا پور، حیدر آباد اور کرناٹک میں حسین علی کا تسلط عام طور سے نہیں کے برابر ہو گیا 16 اس حالت میں حسین علی خاں نے شکر اجمی بھار کی مدد سے مراٹھوں کے ساتھ صلح کی بات چیت شروع کی فروری 1718 میں حسین علی خاں اور ساجو کے مابین معاہدہ ہوا مغلوں اور مراٹھوں کے تعلقات کے بڑھنے میں اور مراٹھوں کے

عروج میں یہ معاہدہ اہم ہے۔ اس معاہدہ میں حسین علی کا خاص مقصد مراٹھوں کا فوجی تعاون حاصل کرنا تھا۔ اس لیے مراٹھوں کو دکن کی چوتھ و سرودیش مکھی دینے کے ساتھ ہی ساتھ یہ طے کیا گیا کہ 1500 مراٹھے گھوڑ سوار دکن کے صوبے دار کی خدمت کریں گے۔ کچھ بیواؤں کے ساتھ ساہو کو شیشوا جی کی آزاد حکومت دیدی گئی۔ دکن کے چھ صوبوں سے چوتھ و سرودیش مکھی وصول کرنے کے مطالبے کو بھی مان لیا گیا۔ برار، گوند وانہ و کرناٹک میں مراٹھوں کے ذریعہ مفتوحہ علاقے بھی ساہو کو دیدیے گئے۔ ان کے بدلے میں ساہو نے دس لاکھ روپے پیش کش کی شکل میں دینا منظور کیا لیکن سمجھوتہ کی سب سے اہم شرط یہ تھی کہ ساہو نے پندرہ ہزار 1500 گھوڑ سوار مغل صوبہ دار کے کنٹرول میں رکھنا منظور کر لیا۔ اس نے صوبے کو پھر سے بسانے اور مجرموں کو سزا دینے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی منظور شدہ محصولات کے علاوہ دوسرے کسی بھی قسم کے نئے محصول کو وصول کرنے پر روک لگا دی گئی خاص کر زراہداری وصول کرنے پر پابندی لگا دی گئی 17

معاہدے کی کچھ شرطیں واضح طور پر حکومت کے مفاد کے خلاف تھیں حسین علی نے مراٹھوں کی چوتھ و سرودیش مکھی کے مطالبے ہی کو منظور نہیں کیا جسے منظور کرنا لازمی ہو گیا تھا، بلکہ انھیں اپنے عاملوں کے ذریعہ خود محصول اکٹھا کرنے کا اختیار دیکر سلطنت میں دو عملی قایم کر دی۔

معاہدے کی شرطیں حسین علی نے رسمی منظوری کے لیے بادشاہ کو بھیجیں لیکن فرخ سیر اپنے ہی خلاف کیے گئے اس معاہدے کو منظوری دینے کے لیے تیار نہیں تھا اور نہ ہی اس سے یہ امید کی جاسکتی تھی۔ حکومت کے بہت سے خیر خواہوں نے بھی بادشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ مالگذاری و انتظام میں اپنے بدترین دشمن کو حصہ دار مان لینا ٹھیک نہیں۔ اس لیے فرخ سیر نے اس معاہدے کو نامنظور کر دیا لیکن ساہو نے بادشاہ کی منظوری کا انتظار کیے بغیر ہی اپنے عاملوں کے ذریعہ چوتھ و سرودیش مکھی وصول کرنا شروع کر دیا۔ معاہدے کے مطابق اس نے ستتو جی، پراسا جی بھونسلے اور بالاجی پیشوا کی قیادت میں دس ہزار مراٹھا سوار حسین علی خاں کے پاس بھیج دیئے 18

مراٹھا اور حسین علی کے مابین ہوئے معاہدے نے فرخ سیر کی حالت کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا۔ سید مراٹھا سمجھوتے سے پیدا ہونے والی حالت پر قابو پانے کے مقصد سے 17 17 میں فرخ سیر نے محمد امین خاں کو مالوہ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اس کا رروائی کا خاص مقصد حسین علی کا شمالی ہندوستان کی جانب آنے سے روکنا تھا۔ اسی طرح دکنی ہندوستان میں حسین علی کے اثر کو کمزور بنانے کے لیے فرخ سیر نے اس کے شمالی صوبے (برہانپور وغیرہ) میں بہت سے نئے تقرریں جہاں نثار خاں کو برہان پور کا صوبہ دار اور ضیاء الدین خاں ایرائی کو دیوان مقرر کیا۔ جلال الدین کو برہان پور کا دیوان اور فضل اللہ خاں کو برہان پور کا بخشی تعینات کیا گیا۔ فرخ سیر کی ان کارروائیوں کی وجہ سے دکن میں یہ افواہ کافی پھیل گئی کہ بادشاہ نے حسین علی کے خلاف جنگ چھیڑ دی ہے جہاں نثار خاں نے حسین علی کے باپ کے ساتھ بگڑی بدلی تھی اس لیے اس نے حسین علی سے سمجھوتہ کر لیا۔ ضیاء الدین ایک قابل آدمی تھا۔ حسین علی نے اسے دکن کے دیوان کا عہدہ تو دیدیا لیکن حقیقت میں اسے کوئی اختیار نہیں دیا۔ دوسرے لوگوں کو ان کے عہدوں پر تعینات کرنے سے اس نے صاف انکار کر دیا اس لیے فرخ سیر کا یہ منصوبہ بھی ناکام رہا۔ اس کے بعد فرخ سیر نے کچھ پرانے امیروں کو متحہ کرنے کی ٹھانی جن کے تعاون سے سیدوں پر نگرانی رکھی جاسکے۔ اس نے 17 18 کے اگست و ستمبر میں جو دھپور سے اپنے خسراجیت سنگھ کو مراد آباد کی فوجداری سے نظام الملک کو اور بہار کی صوبہ داری سے سر بلند خاں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم بھیجا ان میں سے ہر ایک کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ اپنے ساتھ بڑی تعداد میں اپنی فوجیں لائیں اس کے پیچھے اس کا مقصد ایک عظیم لشکر اکٹھا کرنا تھا لیکن فرخ سیر اس منصوبہ میں بھی کامیاب نہ ہو سکا اسے اور اس کے مصاحبوں کو اس بات کا ڈر تھا کہ اگر ان طاقتور امیروں کے تعاون سے سیدوں کو ہٹا دیا جائے تو ان امیروں کے اثر سے آزاد ہونا اور بھی مشکل ہو جائے گا۔ اس لیے فرخ سیر نے اپنے نئے معتمد محمد مراد کشمیری کو وزیر کے عہدہ کے لیے منتخب کیا۔ اس نرقی سے دوسرے امیر بادشاہ سے بہت زیادہ ناراض ہوئے بغیر سوچے سمجھے بادشاہ نے نظام الملک و سر بلند خاں کو اور بھی ناخوش کر دیا۔ اس نے سر بلند خاں کو بہار کی صوبہ داری سے ہٹا دیا اور اس کے بدلے کوئی مناسب

عہدہ بھی نہیں دیا۔ مراد آباد کی فوجداری بھی نظام الملک سے چھین لی گئی اور اسے ایک صوبے میں تبدیل کر کے محمد راکش میری کو دیدیا گیا عبداللہ خاں نے اس حالت کا پورا فائدہ اٹھایا اس نے سر بلند خاں کو کامل اور نظام الملک کو بہار کی صوبہ داری دینے کا وعدہ کیا اور اس طرح انھیں اپنا طرفدار بنالیا۔ اسی درمیان مالوہ میں حسین خاں کو روکنے میں اپنے کوناہل سمجھ کر محمد امین خاں مالوہ سے دلی لوٹ آیا بادشاہ نے غصے میں آکر اس کا منصب چھین لیا اور اسے برطرف کر دیا لیکن عبداللہ خاں کی مداخلت سے اس کا منصب لوٹا دیا گیا اس طرح ایسے لوگوں کو جو اعلیٰ عہدوں کے خواہش مند تھے، عبداللہ خاں کے لالچ و دلچیر اپنی طرف ملا لیا اجیت سنگھ پہلے ہی سے سیدوں کا طرفدار تھا۔ گجرات میں غاصبانہ و ظالمانہ کاموں کا الزام لگا کر فرخ سیر نے اسے گجرات کی صوبہ داری سے ہٹا دیا تھا جس سے وہ بادشاہ سے اور بھی ناراض ہو گیا تھا۔¹⁹

اس لیے 1718 کے اوائل تک فرخ سیر تقریباً اکیلا رہ گیا اب صرف جے سنگھ اس کا حامی تھا پرانے امیروں میں سے زیادہ تر با اثر لوگ جیسے امین خاں نظام الملک اور سر بلند خاں وغیرہ کا یقین بادشاہ کی جانب سے ختم ہو گیا تھا اور انھوں نے یا تو سیدوں کا ساتھ دینا شروع کر دیا تھا یا غیر جانبدار رہنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ موجودہ حالات میں سیدوں کے سامنے تین ہی راستے تھے اول فرخ سیر کو ہٹا کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دینا جیسا کہ سلطنت کے دور میں ہوتا تھا۔ دوسرے فرخ سیر کو ہٹا کر خاندان تیمور کے کسی دوسرے شاہزادے کو تخت نشین کرنا جو ان کی خواہشات کے مطابق کام کرے سوم فرخ سیر کو گدی پر بنائے رکھنا لیکن اس کے ساتھ اختیار ات چھین کر اپنے ہاتھ میں لے لینا پہلے راستے کے بارے میں سیدوں نے شاید کبھی سوچا نہیں تھا اور اگر کبھی سوچا بھی ہو تو اسے عملی طور پر نہیں سوچا۔ ایک ہوشیار سیاست داں ہونے کے ناطے عبداللہ خاں نے تیسرے راستے کے حق میں ہی کام کیا ایک ہم عصر مورخ کے مطابق وہ فرخ سیر کے ساتھ ویسا ہی تعلق رکھتا تھا جیسا مہتاب خاں نے جہاں گیر کے ساتھ قائم کیا تھا دوسرے الفاظ میں اسے اپنے پورے قبضے میں رکھنا چاہتا تھا اس طرح قانونی

حکمرانوں کو ہٹائے بغیر ہی وہ مکمل حکمرانہ اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہتا تھا۔
 عبداللہ خاں نے 1718 کے شروع میں حسین علی کو عیلت کے ساتھ فوراً
 شمالی ہندستان آنے کو لکھا ستمبر 1718 کے شروع میں فرخ سیر نے میر جیلہ کو
 لاہور سے بلایا فرخ سیر کی کارروائی حسین علی کے ساتھ کیے گئے معاہدے کے
 خلاف تھی اس طرح حسین علی کو دلی آنے کا بہاد مل گیا اکتوبر 1718 میں حسین علی
 دلی کی جانب روانہ ہو گیا۔ برہان پور پہنچنے پر پیشوا بالاجی وشوونا تھ دس ہزار
 10000 گھوڑ سواروں کے ساتھ حسین کے ساتھ مل گیا اس طرح دونوں کی
 مشترکہ افواج کی تعداد پچیس ہزار 25000 گھوڑ سواروں اور دس ہزار
 10000 پیادہ ہو گئی بادشاہ کی اجازت کے بغیر دسے جانے کے لیے حسین علی نے یہ
 بہانہ نکالا کہ اسے شاہزادہ اکبر کے اس لڑکے کو جسے سمبھا جی کے دربار میں چھوڑ دیا گیا
 تھا اور جسے سامونے لوٹا دیا ہے از خود دلی پہنچانا ضروری ہے²⁰

اپنی عیلت پسند اور جذباتی عادت کی وجہ سے حسین علی نے شروع سے ہی
 فرخ سیر کو گدی سے ہٹانے کی ٹھان لی تھی۔ دلی پہنچنے تک اس نے یہ فیصلہ اپنے
 قریبی لوگوں تک ہی محدود رکھا حسین علی ایک آزاد حکمران کی طرح تقارہ بجاتے
 ہوئے دلی میں داخل ہوا اس کا یہ برتاؤ شاہی شان کے خلاف تھا حسین علی نے
 یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ اب وہ بادشاہ کے خدمتگاروں میں نہیں ہے اس کا
 کہنا تھا ”مجھے شاہی ناراضی اور اپنے منصب کے خاتمے کی پرواہ نہیں میں اپنے
 خاندان و قوم کی عزت قائم رکھوں گا“²¹

فرخ سیر کے لیے کیا پالیسی اپنانی چاہئے اس معاملے کو لے کر حسین علی اور عبداللہ
 خاں میں اختلاف رائے شروع ہو گیا۔ 19 فروری کو حسین علی، اجیت سنگا اور سیم سنگھ
 ہار کے درمیان صلاح و مشورہ ہوا یہ طے کیا گیا کہ حسین علی کے دربار میں پہنچنے اور
 قیدی شہنشاہ کو اسے سپرد کرنے سے پہلے سید داروغہ، دیوان خاص و میر آتش
 ان دونوں عہدوں کا مطالبہ کریں اس کے علاوہ سیدوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ
 جے سنگھ کو امیر چلے جانے کی اجازت دی جائے، قلعہ کے اعلیٰ عہدوں پر جیسے
 داروغہ خواصان وغیرہ ان کے ذریعہ تجویز کیے گئے لوگوں کو مقرر کیا جائے اور بادشاہ

کے روبرو حاضر ہونے کے وقت قلعہ پر سیدوں کے سپاہیوں کا کنٹرول ہو۔ فرخ سیر نے سیدوں کے ان سب مطالبوں کو منظور کر لیا ہے سنگھ کو امیر جانے کی اجازت دیدی گئی داروغہ دیوان خاص، میر آتش، داروغہ خواصان، داروغہ بلو اور ناظر حرم وغیرہ سب عہدوں پر سیدوں کے ذریعہ نامزد کیے گئے لوگوں کو مقرر کر دیا گیا لیکن فرخ سیر نے یہ شرط رکھی کہ پرانے عہدیدار جیشن نور ورتک جو ایک ماہ بعد تھا اپنے عہدوں پر قائم رہیں گے۔

22 فروری کو حسین علی نے بادشاہ کے روبرو حاضری دی اس وقت قلعہ کی سبھی خاص جگہوں پر سیدوں کے سپاہی تعینات تھے لیکن اس حاضری سے حالات میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا اور کشیدگی کا خلا پہلے جیسا بنا رہا ساتھ ہی خصوصی عہدوں پر سیدوں کے ذریعہ نامزد کیے گئے لوگوں کے تقریباً ایک ماہ کی تاخیر کرنے کی تجویز سے بادشاہ کی جانب شک و شبہ اور بھی بڑھ گیا اس لیے سیدوں نے معاہدے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ 26 فروری 1719 کو علی اللہ خاں اور فرخ سیر کے درمیان کشیدہ ماحول میں بات چیت ہوئی۔ مذاکرات کے دوران فرخ سیر نے عبداللہ خاں کو گالیاں دیں اس کے بعد وہ اپنے حرم میں چلا گیا اس کے بعد عبداللہ نے بادشاہ کے طرفدارشہی محافظوں کی ٹھکڑی کے سپاہیوں کو قلعہ سے نکال دیا اور قلعہ پر اپنا قبضہ اور مضبوط کر لیا۔

ان حالات کے بعد بھی عبداللہ خاں اس بات کے حق میں تھا کہ فرخ سیر کو تخت سے نہیں ہٹایا جانا چاہئے اس کی وجہ یہ تھی کہ اسی وقت تک سبھی اہم عہدوں پر سیدوں کے ذریعہ نامزد کیے گئے لوگوں کا قبضہ عام طور سے قائم ہو چکا تھا اس لیے عبداللہ خاں نے فرخ سیر کو بار بار یہ پیغام بھیجا کہ وہ ان کے مخالفین کو قلعہ سے نکال دے لیکن فرخ سیر نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اسی وقت شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ اہمیت سنگھ اور محمد امین خاں وغیرہ امیروں نے مل کر سید برادران کو قتل کر دیا ہے نتیجے میں بہت سے امیر بادشاہ کی طرفداری کرنے کے لیے جمع ہونے لگے حسین خاں کے مراد تھا سپاہی امین خاں کے سپاہیوں سے بھڑکے جس سے شہر میں حالت کافی کشیدہ ہو گئی دلی میں مراد ٹھوں کے لیے شہری عوام

نے بغاوت کردی حالانکہ اس کے بارے میں فارسی مصنفین نے مراٹھا سپاہیوں کی بڑی ہنس اڑائی ہے حقیقت یہ ہے کہ دلی کی گلیوں میں کسی فوج کا عوام کی بغاوت کو دبانا آسان نہیں تھا آخر میں پندرہ سو 1500 یا دو ہزار 2000 مراٹھا سپاہیوں کے مارے جانے اور ستاجی وغیرہ ان کے کئی سرداروں کے قتل کے بعد مراٹھا سپاہیوں کو شہر چھوڑنے کے لیے مجبور ہونا پڑا جو جی نقطہ نظر سے یہ مظاہرہ اہم نہیں تھا تو بھی اس سے شاہی خاندان کے لیے عوام کا اعتقاد وضع ہو گیا اس لیے سید آخری فیصلہ کرنے میں زیادہ دیر نہیں کر سکتے تھے انھیں خاص طور سے یہ خوف تھا کہ بے سنگھ جو دہلی سے صرف 40 کوس کے فاصلے پر 2000 دو ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا واپس نہ لوٹ آئے²²

باشم علی خاں، اخلاص خاں اور محمد امین خاں نے حسین علی کے ساتھ صلاح مشورے میں فرخ میر کو تخت سے ہٹا دینے کی رائے دی۔ محمد امین یہ رائے کئی دن پہلے ظاہر کر چکا تھا دوسرے امیر خاص طور سے خان دوراں اور فرخ میر کے خسر اجیت سنگھ نے بھی یہی مشورہ دیا²³ اس لیے حسین علی نے عبداللہ کو خط لکھ کر مطلع کیا کہ وہ خود قلعہ سے باہر آجائے اور قلعہ کا انتظام اسے (حسین علی) کے حوالے کر دے۔ اس وقت تک فرخ میر نے حرم سے باہر نکلنے اور اپنے حمایتیوں کو عہدوں سے برخاست کرنے کی تجویز کو منظور نہیں کیا تھا اس لیے عبداللہ خاں کے سامنے حسین علی کے مشورے کو قبول کرنے کے بجائے کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا اس لیے افغان سپاہیوں کا ایک دستہ حرم میں بھیجا گیا فرخ میر کو گھسیٹ کر حرم سے باہر لایا گیا اور اسے اندھا کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ رفیع الدرجات جس کی عمر 20 سال کی تھی اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا کچھ دن بعد 29 اپریل 1719 کو فرخ میر کا ہیما نہ قتل کر دیا گیا اور اسے ہمایوں کے مقبرے کے تہ خانے میں دفن کر دیا گیا۔

عبداللہ خاں نے حسین علی کے ان اقدامات کو نامناسب بتایا اور جلد بازی کے لیے اپنے بھائی کو الزام دیا فرخ میر نوٹامدی اور کینے لوگوں کو پسند کرتا تھا جس کی وجہ سے پرانے امیروں نے سیدوں کو ان کے عہدوں سے ہٹا۔ نے میں

فرخ سیر کا ساتھ نہیں دیا۔ فرخ سیر کو عہدے سے برطرف کر کے سیدوں نے پرانے امیروں کے خلاف اپنی حفاظتی تدابیر کو ختم کر دیا۔ سیاسی، اقتصادی و انتظامی مسائل جو گزشتہ کچھ زمانے سے چلے آ رہے تھے گروہ بندی و انتظامی گٹھڑی کی وجہ سے اور بھی خطرناک ہو گئے تھے۔ سیدوں کو ان سبھی مسائل کا حل تلاش کرنا تھا۔ سیدوں کا اپنے اثر کو قائم رکھنا اس بات پر منحصر تھا کہ وہ پرانے امیروں کا تعاون حاصل کریں اور مراٹھا، راجپوت، جاٹ وغیرہ کے مختلف مسائل کا جو پہلے سے چلے آ رہے تھے مناسب حل تلاش کر سکیں۔

اس طرح سید برادران کو فرخ سیر کو تخت سے برطرف کرنے کے بعد اور بھی مشکل مسائل کا سامنا کرنا تھا۔

سید برادران اور نئی وزارت

فرخ بیگ کو معذول کرنے اور دوسرے شہنشاہ کو تخت نشین کرنے کے بعد سید برادران نے ان تمام عہدوں پر اپنے نامزد کردہ افراد کو متعین کیا جن کے وسیلہ سے شاہ کا قرب حاصل ہو سکتا تھا۔ دروغہ، دیوان خاص، دروغہ غسل خانہ، ناظر حرم اور حتیٰ کہ خواجہ سرا اور شہنشاہ کے ملازم خاص بھی سید برادران کے منتخب شدہ تھے۔ سید بہت خان بارہ کو شہنشاہ کا اتالیق مقرر کیا گیا اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے حکم کے بغیر شہنشاہ کو کھانا تک بھی پیش نہیں کیا جاسکتا تھا۔ شہنشاہ کسی امیر سے اس وقت تک نہیں مل سکتا تھا جب تک اس کا اتالیق یا سید برادران میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ جب بھی شہنشاہ نماز عوامی دعا یا شکار کے لیے جاتا تو سادات بارہ کی ایک نمائندہ جماعت اسے نرغہ میں لیے رہتی۔ اس طرح شہنشاہ کی شخصی آزادی ختم ہو چکی تھی اور شہنشاہ تک پہنچنا بغیر سید برادران کے توسط کے ممکن نہ تھا۔ اس کی ضرورت خاص طور پر اس لیے تھی کہ سید برادران کی طاقت کا انحصار صرف اس پر تھا کہ شہنشاہ کی ذات پر ان کا تصرف قائم رہے۔

یہ صورت حال 11 جون 1719 تک قائم رہی جب تک کہ رفیع الدولہ رفیع الدیجات کے دق کی بیماری سے فوت ہو جانے کے بعد منصب پر فائز ہوا۔ لیکن رفیع الدولہ بھی اسی بیماری کا شکار ہوا اور 28 ستمبر 1719 کو سید برادران نے بہادر شاہ کے سب سے چھوٹے بیٹے جہاں شاہ کے بیٹے محمد شاہ کو تخت نشین کیا۔ محمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد ان کے اقتدار میں معمولی سی کمی آئی اور خاندانی دربان اور ملازمین خاص کو ان کے سابقہ عہدوں پر بحال کر دیا گیا۔ لیکن اب بھی مصالح ملکی میں شہنشاہ کو کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔

ان عہدوں میں تبدیلی کے علاوہ جن کے ذریعہ شاہ کا قرب حاصل ہو سکتا تھا سید برادران ممتاز حکومت کے رد و بدل کی پالیسی سے تقریباً دست کش ہو گئے۔ صوبوں میں گورنر اور دوسرے عمال حکومت کو ان کے سابقہ عہدوں پر بحال کر دیا۔ پالیسی کی یہ تبدیلی نظم و نسق بحال کرنے کے لیے ضروری تھی تاکہ قدیم امرا سید برادران کے اقتدار کو انگیزہ کر لیں اور پھر سہولت کے ساتھ مرکزی طاقت ان کے ہاتھوں میں آجائے۔

دربار میں فرخ سیر کے مقربین مثلاً محمد مراد کشمیری، ابن الدین سنبھلی، غازی الدین احمد بیگ اور شہنشاہ کے اقربا جیسے سعادت خاں اور شاستہ خاں وغیرہ کی جائیداد اور منصب ضبط کر لیے گئے لیکن بہت سے دوسرے امرا کی جائیدادوں کو ضبط نہیں کیا گیا۔ کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ بلکہ شہنشاہ کے مقرب مساصین مثلاً خان دوران اور میر جلد کی جاگیر اور منصب برقرار رہے اور انھیں عہدے بھی دیے گئے۔ عام طور سے سید برادران نے ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ابن خاں بخشی دوم کے عہدہ پر برقرار رہے ایک دوسرے تورانی روشن الدولہ ظفر خان کو بخشی سوم کے عہدہ سے سرفراز کیا گیا یہاں تک کہ کفایت اللہ خاں جس کی پالیسی سے سید برادران کو سخت اختلاف تھا خان من اور (خدمات معاف) اکٹبر کے گورنر کے عہدہ پر برقرار رہنے دیا۔ صدر کا عہدہ ایک قدیم عالمگیری امیر امیر خاں کو اور پھر میر جلد کو دیا گیا۔ حکومت کے دوسرے بڑے عہدے اور دکن کے والسرائے کے عہدہ کے علاوہ جو سید برادران کے پاس 1715 سے تھے یا ان جگہوں کے علاوہ جن سے شہنشاہ کا قرب حاصل ہو سکتا تھا اہل بارہ یا سید برادران کے ذاتی ملازمین یا متوسلین کو صرف اگر دیا لا آباد کی صوبہ داری یا مراد آباد کی فوج داری دی گئی۔

سید برادران کو ابھی اپنی قوت کو مستحکم کرنا تھا۔ اس کے لیے سب سے پہلے تو یہ ضروری تھا کہ سلطنت کے ہر حلقہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیا جائے تاکہ مخالفین ایک مرکز پر متحد نہ ہو سکیں۔ دوسرے یہ کہ اپنی قوت کو برقرار رکھنے اور امرار کی متوقع مخالفت کا مقابلہ

کرنے کے لیے ایک ایسا مضبوط حلقہ قائم کیا جائے جو ان کا معاون و مددگار ہو۔

سید برادران کے خلاف بغاوتوں کا آغاز

سیدوں کی مصالحہ دپالسی کے باوجود ان کی قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت جلد دو مرکز قائم ہو گئے۔ ایک آگرہ میں اور دوسرا الہ آباد میں۔ آگرہ میں منتر سین نامی ایک زمانہ ساز شخص نے علم بغاوت بلند کیا جس کا بنیادی مقصد سلطنت کی بگڑی ہوئی حالت سے فائدہ اٹھا کر دولت کمانا اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنا تھا اس کے حصول کے لیے انھوں نے تیور خاندان کے ایک شریف نوجوان نیکو سیر کو جو آگرہ کے قلعہ میں مقید تھا، شہنشاہ بنادیا۔ خود ان باغیوں کے پاس مطلق تھی اور ان کی کوئی اہمیت تھی۔ لیکن سیدوں کو اس کا خوف تھا کہ مخالف قوتیں نیکو سیر کے گرد جمع نہ ہو جائیں۔ یہ افواہ بھی تھی کہ نظام الملک، بے سنگھ اور الہ آباد گورنر جھیلارام ناگر نیکو سیر کی امداد کو آرہے ہیں نیکو سیر کے اعوان و انصار نے امرار، افغانوں اور مقامی زمینداروں سے مدد کی درخواست کی۔ بے سنگھ حقیقت میں امیر سے کئی منزل آگے آگیا تھا اور اگر دسے 80 کوس پر ٹوڈاٹک کے مقام پر حیدر زن تھا۔ فرخ سیر کی معز دلی کے بعد بہت سے امرار مثلاً تقریب خاں شائستہ خاں وغیرہ نے بے سنگھ کے دربار میں پناہ لی تھی اور انقلاب زمانہ کے منتظر تھے۔ اس طرح سیدوں کے خلاف حزب اختلاف کا مرکز امیر بن گیا تھا اس کا بھی خوف تھا کہ بہت سے دوسرے امرار جھوں نے بالکل آخر وقت میں سیدوں کا ساتھ دیا تھا، بے سنگھ کے معاون و مددگار نہ ہو جائیں۔

لیکن بغاوت آگرہ سے آگے نہ بڑھ سکی اور اونچے طبقہ سے کسی قسم کا تعاون نہ مل سکا۔ یہاں تک کہ نظام الملک نے جو مالودہ جاتے ہوئے آگرہ سے گزرا اس نے بھی کسی قسم کی امداد نہ کی منتر سین نے سید برادران اور دوسرے مشہور امرار سے درخواست کی کہ وہ نیکو سیر کو شہنشاہ تسلیم کر لیں۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ خاں اس تجویز کو قبول کرنے کے حق میں تھا لیکن حسین علی نے اسے اپنی ہنک سمجھتے ہوئے انکار کر دیا اور سخت اقدامات کا ہتھیار کر لیا۔

الہ آباد کی بغاوت فرخ سیر کے قدیم خادم الہ آباد کے گورنر جھیلارام کی ذاتی فرات

کا نتیجہ تھی۔ وہ سید برادران کے منصوبوں کی طرف سے مشکوک تھا۔ اس شک کو اس وقت اور تقویت پہنچی جب سید برادران نے اسے الہ آباد سے منتقل کرنا چاہا۔ اور شاہ علی خاں کی سربراہی میں ایک فوج روانہ کی جس کو یہ ہدایت تھی کہ قلعہ پر قبضہ کرے حقیقت میں سید برادران کا چھبیلارام کا اقتدار ختم کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ الہ آباد کا مستحکم قلعہ اس کے قبضہ میں رہنا بھی ان کے خیال میں نہ تھا خاص طور سے اس لیے کہ یہ قلعہ بنگال سے دہلی آنے والے خزانہ کے راستہ کے خلاف پڑتا تھا۔ وہ چھبیلارام کو الہ آباد کی صوبہ داری کے عوض میں اودھ دینے... کو تیار تھے لیکن چھیلارام نے ان کے کسی قول پر اعتبار نہ کیا اور (اگست 17 19) کو اعلانِ علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس کے فوراً بعد ہی چھبیلارام کا انتقال ہو گیا لیکن اس بغاوت کو اس کے پیچھے گر دھر بہادر نے جاری رکھا۔ ان کے اقتدار کے شروع کے چودہ ماہ میں سید برادران کی تمام قوت اور صلاحیتیں ان دو بغاوتوں کی نذر ہو گئیں۔ بھوک اور غذاری کے نتیجے میں تین مہینہ کے محاصرے، محاصرین کی فاقہ کشی اور بعض کی غذاری کے نتیجے میں 12 اگست 17 19ء کو آگرہ فتح ہوا۔ مزید 9 ماہ بعد گر دھر بہادر کے ساتھ جنگ میں اومصالحات کی گفتگو میں صرف ہوئے تب 11 مئی 17 20 کو الہ آباد کے انخلا پر رضامند ہوا۔ قلعہ فتح ہونے کے بعد گر دھر بہادر کو جو مراعات دی گئیں وہ نہ صرف معقول تھیں بلکہ تقریباً وہی تھیں جو اس کی فاضلہ سرگرمیوں سے پہلے پیش کی گئی تھیں۔ اسے اودھ کی گورنری سے متعلقہ جاگیروں کے پیش کی گئی۔ اس کے علاوہ دو یا تین اہم فوجداریاں جن کی اس نے خواہش کی اس کو عطا کی گئیں۔ اس کے علاوہ تیس لاکھ روپیہ بطور انعام مزید دیئے گئے اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ ان مطالبات کی پیش کش کے باوجود گر دھر بہادر نے سید برادران کے قول پر اعتماد کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے معاہدے میں صاف صراحت کی کہ رتن چند کو ضامن بنایا جائے اور وہی اس معاہدے پر عمل درآمد کی ذمہ داری لے۔

سید برادران کے سیاسی مسائل

یہ صورت حال سیدوں کی فوجی طاقت پر منفی طور پر اثر انداز ہوئی۔ سید برادران میں اتنی قدرت نہ تھی کہ وہ طویل فوجی اقدامات برقرار رکھتے ابھیر اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ ہر قدم احتیاط سے اٹھائیں تاکہ فرخ سیر کی معزولی کے لیے جو مشترک قوت رونما ہوئی تھی وہ برقرار رہے اور مستحکم ہو۔ اس کے لیے دو امور کی ضرورت تھی اول سرہٹوں اور راجپوتوں کے ساتھ اتحاد کی توسیع اور استحکام اور دوسرے انگلیری امور کے پیدا کردہ مسائل کا حل۔

سید برادران نے راجپوت اور سرہٹوں کے ساتھ اتحاد کو مضبوط کرنے اور ہندو رائے عام کو عام طور پر ہموار و ہم نوا کرنے کی سرگرم کوشش کی۔ فرخ سیر کی معزولی کے فوراً بعد راج اجیت سنگھ کی خواہش پر جزیہ کو ایک مرتبہ پھر ختم کر دیا گیا۔ مزید خیر خواہی کے اظہار کے لیے اجیت سنگھ کی لڑکی کو جس نے باقاعدہ اسلام قبول کرنے کے بعد فرخ سیر کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنے نئے مذہب کو ترک کر دے اور اپنی تمام دولت املاک لے کر اپنے باپ کے ساتھ گھر واپس چلی جائے۔ یہ حادثہ جس کو خفی خان نے ”نادر الوجود“ کہا ہے دارالحکومت کے مسلمانوں اور خصوصاً ان قاضیوں کو سخت ناگوار گزار جنہوں نے اسلام کو ترک کرنا غیر قانونی قرار دیا۔ لیکن سید برادران نے اس کی کوئی بھی پروا نہ کی۔

جے سنگھ سوانی سید برادران سے ہمیشہ سے مخالفت رکھتا تھا۔ وہ اگرہ کی بغاوت میں شرکت کے لیے امیر سے باہر آگیا تھا۔ اس نے ان چند امور کو جو بغاوت کے ارادہ سے دہلی سے فرار ہو کر آئے تھے پناہ بھی دی۔ اس کے باوجود اجیت سنگھ کی معرفت سید برادران نے اس سے مصالحت کی گفتگو شروع کی۔ آخر کار اگرہ کی فتح کے بعد اور حسین علی کے حملہ کے خوف سے جے سنگھ ٹوڈا تک سے واپس ہو گیا۔ سید برادران نے جے سنگھ کے ساتھ مراعات برتیں اور علاقہ احمد آباد میں سوراخ کی فوجداری سے سرفراز کیا۔ اور ایک خطیر رقم عطا کی۔ اجیر جسے سب

سے اہم صوبہ سمجھا جاتا تھا اور جسے ایک مذہبی حیثیت حاصل تھی اس لیے اس کی صوبہ داری صرف اعلیٰ طبقہ کے امرا کو تفویض کی جاتی تھی لیکن اس کے باوجود یہ عہدہ بھی اجیت سنگھ کو عطا کیا گیا۔ اسی کے ساتھ گجرات کا صوبہ بھی اس کے تصرف میں دے دیا گیا۔ راجہ کو دوسرے اعزازات سے بھی نوازا گیا اور اس طرح وہ پوری سلطنت میں اہم اور طاقتور امرا میں شمار کیا جانے لگا۔ دونوں راجپوت راجہ متحد ہو کر سلطنت کا سب سے زیادہ با اثر عنصر بن گئے۔ اس سے ہندوؤں میں جو خود اعتمادی کی فضا پیدا ہوئی اس کا اندازہ خفی خاں کی اس شکایت سے ہوتا ہے جس میں اس نے کہا "دار الحکومت کے نواح سے نرہدا کے کنارے تک کا فرمانرواں کی مرمت کر رہے ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ ذبیحہ کاؤ بند ہو جائے۔"

سید برادران نے اجیت سنگھ کی معرفت اپنی یہ کوشش جاری رکھی کہ بے سنگھ عملی طور پر ان کے ساتھ شامل ہو جائے! اس کی ایما پر اجیت سنگھ تنویر پور کے مقام پر بے سنگھ سے ملا اور اس کو اپنے ساتھ جو دھپور لے گیا۔ جہاں اس کی آمد پر جشن منایا گیا اور دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد اجیت سنگھ نے اپنی ایک بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ ان اقدامات کے اثرات واضح اور بہتر ہونے لگے۔ اگر سید برادران کچھ دنوں اور برسرِ اقتدار رہتے! اسی زمانہ میں بے سنگھ نے سید برادران کے خلاف نظام الملک کی متحدہ اقدام کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ سید برادران کے ساتھ بھی تعاون کے لیے تیار نہ ہوا اس طرح راجپوتوں کے ساتھ سید برادران کا معاہدہ صرف اجیت سنگھ تک محدود رہا۔

سید برادران نے سرحدیں مکھی اور چوتھ وصول کرنے کی اسناد شاہی دستخطوں سے مرہٹوں کو عطا کی جس کی وجہ سے مرہٹوں کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا، وہ اور مستحکم ہو گیا۔ دکن سے حسین علی کی سرکردگی میں جو مرہٹہ فوجیں دہلی آئی تھیں۔ وہ اسناد لے کر ساہو خاندان کے ساتھ واپس ہو گئیں۔ اس لشکر کے سپاہیوں کی تنخواہیں اگرچہ نسبتاً کم تھیں لیکن شمالی ہندوستان کے لوگ اور خصوصاً ایلہان دہلی ان کو پسند نہیں کرتے تھے اس لیے سید برادران اس لشکر کو ضرورت

سے زیادہ نہیں روکنا چاہتے تھے۔ اگرچہ شمالی ہندوستان میں کوئی مرہٹہ فوجی باقی نہ تھا لیکن دکن میں سید برادران کی ساری طاقت کا انحصار ان ہی پر تھا۔ عالم علی اور حین علی جو دکن میں علی کے نائب تھے شکر جی بلہار کی سرپرستی میں تھے۔ شکر جی بلہار ایک زمانہ میں راجہ رام کا وزیر تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ حسین علی نے عالم علی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کل معاملات میں شکر جی سے مشورہ کرتا رہے اور چونکہ آخر الذکر کا ستارا کے دربار سے خاص تعلق تھا اس وجہ سے یہ شاہو سے اور بھی اچھے تعلقات کی ضمانت تھی۔ سید برادران نے صرف راجپوتوں اور مرہٹوں ہی سے اپنے تعلقات استوار نہیں کیے بلکہ مزید مراعات دے کر چورامن جاٹ کو بھی مقرب اور پاپند بنالیا۔ دہلی سے گوالیار تک کی شاہراہ اس کے سپرد کی گئی۔ اور آگرہ کے خاصرہ میں حصہ لیا اور اس خدمت کے سلسلے میں مزید مراعات دی گئیں۔

مکمل سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے سید برادران نے کسی قسم کی مذہبی یا قومی تفریق روا نہیں رکھی۔ نہ صرف مندرجہ بالا مثالوں سے ثابت ہے بلکہ عالمگیر اور بہادر شاہ کے دور کے امراء کے ساتھ ان کا برتاؤ بھی اس کا مظہر ہے۔ اپنے ساتھ ملانے کے لیے اور نظم و نسق میں ان کا تعلق حاصل کرنے کے لیے ان کے مراتب میں اضافہ کیا۔ انھیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا۔ اس طرح تقریباً تمام قدیم عہدہ داران کو ان کے قدیم عہدوں پر برقرار رکھا گیا۔ نظام الملک کے نام اپنے ایک خط میں عبداللہ خان نے اپنی عام پالیسی کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے: ”ہندستان جیسے عظیم ملک کا نظم و نسق بغیر امراء اور ریاست کے عہدہ داران کے تعاون کے ممکن نہیں یہ ایک فرد واحد کا کام نہیں کیا موجودہ حالات میں میرے لیے یہ بہتر ہوگا کہ میں نے افراد کو (غیر آزمودہ) مختلف منصب پر مامور کروں اور ان پر بھروسہ کروں یا آپ جیسی ہستی کا تعاون حاصل کروں جو ہمیشہ میرے دوست رہے ہیں؟“

اس پالیسی پر عمل پیرا ہونے میں سید برادران کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مثلاً فتح سیر کی معزولی سے پیدا شدہ خوف و شک کی فضا، کچھ قدیم امراء کا حسد جنھیں یہ ناگوار تھا کہ سید برادران نے جو نئے امراء میں سے تھے اتنی طاقت کیوں

حاصل کی، محمد امین خاں اور نظام الملک جیسے افراد کی جاہ کی ہوس جو اپنا اقتدار اور اثر قائم کرنے کے خواہش مند تھے، مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی جاہ کی ہوس اور دونوں بھائیوں کے درمیان ذاتی اور سیاسی معاملات میں بڑھتے ہوئے اختلافات۔

دونوں بھائیوں کے درمیان اختلاف کی بنیاد سیاسی قوت اور فتوحات کی تقسیم تھی۔ ان میں اس پر بھی اختلاف تھا کہ قدیم امرار اور خصوصاً نظام الملک کے ساتھ کس قسم کا طرز عمل اختیار کیا جائے۔ حسین علی نے یہ الزام لگایا کہ عبداللہ خاں نے اپنے محل سے تعلق کا ناجائز فائدہ اٹھا کر فرخ سیر کے دفن شدہ خزانہ اور خاندانی جواہر پر قبضہ کر لیا۔ اس نے اس پر بھی اعتراض کیا کہ عبداللہ خاں نے 200 سے زائد فرخ مشاہی اور دوسرے امرا کی جاگیروں کو حاصل کر کے اپنے اعوان و انصار میں تقسیم کر دیا۔ کچھ عرصہ تک تو دونوں کے درمیان اس حد تک کشیدگی رہی کہ کبھی کبھی جنگ کی بات بھی زبان پر آ جاتی لیکن رتن چند نے دونوں کو تورانی خطرہ سے متذکر کے صلح کرادی۔

اگر وہ کی تسخیر کے بعد مال غنیمت کا زیادہ حصہ حسین علی کو ملا۔ عبداللہ خاں نے دہلی چھوڑنے کے لیے یہ عذر کیا کہ وہ بے سنگھ کی امیر کی طرف پیش قدمی کو روکے گا لیکن اس کا اصل مقصد اس مال غنیمت میں حصہ لینا تھا۔ ایک مرتبہ پھر رتن چند نے مصالحت کرادی۔ لیکن عبداللہ خاں مال غنیمت میں اپنے حصہ سے مطمئن نہ تھا۔ اسی بنا پر دونوں بھائیوں میں سے ہر ایک ذاتی طور پر الہ آباد کی مہم کی سربراہی کرنا چاہتا تھا۔ آخر کار مصالحت اس طرح ہوئی کہ مہم کی کمان رتن چند ہی کے سپرد کی جائے۔ ان تمام اختلافات کے پس پردہ دونوں بھائیوں کے درمیان اقتدار کی کشمکش تھی۔ حسین علی عبداللہ خاں سے زیادہ مستعد تھا اور اس نے بہت جلد حقیقی طور پر اقتدار کے معاملہ میں برتری حاصل کر لی۔ لیکن وہ گرم مزاج اور عجلاء طبیعت کا مالک تھا۔ وہ کوئی فیصلہ کرنے سے قبل صورت حاصل کو پوری طرح پرکھنے میں ناکام رہتا۔ اور کسی بھی مسئلہ کی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتا تھا۔ جیسا کہ خفی خاں کہتا ہے ”حسین علی خود کو حکومت کے انتظامی اور دفاعی معاملات میں اپنے بھائی سے برتر سمجھتا تھا حالانکہ وہ معاملہ کی حقیقت کو سمجھ سکتا تھا اور مصالحت اندیش تھا“

اس کا قیاس یہ تھا کہ اس کے اور اس کے بھائی کے مقربین اور متوسلین میں بہت عمدہ منتظمین ہیں۔ اس کا بیٹا عالم علی جو دکن کا صوبہ دار ہے ایک مستحکم لشکر رکھتا ہے اس لیے نظام الملک کو مالوہ کا صوبہ دار بنانا قرین مصلحت ہے کیونکہ مالوہ دہلی اور دکن کے درمیان واقع ہے۔

اس طرح حسین علی نے اپنی قوت اور استحکام کا غلط اندازہ لگایا اور عبداللہ خاں کی اعتدال پسندانہ پالیسی اور دانش مندی کی قدر کرنے میں کبھی ناکام رہا۔ سید برادران کو آئندہ جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا اس کی ذمہ داری بڑی حد تک حسین علی کی اپنے طاقتور مخالفین کو مغلوب کرنے میں جلد بازی تھی جو ان کے تحت کمانہ رویے اور غیر دانش مندانہ حکمت عملی کا نتیجہ تھی۔ عبداللہ خاں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ نظام الملک کو بہار کا گورنر بنایا جائے جو شرارت پسند اور سرکش زمینداروں کا صوبہ تھا۔ اس صوبہ کے محاصل بہت کم تھے۔ اس طرح عبداللہ خاں نظام الملک کو دربار سے دور رکھنا چاہتا تھا اور ایسی جگہ تقرر کرنا چاہتا تھا جہاں وہ رویہ اور وسائل کی کمی سے پریشان رہے۔ اس کے بعد اس سے صورت حال کے مطابق اچھی طرح نمٹا جا سکتا تھا لیکن حسین علی کے ایما پر یہ تقرر منسوخ کیا گیا اور اس کی بجائے نظام الملک کا تقرر مالوہ میں ہوا۔ نظام الملک نے اس کو سید برادران کے اس وعدہ پر قبول کیا کہ اس صوبہ کو کم از کم طویل عرصہ کے لیے اس سے کسی حالت میں کبھی بھی واپس نہیں لیا جائے گا۔ مابعد 1719ء کو وہ دہلی سے روانہ ہوا اس کے ساتھ اس کا بیٹا مغل خاں اور ایک ہزار سے زائد منصب دار تھے جنہوں نے اس کے ایما پر اپنے خاندان کے افراد کو بھی ساتھ لے لیا تھا اس نے سید برادران کے بار بار اصرار کرنے کے باوجود اپنے بیٹے کو اپنے وکیل کی حیثیت سے دربار میں چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

یہ بات بالکل صاف ہے کہ نظام الملک سید برادران پر اتنا ہی کم اعتماد کرتا تھا جتنا سید برادران اس پر بھروسہ کرتے تھے۔ اور جلد یا بدیر دونوں کے درمیان اقتدار کی کشمکش ناگزیر تھی۔ کیونکہ سید برادران کے لیے نظام الملک کے معاملہ کی حیثیت انفرادی مسئلہ نہ تھی بلکہ کسی حد تک یہ عالمگیری اور بہادر

شاہی دور کے قدیم امراء کا مسئلہ تھا۔ ان امراء میں سے بہت سے اپنے ایرانی اور تورانی نسب پر فخر کرتے تھے حالانکہ ان میں سے زیادہ تر ہندوستان میں کئی نسلوں سے سکونت پذیر تھے اور ہندوستانیوں اور ہندوستانی نژاد مسلمانوں کے مقابلہ میں احساس برتری رکھتے تھے یہ امراء اور خاص طور سے تورانی اپنے آپ کو مغل شہنشاہیت سے منسلک کرنے کی کوشش کرتے تھے اور سیاسی تدبیر کے ساتھ اقتدار حاصل کرنے کو اپنا حق جانتے تھے لیکن یہ طرز عمل جو مغل روایت کے خلاف تھا یاں مغرور امراء اس میں اپنی تصنیف محسوس کرتے تھے کہ حقیر ہندوستانیوں کا ایک طبقہ ان پر غلبہ حاصل کرے۔ ان میں سے اکثر نے راجپوتوں اور مرہٹوں سے سید برادران کے بڑھتے ہوئے اشتراک کی مخالفت کی انھوں نے کوششوں کی بھی مخالفت کی جو ہندو رائے عام کو ہوا کرنے کے لیے جزیہ کو ختم کر لی گئیں۔ اس کے علاوہ ایسے امراء بھی تھے جنہوں نے سید برادران کے اقتدار کو ذاتی جاہ طلبی میں رکاوٹ محسوس کیا۔ ان مختلف فرقوں نے سید برادران کے اقتدار کے سامنے ابھی تک تسلیم خم نہیں کیا تھا بلکہ حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ ان کے خلاف بھرپور قدم اٹھانے کے لیے موقع کے منتظر تھے۔ ان حالات میں سید برادران کے لیے نظام الملک کے خلاف سخت اقدام کرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ قدیم امراء ایسے اقدام کو اپنی بیخ کنی کی پالیسی کا ایک جزو سمجھیں۔ سید برادران خود یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھے۔ دوسرا راستہ صرف یہ تھا کہ نئے اور غیر تربیت یافتہ افراد کو اقتدار سونپا جائے جس سے صرف نظم و نسق کی ابتری کا اندیشہ تھا بلکہ راجپوتوں مرہٹوں اور جاٹوں وغیرہ کو اپنی قوت کو اتوا کرنے کا موقع فراہم کرنا تھا۔

بدقسمتی سے حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ سید برادران کو نظام الملک کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا حالانکہ انھوں نے اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

نظام الملک کی بغاوت اور سید برادران کا زوال

جس وقت سے نظام الملک نے مالوہ کا اختتام سنبھالا تھا برابر یہ خبریں آرہی تھیں کہ وہ ایک گورنر کی ضرورت سے بہت زیادہ لشکر اور سامان جنگ جمع کر رہا ہے اور یہ کہ دکن پر برابر اس کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔ سید برادران کے استفسار پر نظام الملک نے یہ جواب دیا کہ مرہٹے پچاس ہزار سواروں کے ساتھ پورے صوبہ میں جوتبا ہی چماتے ہوئے ہیں اس کو روکنے کے لیے یہ اقدام ضروری ہے۔ اس کے باوجود سید برادران نظام الملک کے عزائم کو مشہرہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کے یہ شبہات بے بنیاد بھی نہ تھے کیونکہ مالوہ سے نظام الملک نے اپنے بیٹے مغل خاں کو بے سنگھ سورتی کے پاس بھیجا تھا تاکہ سید برادران کے خلاف اقدام کے لیے مشورہ کرے۔ سید برادران کو نظام الملک کے خلاف دوسری شکایات بھی تھیں مثلاً نظام الملک نے مرحمت خاں کو ملازمت دی تھی جسے حسین علی نے بانڈو کی قلعہ داری سے اس لیے برطرف کر دیا تھا کہ 1719ء میں جب وہ دہلی جاتے ہوئے ادھر سے گذر رہا تھا تو اس کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا تھا۔ نظام الملک کا مرحمت خاں کو ملازمت دینا سید برادران نے اپنی نافرمانی پر عمول کیا۔ ان کے علاوہ سید برادران کو نظام الملک سے کچھ دیہات کو تباہ کرنے اور کچھ پرگنہ عظیم کے زمینداروں کو ان کی مرضی کے خلاف منتقل کر دینے کی بھی شکایات تھیں۔ انہیں یہ سبھی مشہرہ تھا کہ نیکو سیر کی بغاوت میں بھیمہ نظام الملک کا ہاتھ تھا۔

اس کے باوجود یہ شکایات نظام الملک سے اعلا یہ تصادم کا سبب نہ بنیں اگر دوسری اہم مصلحتیں درمیان میں پیدا نہ ہو جاتیں۔ دراصل حسین علی دکن کے ساتھ ساتھ مالوہ گجرات، اجیر اور آگرہ پر سبھی حکومت کرنا چاہتا تھا اس کے حصول کے لیے وہ مالوہ کو اپنا صدر مقام بنانا چاہتا تھا۔ اس کے دو اسباب تھے اول سید برادران کو مرہٹوں سے خطرہ تھا اور اس لیے دکن کے معاملات پوری طرح اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتا تھا اور یہ دہلی میں بیٹھ

کر ممکن نہ تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ 1719ء میں اس کے دہلی کے دورہ کے موقع پر بالاجی دھوننا تھ کو سا ہونے ہدایت کر دی تھی کہ وہ دولت آباد اور چاندہ کے قلعوں کا ٹیکس وصول کرے، برابر میں پارسو جی بھونسلے کی فتوحات کی توثیق اور چوتھ وصول کرنے کا اختیار حاصل کرے۔ کچھ عرصہ سے مرہٹوں نے گجرات اور مالوہ سے چوتھ وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ ساہو کا استدلال یہ تھا کہ اگر اسے یہ اختیار دیا گیا تو وہ ان سرداروں پر قابو حاصل کر سکتا ہے جنہوں نے خود ٹیکس علیحدہ کرنا شروع کیا تھا تا رہائی نے نظام الملک کے پاس خفیہ طور پر قاصد بھیجے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے دکن کو خفیہ طور پر فتح کرنے کا اور اس زمین کو جو خزانہ اور لشکر سے معمور تھی۔ آزاد کرانے کا منصوبہ بنالیا تھا۔“

سید برادران کو مستار خان دان کی بڑھتی ہوئی جاہ کی ہوس اور نظام الملک کی فتنہ پر دازی سے یہ خطرہ تھا کہ کہیں دکن کا مسئلہ از سر نو تازہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلطنت کو اقتدار کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ شمالی اور جنوبی حصوں پر یکساں توجہ دی جاسکے۔ سلطنت کی اس طرح تقسیم کا مشورہ بھی دولوں بھائیوں میں روز افزوں اختلافات کے پیش نظر تھا۔ سید برادران کا پہلا قدم نظام الملک کو مالوہ سے ہٹانا تھا۔ حسین علی نے نظام الملک کو اگر وہ ’الہ آباد‘ برہان پور یا ملتان میں سے کسی اقطاع کی بھی صوبہ داری قبول کرنے کی پیش کش کی اور اسے یہ یقین دلایا کہ وہ جس صوبہ کو پسند کرے گا اس کی سندا سے بھیج دی جائے گی لیکن مالوہ کی صوبہ داری سے اس قدر جلد ہی علیحدہ ہو جانے پر اسے اعتراض تھا، خصوصاً ان حالات میں کہ فصلیں تیار نہیں اور وہ نہ لگان کا رویہ وصول کر سکا تھا اور نہ وہ رقم جو اس نے زراعت میں لگائی تھی۔ اس پیش کش کے جواب میں اس نے یہ احتجاج کیا کہ اس نے مالوہ کی صوبہ داری اس حکم وعدہ پر قبول کی تھی کہ اسے اس عہدے سے جلد نہیں ہٹایا جائے گا۔ اسی لیے وہ تبادلہ کے اس حکم کو وعدہ خلافی کے مترادف سمجھتا تھا۔ نومبر 1719ء کے قریب حسین علی نے اپنے بخشی دلاور علی ناں کی کمان میں ایک طاقتور فوج کو بوندی کے ایک تنازعہ کو ختم کرنے کے لیے

روانہ کی تھی لیکن اس کو یہ ہدایت بھی کر دی گئی تھی کہ اس کام کو ختم کرنے کے بعد مالوہ کی سرحد پر نظر رکھے دلاور علی... بوندی میں اپنا کام ختم کر کے مالوہ کی سرحد کی نگرانی کرنے لگا۔ اسے ہوشیار رہنے کی ہدایت دی گئی تھی عالم علی کو خطوط بھیجے گئے کہ دکن کی حفاظت سے بے خبر نہ رہے۔ ان تمام پیش بندیوں کے بعد سید برادران نے نظام الملک کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دے کر شاہی نامہ دار بھیجا۔ نظام الملک کے لیے یہ اقدام خلافت توقع نہ تھا کیونکہ محمد امین اور دیانت خاں بار بار اسے متنبہ کر چکے تھے کہ گردھر سپہدار (الہ آباد میں) کے معاملات سے عہدہ برار ہونے کے بعد سید برادران اس کے خلافت کا روانی کا ارادہ رکھتے تھے۔ اسے شہنشاہ اور اس کی والدہ کے خاص بیانات بھی ملے تھے جس میں انھیں سید برادران کی گرفت سے آزاد کرانے کی خواہش کی گئی تھی اس لیے اس نے دربار میں واپسی کے احکامات کی خلافت و رزی کا فیصلہ کیا اور علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس نے دربار... میں حاضری کے لیے اجین کو خیر باد کہا لیکن جنوب کی جانب ملگیا اور مزید عبور کر کے دکن میں داخل ہو گیا۔

دکن میں فوراً برار اور خاندیش کے گورنر نظام الملک کے معاون ہو گئے اسیر گڑھ کا مضبوط قلعہ بغیر ایک قطرہ خون گرانے نہیں ہو گیا۔ جو امرار اب اس کے ساتھ مل گئے تھے مثلاً اسیر گڑھ کا صوبہ دار طاہر خاں اور برہان پور کے انور اللہ خاں اور نور اللہ خاں وہ سب سید برادران کے پروردہ اور مستند تھے ان لوگوں کی سید برادران سے روگردانی نہ صرف ان کی سیاسی کمزوری کا مظہر تھی بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سید برادران کو عام مقبولیت حاصل نہ تھی۔ سید برادران نے نہ ہالے امراء کو ان کے قدیم عہدوں پر بحال کر دیا تھا لیکن ان میں سے بیشتر نئی حکومت کو نامعقول اور سید برادران کو تک حرام سمجھتے تھے۔ نظام الملک نے امراء کے ان جذبات سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے پوری کوشش کی اور یہ بات ذہن نشین کرادی۔

(۱) وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے وہ شاہی خاندان کی عزت و وقار کے لیے کر رہا ہے جب کہ سید برادران تیموری خاندان کو تباہ کرنے پر آمادہ ہیں۔

(ii) سید برادران تمام ایرانی اور تورانی خاندانوں کو ذلیل و تباہ کرنے کا جتن کر چکے ہیں اور اس کی اپنی تباہی اس سمت میں پہلا قدم ہے اور آخر میں یہ کہ

(iii) سید برادران نے ہندوؤں سے ساز باز کر لی ہے اور غیر اسلامی پالیسی پر عمل پیرا ہیں، جو سلطنت کے مفاد کے خلاف ہے۔ نظام الملک کی سید برادران کے خلاف تحریک کے لیے مندرجہ بالا الزامات اور خصوصیت کے ساتھ یہ اعلان کہ شہنشاہیت خطہ میں ہے بہت موثر ثابت ہوئے اور بہت لوگ اس کے ہم نوا ہو گئے۔

حالات کے اس رخ نے سید برادران کو خوف زدہ کر دیا اور ان کے شیر دل میں افتراق پیدا ہو گیا۔ نظام الملک نے نسل اور مذہب کے معاملہ میں جو عصبیت اختیار کی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم امراء کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کیا جائے اس میں دونوں بھائیوں میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک مرتبہ نظام الملک نے اپنے آپ کو کردار کے اعتبار سے ایک سپاہی بتایا تھا جو تا مساعدا حالات میں غصہ سے مغلوب ہو کر اپنے مخالف کا دشمن بن جاتا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ مغل امراء اور خصوصاً تورانیوں پر مزید اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اس نے پہلا اقدام یہ تجویز کیا کہ محمد امین خان کو جو نظام الملک کا چچہ بھائی تھا اور بخشی دوم کے عہدہ پر فائز تھا قتل کر دیا جائے۔ عبداللہ خاں اس قسم کے اقدام کو نہ صرف خطرناک سمجھتا تھا بلکہ بے محل اور بددیانتی پر مبنی سمجھتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ نظام الملک کی بغاوت کو انفرادی اقدام سمجھ کر اس کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہ نہیں سمجھتا تھا کہ یہ بغاوت مغل امراء کے پورے طبقہ کی ناراضی کی نشان دہی کرتی ہے۔ وہ اس پر آمادہ تھا کہ نظام الملک کو دکن تفویض کر کے اس سے مصالحت کر لے۔ اس نے بڑے طنز سے کہا کہ نظام الملک کی بغاوت فرخ سیر کی معزولی کا پہلا ثمر ہے اس نے حسین علی پر یہ الزام لگایا کہ حسین علی نے قبل از وقت نظام الملک کو اپنا مخالف بنا لیا۔ خانِ دہلی اور رتن چند نے عبداللہ خاں کی تجویز کی حمایت کی اور یہ رائے دی کہ اب جنگ سید برادران کی موت کے بعد ہی ختم ہوگی۔

عبداللہ خاں کے امراء پر حسین علی نے محمد امین خاں کو معزول کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور مغلوں کی دل جوئی کے طور پر ایک تورانی امیر حیدر علی خاں کو

میراث کے اہم منصب پر فائز کیا گیا۔ لیکن حسین علی نے مصالحت کی اس تجویز کو یہ کہہ کر منظور کرنے سے انکار کیا کہ یہ شکست کے مترادف ہے نیز خود نظام الملک بھی اسے منظور نہیں کرے گا۔ اس نے اپنے بھائی پر جرات کی کمی اور پیش قدمی نہ کرنے کا الزام لگایا۔ بالآخر اس کے ایما پر دلاور علی کو نظام الملک کے خلاف شمال کی طرف سے پیش قدمی کرنے اور عالم علی کو جو دکن میں حسین علی کا نائب تھا جنوب کی جانب سے لشکر کشی کا حکم دیا گیا۔ تاکہ اس طرح نظام الملک کو دونوں فوجوں کے درمیان پسپا کر دیا جائے۔ بالاجی دشونا تھا اور ساہو کو خطوط بھیجے گئے اور درخواست کی گئی کہ وہ عالم علی کی مدد کریں۔

نظام الملک نے سید برادران کے سپہ سالاروں سے زیادہ جتنی کا مظاہرہ کیا اس سے پہلے کہ عالم علی کی فوجیں دلاور علی کی کمک سے قوت حاصل کر سکیں، نظام الملک نے دلاور علی کی افواج پر حملہ کر کے 29 جون 1720ء کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ اس کے بعد اس نے عالم علی کی طرف رخ کیا جس کے ساتھ پیشوا بابی راؤ کی سرکردگی میں مرہٹہ سواروں کی فوج شامل ہو چکی تھی۔

اس غیر متوقع ضرب نے سید برادران کو سرسید کر دیا۔ عبد اللہ خاں نے ایک مرتبہ پھر نظام الملک سے صلح کی کوشش کی تاکہ سانس لینے کا موقع مل سکے۔ سید برادران کے بھی ثوابوں میں بعض نے (جیسے دیانت خاں معنی یا دیوان تن و خالصہ) اس طرف توجہ دلائی کہ حسین علی کے خاندان کے افراد ابھی تک دکن میں مقیم ہیں اور ان کو نظام الملک کی دست برد سے بچانے کے لیے محتاط پالیسی کی ضرورت ہے۔ نظام الملک کا چچا زاد بھائی محمد امین خاں حالات کے اس بدلنے ہونے رخ سے دل ہی دل میں خوش تھا اس نے نظام الملک سے مصالحت کے لیے مدد کی پیش کش کی۔

آخر کار دروہنی پالیسی اختیار کرنا طے ہوا۔ نظام الملک کو فرمان اور خطوط بھیجے گئے جن کا لب و لہجہ ریاکارانہ تھا۔ اسے دکن کی صوبہ داری عنایت کی گئی ساتھ ہی دلاور خاں کے اقدام کی ملامت کی گئی۔ نظام الملک سے کہا گیا کہ عالم علی اور میرنخشی کے خاندان کو دکن، جھوڑنے کی، احادت دے دے۔ اسی کے ساتھ

ساتھ دکن کے لیے بڑے پیمانہ پر فوج تیار کی گئی اور عالم علی کو اس فوج کی آمد کے انتظار کی ہدایت کی گئی۔

لیکن نظام الملک اتنا زیرک اور ہوشیار تھا کہ وہ اس طرح کی بڑی سازش کا شکار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنے مخالفین کے دام فریب میں خود ان کو پھنسا دیا ان کے خطوط و زبان کو اس طرح استعمال کیا جس کا کسی کو تصور بھی نہ تھا اس نے اس کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی اور اس طرح اپنے آپ کو ہر ایک کی نگاہ میں دکن کا قانونی صوبہ دار ظاہر کیا اور عالم علی کو باغی ٹھہرایا جو شاہی حکم کی خلاف ورزی کر کے دکن کی حکومت اس کے سپرد کرنے میں مانع تھا۔ اس طرح عالم علی نہ صرف اخلاقی حق سے محروم ہو گیا بلکہ بہت سے غیر مستقل مزاج افراد نے اپنی قسمت نظام الملک سے وابستہ کر لی۔

ہمارے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ سید برادران کی شکست اور زوال کی مزید تفصیل بیان کریں بلکہ صرف یہ بتانا کافی ہے کہ 10 اگست 1720ء کو شکر کھیر کی جنگ میں نظام الملک کے ہاتھوں عالم علی اور اس کے معاونین مرہٹے بالکل تباہ و برباد ہو گئے اس کے فوراً بعد ہی حسین علی کو جیکدہ شہنشاہ کے ساتھ دکن کی طرف آ رہا تھا قتل کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ ایک سارش کے ماتحت ہوا جو محمد امین خاں بخشی دوم، حیدر قلی خاں، میر آتش اور چند دوسرے امراء جیسے سعادت خاں (جو بعد کو برہان الملک ہوئے) اور میر جلد نے تیار کی تھی۔ اس وقت عبداللہ خاں دہلی کے راستے میں تھا اس نے جب یہ خبر سنی تو دار السلطنت کو واپس لوٹ گیا اور ابراہیم خاں نام کے ایک شخص کو شہنشاہ بنا کر تخت پر بیٹھا دیا اور اپنے معاونین کو جمع کرنا شروع کیا۔ سادات بارہ اور چورامن جاٹ نے آخر تک اس کا ساتھ دیا۔ بہت سے افغان بھی مطلب براری کے لیے ساتھ ہو گئے۔ اگرچہ اس وقت کے امراء میں سب سے مشہور لعل خان، امیر محمد خان، غلش محمد امین خان اور شہنشاہ محمد شاہ کے ساتھ ہو گیا۔ فرخ سیر کے دور کے کچھ قدیم امراء جیسے غازی الدین احمد بیگ، محمد مراد کشمیری وغیرہ جو ملازمت سے سبکدوش ہو کر دہلی میں سکونت پذیر تھے۔ عبداللہ خاں کا ساتھ دینے پر رضامند ہو گئے

نئی خاں لکھتا ہے "کوئی قصائی باورچی یا دُغیا جس نے ایک حصہ حال مٹو پر چڑھ کر اپنے آپ کو پیش کر دیا لشکر میں شامل کر لیا گیا اور اسی روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر کر دیا گیا۔ مجلت کے ساتھ مرتب کی ہوئی عبداللہ خاں کی یہ فوج محمد امین خاں، محمد خاں ٹنکش اور شہنشاہ محمد شاہ کی فوجوں کا مقابلہ کر سکی۔ 13 نومبر 1720ء کو اگرہ کے قریب حسن پور کے مقام پر عبداللہ خاں کو شکست ہوئی اور وہ قید کر لیا گیا۔ اس طرح سید برادران کی نئی وزارت کا خاتمہ ہوا۔ اپنی طاقت کو مستحکم کرنے میں سید برادران کی ناکامی کا خاص سبب اورنگ زیب اور بہادر شاہ کے زمانہ کے مقتدر امراء کی مخالفت تھی۔ یہ قدیم امراء سید برادران کو کم ظرف سمجھتے تھے اور اسی لیے سلطنت کے اختتام میں ان کی بالادستی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ سید برادران کی عام پالیسی اور مملکت کے سیاسی مسائل کو حل کرنے کا طریقہ بھی انھیں پسند نہ تھا۔

سید برادران کی مخالفت میں سب سے بڑھ کر اس چھوٹے مگر مضبوط گروہ نے حصہ لیا جو نظام الملک اور محمد امین خاں کے ساتھ تھا۔ یہ لائق اور حوصلہ مند امراء سلطنت میں اعلیٰ اقتدار حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ یہ طبقہ سید برادران کی لڑچوٹ اور مٹلوں کو مراعات دینے اور ہندو رائے عامہ کو اپنے حق میں بہوار کرنے کی پالیسی کے بھی خلاف تھا۔ اور اس اقدام کو 'اورنگ زیب کی پالیسی سے انحراف سمجھتے تھے اور جان کے نزدیک صرف ریاست کے اسلامی کردار کے منافی تھا بلکہ سلطنت اور شہنشاہیت کے مفاد کے بھی خلاف تھا۔

اپنے آپ کو اسلام اور شہنشاہیت کے نجات دہندہ کے علاوہ سید برادران کے مخالفین نے ان کو مغلوں سے برگشتہ کر کے امراء کے ایک چھوٹے طبقہ کے محدود مفاد کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان کے جذبات کو برا بھلا سمجھ کر اور سید برادران پر الزام لگایا کہ وہ خود اور اپنے متوسلین کے لیے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن سید برادران کی پالیسی اور عمل اور اس دور کی فرقہ بندی کا نتیجہ اس قسم کی توضیح کی تصدیق نہیں کرتے۔ سید برادران نے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے یہ کوشش کی کہ بلند مرتبہ امراء میں ہر فرقہ اور ہر نسل کے افراد کو حتیٰ کہ اورنگ

زیب اور بہادر شاہ کے عہد کے امراء اور راجپوت و مرہٹوں وغیرہ کو مجلس مشاورت میں شامل کر لیں لیکن سید برادران کی ہالسی کو غلط طریقہ سے پیش کرنا اور مغل اور سید برادران کی مخالفت کو ہندوستانیوں کی کشمکش ظاہر کرنا ہی ان مخالفین کے مقاد میں تھا۔

سیاسی اعتبار سے سید برادران کی سب سے بڑی غلطی فرخ سیر کی معزولی تھی۔ اس سوال پر اخلاقی نقطہ نظر سے بحث کی گئی ہے کیا سید برادران شہنشاہ کے وقادار تھے یا وہ حالات کے نقصانوں کے پیش نظر اس سے برتاؤ کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ فرخ سیر کی معزولی شاید ناگزیر تھی لیکن اس ناگزیر اقدام کے لیے جو طریقہ کار اختیار کیا گیا وہ غیر ضروری طور پر درشت تھا اور اس قیدی کی جان لے لینا ایسا اقدام تھا جس کا کوئی جواز نہ تھا۔

زیر بحث موضوع کی سچائی کو جاننا بہت ضروری ہے فرخ سیر کا قتل حالانکہ غیر ضروری ظالماد طریقہ سے کیا گیا لیکن یہ فعل بھی اس کی معزولی کا ناگزیر اور منطقی رد عمل تھا۔ جب تک وہ زندہ رہتا سید برادران اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ سید برادران کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا وہ اپنے مقصد میں فرخ سیر کی معزولی کے بغیر کامیاب ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ عبد اللہ خاں کا خیال یہ تھا کہ بغیر اس کے بھی کامیابی حاصل ہو سکتی تھی۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ خطبہ اور سیکے پر فرخ سیر کا نام باقی رہنے میں اس وقت کوئی نقصان نہیں ہے جب تک کہ تمام اہم عہدوں پر ان کا قبضہ رہے۔ اور ان کے نامزد افراد پر فائز کیے جاتے رہیں۔ معزولی نے جس کی تمام تر ذمہ داری حسین علی پر عاید ہوئی ہے امراء کے دلوں میں شبہات پیدا کر دئے تھے۔ وہ سید برادران کے ارادوں کو سمجھنا پگئے تھے اور اسی خیال نے ان کے تمام معاون افراد کو جو اس غیر معمولی اقدام کے حق میں دتے متحد کر دیا۔

اگر انھیں ایسے بہادر افراد کی نظر سے دیکھا جائے جو اپنے ناشکر گزار حاکم کے خلاف اپنی جان اور عزت کے لیے لڑ رہے تھے تو معزولی کے بعد سید برادران کو ظالم تک حرام سمجھا جائے گا جو اپنے خاندان کی ناموس پر ایک بد نما داغ تھے تمام ہم عصر مصنفین یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو سید برادران کے ہم لوہا ہیں اس سلسلے

میں ان کو ملامت کرنے پر مستعد ہیں اور معز ولی کے فعل کو قابلِ مزمت و لغزت سمجھتے ہیں۔ ان کی سیاسی قوت کی کمزوری پر نظر کرتے ہوئے ملک کی مصلحت کے پیش نظر بھی یہ ایک فاش غلطی تھی کیونکہ اس نے ان کے مخالفین کو خاص طور سے جن فرقہ کو تیوری شہنشاہیت کی بقا کا علمبردار بنا دیا اور انھوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے مفاد کے لیے عوام کو برگشتہ کیا۔

دوسرے سید برادران نے اپنے وسائل اور طاقت کا مبالغہ آمیز اندازہ لگایا۔ وہ طاقتور فرقہ کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جائے۔ اس مسئلہ پر آپس میں دست و گریباں رہے۔ آخر کار انھوں نے قبل از وقت طاقت آزمائی منظر ہرہ کر ہی دیا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ خان نے اپنی قوت کی کمزوری کا اندازہ حسین علی سے بہتر لگایا تھا تحمل اور حکمت عملی کے ساتھ وہ محمد امین خاں، نظام الملک، سر بلند خاں کو فرخ سیر سے الگ کرے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ان امراء سے نہ صرف تعلقاً برقرار رکھے جائیں بلکہ اگر ممکن ہو تو زیادہ مستحکم کیے جائیں اس لیے وہ ان کے ساء احتیاط اور مصلحت کا حامی تھا۔ اس کے برخلاف حسین علی مغلوب الغضب اور خود پسند تھا۔ اور بظاہر یہ سمجھتا تھا کہ یہ حکمت عملی ناقابلِ عمل ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ نظام الملک، محمد امین خاں وغیرہ کو جلد از جلد ختم کر دیا جائے یا کم از کم ایسا معذو کر دیا جائے کہ وہ نیش زنی نہ کر سکیں۔ نظریاتی اختلاف اور طریقہ عمل کے اس تضاد نے جو اقتدار کی ہوس اور مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں سامنے آچکے تھے دونوں بھائیوں کے درمیان اختلافات کو اور نمایاں کر دیا تھا۔

سید برادران کا اقتدار اتنی مدت تک نہ رہا کہ ان کی انتظامی صلاحیتوں کا صحیح جائزہ لیا جاسکے۔ فرخ سیر کی معز ولی کے فوراً بعد پارٹی میں بڑھتے ہوئے اختلاف نے انتظامیہ کو مفلوج کر دیا تھا اور ہر جگہ زمیندار اور شورش پسند سراٹھا ہوتے جہانداری کے سلسلہ قوانین کو نظر انداز کیا جا رہا تھا۔ تن چند جیسے نابین کی دست نگرانی نے سید برادران کو نہ صرف غیر مقبول بنا دیا تھا بلکہ ان کی انتظامی صلاحیتوں کو شبہ کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا۔ مال گزاری و مصلوبانی کے سلسلہ میں سخت گیری اور رشوت کی گرم بازاری بھی انھیں افسروں کے سبب تھی۔ اس

کے بر خلاف وہ مصنفین بھی جو سید برادران کے بدترین مخالف ہیں اس سے انکار نہیں کرتے کہ سید برادران نے نظم و نسق کو بہتر بنانے کی پوری کوشش کی لیکن ان میں جنگی لیاقت اور انتظامی صلاحیتوں کی کمی انتظامیہ پر آخری ضرب لگانے میں سربراہ رہی۔

اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے کر سید برادران نے مغل سلطنت کی سالمیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جب کہ ایک ناکارہ اور کمزور بادشاہ کی معزولی کا لازمی نتیجہ سلطنت کا پارہ پارہ ہونا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے ایسی پالیسی اختیار کی کہ اگر کچھ عرصہ اور اس پر عمل کیا جاتا تو آپ ایسے حکمران طبقہ کے قیام میں مددگار ہوتی جس میں ہر طبقہ کے مغل امرا راجپوت اور مرہٹے شامل ہوتے۔ آخری تجربہ کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مغلوں نے جو سیاسی حکمت عملی اختیار کی تھی وہ صرت اسی طرح استوار اور مستحکم ہو سکتی تھی کہ ملک میں ایسا حکمران طبقہ پیدا کر دیا جائے۔ اس پر عمل پیرا ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ سید برادران کے علاوہ کوئی طاقتور طبقہ دربار میں یا دربار کے علاوہ ایسا تھا جو اس حکمت عملی کو بروئے کار لانے میں دلچسپی لیتا۔ عالمگیری امرا یا وہ طبقہ جو مغل کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، اقتدار میں دوسروں کی شرکت گوارا نہیں کرتا تھا اور صرف اپنے آپ کو حکمرانی کا اہل سمجھتا تھا۔ مرہٹہ سردار صرف دکن پر اپنا اقتدار قائم رکھنے میں دلچسپی رکھتے تھے اور انھیں مغل سلطنت کی استواری سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حالانکہ عارضی طور پر شاہو کا مفاد سید برادران کے مفاد سے وابستہ تھا لیکن وہ مغل سلطنت کے احیاء اور استحکام کے خلاف تھے اور انھیں سید برادران کی اس خواہش سے کوئی ہمدردی نہ تھی کہ ایک مملوٹ اور متحد حکمران طبقہ کا قیام عمل میں آئے۔ سید برادران مرہٹوں کا تعاون کسی حد تک بھی حاصل نہ کر سکے۔ دکن میں حسین علی کے نائب عالم علی نے باجی راؤ کے اس مشورہ کو بھی منظور نہیں کیا کہ مرہٹوں کو نظام الملک کو خوف زدہ کرنے سے درو کا جائے اور شمالی ہندوستان سے ملک آنے تک فیصلہ کن جنگ سے پہلو تھپی کی جائے۔ مغل سلطنت کے استحکام اور استقرار میں مرہٹوں سے زیادہ راجپوتوں کا مفاد تھا کیونکہ انھیں اپنی قوت میں اضافہ کرنے اور سلطنت میں بڑے حصہ

حاصل کرنے کے زیادہ مواقع حاصل تھے۔ ان سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ سید برادران کی پوری طرح مدد کرتے کیونکہ ان کی پالیسی ان کی اپنی خواہشات کی تکمیل میں معاون ثابت ہوئی۔ اجیت سنگھ اور جے سنگھ سید برادران کے مرہون منت تھے کیونکہ انھوں نے ان کو بہت مراعات دی تھیں لیکن ان راجاؤں میں سے کسی نے بھی سید برادران کو بروقت فوجی مدد دہم نہیں پہنچائی بلکہ وہ اپنے ذاتی مفاد کے حصول کو ترجیح دیتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سید برادران ایسے مسئلہ میں جس کا کوئی حل نہ تھا الجھے رہے سیاسی اتحاد کے امکانات نہایت کمزور تھے اور صرف ایک مضبوط اور طاقتور مرکزی حکومت ہی سلطنت کو انتشار سے محفوظ رکھ سکتی تھی ایک تجربہ کار اور باصلاحیت حکمران کی غیر موجودگی میں طاقتور مرکزی حکومت کے قیام کا انحصار صرف ایک ایسے وزیر پر تھا جس کو یا تو امرار کے طبقہ کی حمایت حاصل ہوتی یا پھر خود سلطنت کو استحکام حاصل ہوتا۔

ان وجوہ کی بنا پر جن کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے سید برادران مضبوط مرکزی حکومت برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ سید برادران تیموری شہنشاہیت کو اتحاد کی ایک علامت کے طور پر برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن بادشاہ اور ایک طاقتور وزیر کے درمیان جو روایاتی بدگمانیاں تھیں ان کی وجہ سے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور وزیر اور بادشاہ کبھی بھی متحد الخیال نہ ہو سکے۔ اختلافات کی چلیچ کو ذاتی مقادرات نے اور وسیع کر دیا۔

اگرچہ ان وجوہ کی بنا پر جو اوپر بیان کی جا چکی ہیں سید برادران کا تجربہ کامیاب نہ ہو سکا لیکن انھوں نے جو ”نئی وزارت“ قائم کی اس کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس نے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سید برادران نے نسلی عصیت اور تنگ نظری کو ختم کر کے ایک سیکولر اور قومی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔

ان کے زوال سے یہ نتیجہ نہیں اخذ کرنا چاہیے کہ ان کی حکمت عملی اور نظریہ حکومت یکسر ناکام رہا بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے نظریات آنے والے دور کی سیاست اور معاشرت پر اثر انداز ہوئے ہیں۔

باب ہفتم

نظام الملک اور وزارت کی کشمکش کا خاتمہ

۱۔ محمد امین خاں کی وزارت

سیدوں کے زوال ان کی شکست اور نظام الملک کے عہدہ وزارت سنبھالنے کے درمیان ایک سال تین مہینہ کا عرصہ ہے۔ اس مدت کے پہلے تین مہینوں میں نظام الملک کا برادر عزم زاد محمد امین خاں کرسی وزارت پر سنبھلے تھے۔ محمد امین خاں کو آٹھ آٹھ ہزاری منصب دو اسپہ سالہ سپاہ دیا گیا۔ اور اسی کے ساتھ ملتان کی غائبانہ صوبہ داری بھی بخشی گئی۔ اس کے بیٹے قمر الدین خاں کو بخشی دوم مقرر کیا گیا اور اسے سات ہزاری منصب مراد آباد کی فوجداری اور داروغہ احمدی اور داروغہ نسل خانہ کے عہدہ بھی دیئے گئے۔ یہ عہدے اس لحاظ سے نہایت اہم تھے کہ شہنشاہ ہنگ کی رسائی انھیں عہدے داروں کے ذریعہ ممکن تھی۔ دوسرے ان لوگوں کو بھی نوازا گیا جنہوں نے سید برادران کے خلافت سازش میں حصہ لیا تھا۔ سعادت خاں کو اودھ کا صوبہ دار اور حیدر علی کو گجرات کا گورنر عہدہ میرٹش بنا دیا گیا۔ میر جملہ کے پاس عہدہ صدر اور خانہ داروں کے پاس بخشی کا قلعہ دار بانی رہا۔ نظام الملک کے پاس دکن اور مالوہ کا صوبہ داری برقرار رہی۔ عبدالصمد خاں کے پاس لاہور رہا اور کشمیر کا اضافہ اس کے بیٹے ذکر یا خاں کے نام سے کر دیا گیا۔ دوسرے صوبوں میں زیادہ تبدیلیاں نہیں لائی گئیں۔^۱

پہلے دن سے ہی نیا وزیر سیدوں کے خلافت تحریک کے مقصد کو پورا کرنے میں بہت کم دلچسپی لے رہا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ”شہنشاہ کو اس کے پورے اختیار پر دوبارہ فائز کر دیا جائے۔“ وہ اگر کچھ تھا تو اتنا ضرور تھا کہ سیدوں سے زیادہ اختیار تھا اور کہا جاتا ہے کہ محمد شاہ کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ تخت پر تاج پہن کر جلوہ گر رہے۔^۲ شہنشاہ وزیر سے خائف تھا اور اس نے تمام اختیارات اسی کو سونپ

دئے تھے۔ وہ عوام کی شکایات پر کوئی دھیان دے رہا تھا۔ دوسرے امر امر محسوس کرتے تھے کہ شہنشاہ بالکل بے بس تھا اسی لیے وہ بھی وزیر سے خائف رہتے تھے۔³ سیدوں کے زوال سے شہنشاہ کو جو کچھ ملا وہ اتنا تھا کہ اب اسے کچھ شخصی آزادی حاصل ہو گئی تھی۔ لیکن حکومت کے معاملات میں اس کے کچھ اختیارات نہ تھے۔ محمد امین سیدوں کی عام پالیسی سے انحراف کر کے نئی راہ اختیار کر سکا اس نے جزیہ کو دوبارہ نافذ کر دینے کا منصوبہ بنایا لیکن جے سنگھ اور گردھربہادر کی مخالفت کے سبب اس کو اس ارادہ سے باز رہنا پڑا۔ تاہم وزیر کے حکم کی عزت رکھنے اور متعصب عناصر کو خوش کرنے کی غرض سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ اس ٹیکس کو صرف اس وقت کے لیے ملتوی کر دیا گیا جب تک کر رعیت کی خوش حالی اور ملک میں امن و امان کی بحالی ہو جائے۔⁴

مہرٹوں کے معاملے میں نئی سندوں کے ذریعہ جے سنگھ اور سردیش مکھی کی ادائیگی کا معاہدہ جو سیدوں نے کیا تھا تسلیم کر لیا گیا اپنی طرف سے نظام الملک شاہ کو چوتھ اور دیش مکھی دینے کے لیے پہلے ہی راضی ہو چکا تھا اور اس معاہدہ کی بدجوری کی خفیہ ملاقات میں توثیق کر دی۔ یہ ملاقات ان دو اہم شخصیتوں کے درمیان طویل لاقاتوں کے سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔

اس طرح محمد امین خاں اور نظام الملک وغیرہ کی فتح سے سیدوں کی پالیسی میں کوئی فوری تبدیلی نہ آ سکی اگرچہ سیدوں کو ان کی نام نہار ہندو نواز پالیسی کے لیے سخت بدنام کیا گیا تھا۔ اب جے سنگھ جیسے سیدوں کا زبردست مددگار رہا تھا اس کو ”بد انتظامی“ کے سبب ہٹا دیا گیا لیکن اس معاملے میں بھی محمد امین اس کا صوبہ اسے بحال کرنے کے لیے نصف حد تک ضرور تیار تھا۔⁵

نظام الملک کی آمد اور اس کی ابتدائی دشواریاں

محمد امین خاں ایک مختصر سی علالت کے بعد 27 جنوری 1721ء کو وفات پا گیا۔ کچھ شوروں کے بعد شہنشاہ نے دکن سے نظام الملک کو طلب کیا کہ وہ آئے اور قلمدان وزارت سنبھالے۔ نظام الملک سیدوں کے زوال کے بعد سے اس عہدہ

کاستنی تھا اور جب اس کو محمد امین خاں کے عہدہ وزارت پر مقرر ہونے کی اطلاع ملی تو وہ شمالی ہندوستان کے لیے درحقیقت روانہ بھی ہو گیا تھا۔ لیکن اپنے براہ اور عمر زادے سے تنازعہ نہ کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور کرناٹک کا رخ کیا جہاں پر مرہٹوں کے حملے ہو رہے تھے۔⁸

جب نظام الملک کو شاہی احکام پہنچے تو اس کو کرناٹک کے معاملات درست کرنے میں کچھ وقت لگا اور اسی لیے وہ دربار میں 20 فروری 1722ء سے قبل حاضر نہ ہو سکا۔ اس وقفہ میں محمد امین کو اپنی حکمرانی کے جوہر دکھانے کا پورا موقع ملا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو ایک کمزور اور عیش پسند انسان ثابت کیا۔ انتظامی معاملات کی طرف سے بے پرواہ اور پوری طرح اپنے مقربین کے زیر اثر۔ وہ کبھی بھی استقامت کے ساتھ کسی ایک ارادہ پر قائم نہ رہ سکتا تھا۔ بقول ایک مرہٹہ وکیل کے کہ وہ فطرۃً متبدل مزاج انسان تھا۔⁹

اس عرصہ میں مقربین میں سے جو سب سے پیش پیش تھے وہ حیدر علی خاں اور کوکی جیو تھے۔ حیدر علی خاں (محمد رضا) اصفہان کا باشندہ تھا اور وہ عظیم الشان کاہنوارہ چکا تھا۔ جب فرخ سیر تخت نشین ہوا تو اس کو میر جملہ کے ذریعہ حیدر علی کا خطاب حاصل ہوا۔ دکن کا دیوان بنایا گیا اور وہ تمام شاہی زمینوں اور متعدد دوسری شاہی املاک کا محافظ تھا اور اسے تمام ماتحتوں کی تقرری اور برطرفی کا اختیار تھا۔ نظام الملک کی اس کے ساتھ بھدہ سکی اور اس نے اس کو خود اپنے حکم سے دلی بھیج دیا۔ تب اس کو گجرات کا دیوان اور سورت کا متصدی بنایا گیا۔ جس عہدہ سے اس نے دولت کے انبار جمع کر ڈالے۔ عبداللہ خاں اسے ناپسند کرتا تھا اور اس نے اس کو 1718ء میں عبدالحی پسر عبدالغفور بوجہ ہرہ کی شکایت پر برطرف کر دیا۔ جس کی 85 لاکھ کی املاک کو حیدر علی نے اس بہانے سے ضبط کر لیا تھا کہ وہ لا ولد مرا۔¹⁰ دربار پہنچ کر حیدر علی نے کسی نہ کسی طرح تین چند کا تقرب حاصل کر لیا اور اسے اگرہ اور الہ آباد کے خلاف بھیجی گئی فوج پر مقرر کر دیا گیا۔ اس کے فوراً بعد ہی میراتش بنا دیا گیا۔ اس سے حیدر علی کو سیدوں کے خلاف سازش کرنے کا موقع ملا اور حسین علی کو قتل کرنے کے سلسلے میں اس کو چھ ہزاری منصب پر ترقی دے دی

گئی۔ وہ ہر روز شہنشاہ کے تقرب کی وجہ سے ترقی کرتا گیا اور نظام الملک کے بقلم ان وزارت سنبھالنے تک وہ آٹھ ہزاری اور سات ہزاری منصب تک ترقی کر چکا تھا، 10 الف کو کی جیو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بڑی حسین و جمیل اور بہت عاقل و ذہین عورت تھی اور شہنشاہ کی والدہ کی سہیلی تھی۔ خواجہ خدمت گار کے ساتھ جو شہنشاہ کا مقرب ہمنشین تھا، مل کر وہ ملازمتوں کے خواہشمندوں سے پیش کش کے طور پر بڑی بڑی رقوم حاصل کرتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ خود شہنشاہ بھی اس غیر قانونی آمدنی میں حصہ دار تھا۔ کو کی اس قدر با اثر ہو گئی تھی کہ یہ افواہ مشہور ہو گئی تھی کہ شاہی مہر اس کے قبضے میں تھی، 11 شاہی مقربین کی انتظامی امور میں دخل اندازی اور بخشی خاص خان دوران مصمام الدولہ کی بے پناہ حسد نے نئے وزیر کی راہ میں بہت دشواریاں پیدا کیں۔ اس نے یہ دیکھا کہ آئین حکمرانی بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا، قدیم امراء کی طرف سے بے توجہی برتی جاتی تھی آمدنی زوال پذیر تھی اور حکومت تیزی سے قبر میں جھنسی چلی جا رہی تھی۔

جب نظام الملک نے حیدرقلی کی انتظامیہ امور میں دخل اندازی کی شکایت کی تو شہنشاہ نے حیدرقلی کو گجرات واپس چلے جانے کی ہدایت کی، گجرات پہنچ کر حیدرقلی نے ایک متکبرانہ اور مغرورانہ انداز اختیار کرنا شروع کرنا اور ایک خود مختار حکمران جیسا طور طریق اپنانے لگا۔ اس نے شاہی امراء کو دی گئیں جاگیریں ضبط کرنا شروع کر دیں اور عربی جشیوں اور فرانسیسیوں (یورپیوں) کو اپنے توپ خانے کی تقویت کے لیے مقرر کر لیا۔ سامان کو بغیر اجازت اپنی تحویل میں لینے لگا۔ وہ اونچے چوڑے پر بیٹھ کر فریادیں سنتا تھا اور اس طرح شاہی امتیازات کو گویا پامال کرتا تھا۔ جالوروں کی کشتیاں ملاحظہ کرتا اور اپنے ہمنواؤں کو جھالنگی پالکیاں بخشش میں دیتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ یہ کہا جاتا تھا کہ وہ ایسا کرنے کی جسارت اس لیے کرتا تھا کہ اس کو پویشیدہ طور پر شاہی پشت پناہی حاصل تھی۔ 12

بالآخر نظام الملک نے جسے کچھ ہی عرصہ قبل مالوہ کی گورنری سے برطرف کیا گیا تھا، شہنشاہ کی خوشامد کی گجرات کا صوبہ اس کے بیٹے یعنی غازی الدین

خاں کے نام پر اس کو دیدیا جائے۔ دسمبر 1722ء میں وہ حیدرقلی کے حوصلوں کو پست کرنے کے پہلے گجرات رواد ہو گیا۔ 13 لیکن اس کے اصل مقاصد کچھ اور ہی تھے اس کے دہلی آنے کا مقصد ایک تو یہ تھا کہ اسے غلط فہمی تھی کہ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تھے شہنشاہ سے کیا امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں اور کہاں تک اس سے خطرہ ہے۔ ان میں سے پہلی تمنا تو محض ایک فریب نظر بنتی دکھائی دے رہی تھی یعنی کم از کم جتنا آسان وہ اس کام کو سمجھتا تھا اس سے کہیں زیادہ دشوار نکلا۔ اسی اثنا میں دکن میں اس کی بنی بنائی بات خراب ہوتی نظر آرہی تھی۔

مہاراجا مالک نے جس کو اس نے اپنی غیر حاضری میں اپنا نائب مقرر کر دیا تھا شاہو کے ساتھ چوتھ اور سردیش مکھی کے سلسلے میں ہونے والے معاہدہ کو کالعدم کر دیا تھا اور اس کے سبب مرہٹوں کی ریشہ دوانیوں میں اضافہ ہو گیا تھا 1723ء میں پیشوا باجی راؤ ایک زبردست فوج کے ہمراہ مالوہ میں داخل ہوا۔ اہم صوبہ میں جو سیاسی اعتبار سے نہایت اہم تھا مرہٹہ ریشہ دوانیوں کے سلسلہ کی پہلی کڑی تھی۔

نظام الملک مالوہ میں جیوا کے قریب بداکشا (یا بولا شاہ) کے مقام پر باجی راؤ سے 21 فروری 1723ء کو ملا اور اس کے ساتھ ایک ہفتہ تک مقیم رہا۔ (2 مارچ تک) 15ء ہمیں اس گفت و شنید کی عیت اور اس کے نتائج کا کچھ علم نہیں ہے۔ ہم صرف اندازہ لگا سکتے ہیں اور انہیں سے نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ اس ملاقات کے بعد، نواب بھوپال، دوست محمد خاں کے خلاف ایک مشترکہ مہم چلائی گئی کچھ ہی عرصے کے بعد نظام الملک نے مالوہ کے صوبہ کا انتظام سنبھال لیا اور باجی راؤ دکن کو لوٹ گیا۔

مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان دونوں کی گفتگو کا حجام دوستاں تھا اور اس کے نتیجے میں آپس میں کوئی مغایرت ہو گئی تھی۔

نظام الملک کی جانب سے، پیشوا کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے اسباب واضح طور پر موجود تھے۔ ابھی تک اس نے دہلی کا رخ کرنے یا دکن ہی میں رہ جانے کے سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ ان حالات میں اپنے دشمن پیدا کر لینا عقل مندی نہیں۔ باجی راؤ کی جانب سے بھی نظام الملک کے ساتھ دوستی قائم کر لینے کے

لیے کافی مضبوط وجوہات موجود تھیں نظام الملک آخر شاہی وزیر تھادہ پوری حکومت میں سب سے زیادہ با اثر امیر تھا اور دکن کا تو گویا مالک تھا۔ اس وقت تک اس نے مرہٹوں کو ایسا کوئی موقع نہیں دیا تھا جو وہ مخالفت کر سکیں اس نے شاہو کے چوتھے اور سردیش سکھی جمع کرنے کے اختیار کو تسلیم کر ہی لیا تھا اس لیے نوجوان پیشوا ایک ایسے با اثر شخص کی دوستی کا ضرور تئیں تھا۔

لیکن یہ نظام الملک کی سیاسی فہم و فراست کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا کہ پیشوا کی دوستی سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ وہ مواخر الذکر کی ملکیت کی توسیع کی روک تھام کے لیے بھی اقدامات سے نل د تھا مالوہ کی صوبہ داری کا جس کے لیے شہنشاہ کی اجازت بعد میں حاصل کی گئی۔ 17۔ اصل مقصد یہ تھا کہ مرہٹوں کی قوت کو جنوب ہی میں محدود رکھا جائے اور شمال میں ان کی توسیع پسندی کو روک دیا جائے۔ اس طرح ہم شروع ہی سے نظام الملک کو اس حکمت عملی پر کاربند ہاتے ہیں جس کے مطابق وہ زندگی بھر عمل کرتا رہا یعنی دکن میں اپنا اقتدار قائم رکھنا دلی کے لیے ایک راستہ کھلا رکھنا اور بغیر ناقابل تلافی تصادم مول لیے ہوئے مرہٹوں کی طاقت کو محدود رکھنا۔ اس ملاقات کے بعد نظام الملک نے دوبارہ گجرات کا رخ کیا، حیدرقلی جسے کسی طرف سے بھی اعانت نہ مل سکی، نخوت و ہراس سے مذہمال ہو گیا۔ جنوں کا بہانہ کر کے وہ بہت قلیل جماعت کے ساتھ دہلی کے لیے روانہ ہو گیا بہ سن کر نظام الملک نے اپنے چچا زاد بھائی حامد خاں کو گجرات میں نائب مقرر کیا اور جھالور سے دہلی کی طرف لوٹ گیا۔ 18۔ اس طرح گجرات پر بھی نظام الملک کا تصرف ہو گیا۔

نظام الملک کا اصلاحاتی منصوبہ اور دکن کے لیے اس کی روائی

3 جولائی 1723ء کو نظام الملک دربار میں واپس آیا۔ اس نے دیکھا کہ کوئی کے زیر اثر رشوت مستانی اور بد اعمالی بہت بڑھ گئی تھی درباریوں اور شاہی مقربین نے سیر حاصل جاگیروں پر اپنا قبضہ جمالیا تھا۔ مدیہ ہے کہ خالصہ بھی منصب داری میں تقسیم کیا جا چکا تھا۔ اجارہ داری جاری ہو چکی تھی اس سے

ایک طرف تو قیتوں میں اضافہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف اجارہ داری کے نرخ کا زیادہ ہونے کی وجہ سے کسانوں میں غربت پھیل رہی تھی اور مالگداری کی وصولیائی میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ اوپر سے لے کر نیچے تک تحفوں اور پیش کش کی صورت میں رشوت ستانی کا بازار گرم تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ قدیم امرابے روزگاری اور افلاس میں وقت گزارتے تھے۔ اور شاہی خزانے میں افواج کو اور منصب داروں کو ادا کرنے کے لیے نقد روپیہ موجود نہ تھا۔ چھوٹے منصب داروں کا تو بہت ہی برا حال تھا۔ ان کے پاس اپنا معیار زندگی برقرار رکھنے اور اپنے ماتحتوں کو قائم رکھنے کے ذرائع موجود نہ تھے اس وجہ سے ان میں سے اکثر نے تجارت شروع کر دی تھی۔ 19

نظام حکومت کو بہتر کرنے اور حکومت کے خزانوں کو سیراب کرنے کی غرض سے نظام الملک نے ایک مفصل منصوبہ تیار کر کے شہنشاہ کے سامنے پیش کیا۔ اس کی خاص خاص تجاویز جن میں وہ دہا میں پہنچنے کے پہلے ہی روز سے شہنشاہ کے سامنے پیش کر رہا تھا۔ حسب ذیل تھیں۔ صرف باصلاحیت اور کارگزار امراء اور سپاہی مقرر کیے جائیں جیسا کہ اورنگ زیب کے عہد میں ہوتا تھا۔ خالصہ زمیوں کی کاشت بند کی جائے۔ جاگیروں کی دوبارہ تقسیم ہو اور خالصہ زمین (جو جاگیروں میں دے دی گئی تھیں) واپس لے لی جائیں۔ رشوت ستانی ختم کی جائے۔ اور اورنگ زیب کے عہد کی طرح جزیہ بھی نافذ کر دیا جائے۔ 20

یہ تجاویز شہنشاہ کو مطلقاً پسند نہ تھیں۔ اور مقربین کو یہ خدشہ تھا کہ اگر نظام الملک کو ایک بار دربار پر تسلط حاصل ہو گیا تو وہ سب اپنے اقتدار سے محروم ہو جائیں گے۔ ان مجوزہ اصلاحات سے مقربین کو سخت نقصان ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے شہنشاہ سے عرض کی کہ اب حکومت کے حالات اورنگ زیب کے عہد کے حالات سے بالکل مختلف ہیں اس لیے قدیم قوانین کے نافذ کرنے سے مال گزاری اور انتظامی امور کا طریقہ کار درہم برہم ہو جائے گا۔ انہوں نے شہنشاہ کے دماغ میں نظام الملک کے ارادوں سے متعلق مشکوک و شبہات پیدا کرنے شروع کر دیے اور اس کی بلند خواہشات اور اختیارات و اثرات کے لیے اس کی کوششوں کا بار بار تذکرہ کیا اور یہ بھی اس کے دماغ میں بٹھایا کہ اس جیسا کامیاب سپہ سالار شاہی خاندان کے

مستقبل کے لیے ایک زبردست خطرہ ہے۔ 21 انہوں نے جزیرہ کو دوبارہ شروع کرنے کی تجویز کے خطرات سے آگاہ کیا اور انفرادی اور اجتماعی طور پر شہنشاہ سے یہ کہا کہ جزیرہ کا عکس بے محل ہے۔ اور نظام الملک کی تجویز کا مقصد محض حکومت میں خلفشار پیدا کرنا اور حکومت اور اس کے ملازمین کے درمیان ایک عداوت اور محاسنت پیدا کرنا ہے ہم عمر مصنف وارد افسوس کے ساتھ لکھتا ہے کہ امرا ایمان اور دین کے معاملات میں بہت سست پڑ چکے تھے اور وہ جزیرہ کی مخالفت کو ہندوؤں کی تحریک کا نتیجہ بتلاتا ہے مقررین تو اپنے ہی مقاصد کی بنا پر نظام الملک کی تجویز کی مخالفت کر رہے تھے مگر خیر الذکر کی یہ جزیرہ کو دوبارہ نافذ کرنے کی بنا پر اس کے مخالفین کو ہندو امرا اور اہل بکروں کی پشت پناہی بھی حاصل ہوگی اور اس طرح انہوں نے نظام الملک کو سب سے جدا کر دیا۔ حد یہ ہے کہ عہد العہد خاں جو شادی کے رشتہ سے نظام الملک کا قرابت دار ہوتا تھا وہ بھی جزیرہ کے دوبارہ نافذ کرنے کے خلاف تھا۔²² نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہ نے رسمی طور پر تو نظام الملک کی اصلاحات کے لیے اپنی مرضی ظاہر کر دی لیکن درحقیقت اس نے ان کو بالکل مسترد کر دیا۔ اصلاحات کی تجویز کے رد ہو جانے سے نظام الملک ایک عجیب دشواری میں پھنس گیا۔ یا تو وہ سید برادران کے نقش قدم پر چل کر ایک فوجی بغاوت کرے، اپنے دشمنوں کا قلع قمع کر دے اور محمد شاہ کو محض ایک کٹھ پتلی بنادے یا کسی دوسرے کو اس کی جگہ شہنشاہ مقرر کرے۔ نظام الملک میں غالباً یہ سب کچھ کرنے کی طاقت تو تھی اور بغاوت کے بعد اس کیلئے سید برادران سے زیادہ اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کے مواقع بھی موجود تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک اس طریقہ کو بے سود اور غیر شریفانہ سمجھتا تھا۔

امرا نہایت مختلف الطبع لوگ تھے اور ان میں آپس میں زبردست حسد اور جلن موجود تھی اس لیے ان کی اعانت کے بھروسہ پر کوئی بھی خواہ کتنا ہی لائق و نائن کیوں نہ ہو، مکمل طور پر با اختیار نہیں ہو سکتا تھا۔ اب ایک ایسا مسئلہ تھا کہ وہ کوئی نیا خاندان برسرِ اقتدار لائے۔ لیکن موجودہ حالات میں ایسا کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے برعکس دربار میں بے بس بن کر رہنا اس

کے مزاج کے خلاف تھا اور اس سے دکن میں نظام الملک کی جی بنائی بات بگڑ سکتی تھی شاہی مقررین نے شہنشاہ کو باور کرانے میں تساہل نہ برتا کر نظام الملک کا ایک ہی وقت میں دکن پر اقتدار گجرات اور مالوہ کی (غیاثی) صوبہ داری کے ساتھ ساتھ وزیر بھی ہونا حکومت کے لیے سخت خطرہ کا سبب ہو سکتا ہے۔ مغل تاریخ میں ایک شخص کے ہاتھ میں اس قدر اختیارات کے مرکوز ہو جانے کی کوئی ایک نظیر بھی تو نہ تھی۔ چنانچہ نظام الملک کو دکن کی گورنری سے برطرف کرنے کے اقدامات شروع ہو گئے۔

نظام الملک دکن کو ہمیشہ اپنے خوابوں کی تعبیر سمجھتا تھا اس کی جوانی کا بیشتر حصہ وہیں گزرا تھا اور سیدوں کے قبضہ سے نکالنے کے بعد سے وہ دکن پر اپنی تلوار کے زور پر اپنا حق سمجھتا تھا۔ وہ ایک مترنزل وزارت کے بدلے دکن کے اقتدار کا سودا کرنا نہ چاہتا تھا۔ دکن میں مرہٹوں کی ریڈیو لٹیک کی خبر کی وجہ سے اور اپنے نائب مبارز الملک پر عدم اعتبار کے سبب سے وہ دکن کی طرف لوٹنا نہایت ضروری سمجھتا تھا دکن سے ہٹانے کے لیے اس نے مبارز الملک کا نام کابل کی صوبہ داری کی خالی آسانی کے لیے تجویز کیا تھا۔ 23 دہلی کا سفر تو گویا محض ایک آزمائشی سفر تھا۔ خود اپنی آنکھوں سے دربار کی رو بہ زوال حالت دیکھ کر اور شہنشاہ میں قوت ارادہ کے فقدان کو محسوس کر کے اس نے اپنا الگ راستہ بنانے کی ٹھان لی کیونکہ دربار کی طرف سے کسی قسم کے نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا اور بار کی اصلاح اور حکومت کے امور کو سدھارنے کی کوشش کے بار آور ہونے کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی چکا تھا۔

اپنی پیش کردہ تجاویز کے مسترد کیے جانے کے کچھ عرصے کے بعد نظام الملک نے گفت و شنید کے چارے رکھنے کا بہانہ کیا۔ لیکن یہ بالکل واضح تھا کہ اس نے دکن کو لوٹ جانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ دسمبر 1723 میں راجہ گوجرل، دیوان خالصہ کے فوت ہو جانے پر جو کہ نظام الملک کی طرف سے شہنشاہ سے گفت و شنید کر رہا تھا، مصالحت کی آخری توقع بھی ختم ہو گئی۔ 24 دسمبر 1723 میں نظام الملک اپنی جاگیر آباد اپنی ”تہذیب اکب و ہوا“ کے لیے پہنچا۔ اگرچہ اس نے خبر ارسال کی کہ مرہٹوں نے مالوہ اور گجرات پر حملہ کر دیا ہے، مالوہ اور گجرات اس کے

بیٹے کی صوبہ داری میں تھے۔ چنانچہ اس نے لکھا کہ وہ ان کو پسپا کرنے کی غرض سے ان پر جوابی حملہ کرنے جا رہا تھا۔ جب نظام الملک مالوہ پہنچا تو مرہٹوں نے نردا کو دوبارہ پار کر لیا تھا۔ اسی وقت اس کے پاس یہ خبر پہنچی کہ دکن میں مبارز الملک یعنی اس کے نائب کو گورنر مقرر کر کے نظام الملک کو معزول کر دیا گیا تھا اور اب اس کے خلاف کاغذی اور دوسرے مرہٹہ سرداروں سے لگ بھگ جا رہی تھی۔²⁵ شہنشاہ نے بھی شاہوے سے مشورے شروع کر دیے تھے۔²⁶ اب نظام الملک نے ہر پردہ کو چاک کر کے دکن کا رخ کیا۔

۱۱ اکتوبر ۱724ء کو باجی راؤ کی مدد سے نظام الملک نے اورنگ آباد کے قریب شکر کھڑا کے مقام پر مبارز الملک کو شکست دی۔²⁷ اسی تاریخ سے حیدرآباد کا ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے آغاز ہوتا ہے اور مغل حکومت کی شکست و ریخت کا عمل شروع ہوتا ہے۔

جاٹوں اور راجپوتوں کے معاملات

راجپوتانہ اور صوبہ آگرہ کی سرحدوں پر جاٹوں کے اقتدار راجپوت حکمرانوں کی طاقت اور اہمیت میں روز افزوں اضافہ ہوا اور پچھلے کچھ عرصہ سے نہایت نمایاں صورت اختیار کر گئے تھے۔ ان طاقتوں کے ساتھ سید برادران کے قریبی تعلقات نے اس عمل کو مزید تقویت بخش دی تھی، جس سے جاٹوں اور راجپوتوں میں زبردست اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔

سیدوں کے زوال کے بعد ان عناصر کے ساتھ مغل حکومت کے تعلقات کی نوعیت دوبارہ درباری حلقوں میں ایک خاص موضوع بن گئی تھی جو رامن جاسٹ نے سید برادران کا اس وقت ساتھ چھوڑ دیا تھا جب ان کی قسمت ان سے برگشتہ ہو گئی تھی اور وہ شاہی افواج سے آکر مل گیا تھا۔ لیکن عید اللہ خاں کے خلاف حسن پور کی جنگ کے موقع پر اس نے پھر ساتھ چھوڑ دیا اور شاہی افواج کے عقبی دستہ کے ساز و سامان کو لوٹ لیا۔ اس نے اپنی بے وفائی کے ان طریقوں کو اس کے بعد بھی جاری رکھا اور بندیلوں کی مدد کی جب وہ الہ آباد کے صوبہ دار محمد خاں

بنگش کے نائب دلبر خاں سے دست و گریباں تھے۔ 1721ء میں چوراسن نے سعادت خاں کی الواج کو تاراج کیا جبکہ وہ جو دھپور کے اجیت سنگھ کی سرزنش کے لیے ہارے تھے معاملات اس وقت اور سنگین ہو گئے جب 1722ء میں چوراسن کے بیٹے حکم سنگھ نے پگرہ کے گورخ سعادت خاں کے نائب میل کنٹھ ناگر کو شکست دی اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا سعادت خاں اس وقت آگرہ کا صوبہ دار تھا سعادت خاں کا جاٹوں پر کوئی خوف و ہراس قائم نہ ہو سکا چنانچہ خان دوراں کے مشورے پر 1722ء میں اجیت سنگھ کو ان کے خلاف ہم اقدام کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ 28

اگرچہ جے سنگھ جاٹوں کے قتلہ کو دبانے کے لیے تیار تھا، لیکن اپنی پھلی کشتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے اس وقت تک اقدام کرنے سے انکار کر دیا جب تک اسے آگرہ کا صوبہ دار مقرر نہ کر دیا جائے۔ 1 ستمبر 1722ء کو اس کی خواہش پوری کر دی گئی اور اس کے فوراً بعد ہی جے سنگھ چودہ ہزار سوار لے کر دہلی سے روانہ ہو گیا اس وقت تک چوراسن مرجک تھا اور اس کے بیٹے حکم سنگھ نے جاٹوں کی راہبری کا کام سنبھال لیا تھا۔

جے سنگھ نے جاٹوں کے گڑھ ٹٹن کا محاصرہ کر لیا اور باقاعدہ جنگلات کو کاٹنا ہوا اور میسرہ کو سخت سے سخت تر کرتا ہوا آگے بڑھنا اس میں چند ہفتے گزر گئے۔ 29 یہ کہنا تو مشکل ہے کہ یہ نامرہ کب تک چلتا، لیکن جاٹوں کے درمیان اختلافات شروع ہو گئے۔ حکم سنگھ کا چچا زاد بھائی بدن سنگھ اجیت سنگھ کی طرف آگیا اور اس نے جاٹوں کے دفاع کے کمزور مقامات اس کو بتا دیے۔ اب حکم سنگھ کی صورتحال خطرناک ہو گئی۔ ایک رات اس نے مکانات کو آگ لگا دی، بارود کو نذر آتش کر دیا، جس قدر سبھی نقد اور جواہرات جمع کر سکتا تھا وہ لے کر اجیت سنگھ کے پاس بھاگ کر پہنچ گیا۔ اجیت سنگھ نے اس کو پناہ دی۔ اب جے سنگھ کامیابی کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوا اور اس کو مسما کر دیا اور اہانت کے طور پر زمین پر گرہوں کے بل چلوادے۔ 30

اس فتح کے لیے جے سنگھ کو راجائے راجستھان کا خطاب، 11 لاکھ مالوں، کر

ساتھ صلح کی کیا شرائط قرار پائیں اس کا تذکرہ کسی معاصر کے یہاں نہیں ملتا۔ بدن سنگھ جاٹوں کا سربراہ مقرر ہوا اور چورامن کی زمینداری اس کے قبضہ میں آگئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اہم قلعوں کو تو سمار کر دیا گیا تھا لیکن چورامن خاندان کو اس پورے علاقے سے محروم نہیں کیا گیا تھا جو رفتہ رفتہ انھوں نے حاصل کیے تھے اس کے بعد سے بدن سنگھ اپنے آپ کو عاجزی سے جے سنگھ کا باج گزار لکھتا تھا۔ لیکن وہ ایک اچھا منتظم تھا۔ اس کی متاثرہ سرپرستی میں بھرت پور کا خاندان اگلے بیس سال میں خاموشی اور استقلال کے ساتھ قوت حاصل کرتا گیا۔ اس طرح جاٹوں کی قوت جو عدم پہنچا تھا وہ صرف ظاہری تھا اور اس کی حقیقت کچھ نہ تھی۔

سیدوں کے زوال سے بھی راجپوتانہ کے سیاسی حالات میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہو گئیں۔ سیدوں کے اقتدار کے دوران اجیت سنگھ راجپوتانہ راجپوتانہ میں سب سے اہم راجہ ہو گیا۔ کیونکہ وہ گجرات اور اجیر دونوں کا صوبہ دار تھا۔ جیت سنگھ ہمیشہ ایک اوسط درجہ کا منتظم تھا اور اس کی پچھلی صوبہ داری پر راجہ اور راجہ کے اہل کاروں کے خلاف ظلم و تشدد کی بہت سی شکایات موصول ہوئیں۔ ان شکایات کے پیش نظر 1717ء میں فرخ سیر نے ہد انتظامی 31 کے الزام پر راجہ کو اس کے منصب سے معزول کر دیا۔ لیکن جب اقتدار سیدوں کے ہاتھوں میں آیا تو انھوں نے راجہ کو اس کے پرانے منصب پر بحال کر دیا اور اس کو اجیر کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اجیت سنگھ نے دوبارہ گجرات کے معاملات کو اہل کاروں پر چھوڑ دیا اور عبداللہ خاں کی متعدد اور پر زور سفارتوں کے باوجود جو دھپور کو چھوڑ کر، خود صوبہ کی ذمہ داری سنبھالنے سے انکار کر دیا۔ 32

سیدوں کے زوال کے بعد شہنشاہ نے حیدر علی خاں کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اور خاں دوران کے چھوٹے بھائی مظفر علی خاں کو اجیر کا صوبہ دار مقرر کیا۔ 33

جب اجیت سنگھ نے پرستانہ تیس ہزار افواج لے کر جو دھپور سے روانہ ہو کر اجیر پہنچا بعض ہو گیا۔ اس نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ ان کے مذہبی معاملات میں کوئی دخل اندازی نہ کی جائے گی۔ اس نے شہر کے تمام بااثر لوگوں کو جمع کیا

اور جہان شاہ یعنی شہنشاہ کے والد کا ایک نشان دکھلایا جس کی رو سے اس کو اجیر اور گجرات کی صوبہ داری تاحین حیات بخش دی گئی تھی۔ اس نے شہنشاہ سے بھی درخواست کی کہ اجیر یا گجرات کا صوبہ اسی کے پاس چھوڑ دیا جائے۔ 34

دربار میں صورت حال نہایت ہی زیر و بر تھی، تاہم صوبہ دار مظفر علی خاں دہلی سے چند منزلیں بھی ملے ذکر نے پایا تھا۔ وہ ایک نیا امیر تھا اور اس کے پاس فوج کو جمع کر لینے کے ذرائع موجود تھے شاہی خزانہ خالی تھا۔ پھلی خانہ جنگی میں ہر چند اختتام تک پہنچ گئی تھی۔ فوج کے مطالبات واجب الادا تھے اور سپاہ دل برداشتہ تھی۔ دربار میں گروہوں اور جماعتوں کی کثرت تھی۔ ان تمام حالات کے پیش نظر خان دوراں اجیت سنگھ سے مصالحت کر لینے کے حق میں تھا اور اس کی یہ دلیل تھی کہ اگر وہ میدان جنگ میں ہار سکی گیا تو وہ اپنے وطن مالوت کی پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں جا چپے گا جہاں کوئی بھی اس کا تعاقب نہ کر سکے گا۔ 35 ہالفاں دیگر وہ اس صورت حال سے خائف تھا جس میں 1679 میں اورنگ زیب پھنس گیا تھا۔ ایک دوسرا گروہ جس کا سربراہ حیدر قلی اور کچھ امراء تھے، اجیت سنگھ کو اجیر کی صوبہ داری دینے کے خلاف تھا ان کی دلیل یہ تھی کہ اجیر دہلی سے قریب کا صوبہ تھا اور اس میں مسلمانوں کے متعدد متبرک مقامات تھے۔ اس لیے اس پر ہندو اقتدار مناسب نہ تھا۔

ابھی دربار میں اس معاملہ پر بحث ہو رہی تھی کہ مظفر علی خاں کے فوجی تنخواہیں نہ ملنے کے سبب سے باغی ہو گئے اور ان کے ہاتھ جو آ رہا تھا اس پر قابض ہونے لگے مجبور ہو کر مظفر علی نے اجیر میں پناہ لے لی تھی۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر، ایسے سنگھ کی سربراہی میں رانٹوروں نے شاہی سرحدوں پر بہت لوٹ مار چھائی۔ نرنول میں زمیندار اور مقامی گروہ اس قدر زور آور ہو گئے تھے کہ انھوں نے بغاوت کر دی تھی اور شہر میں لوٹ مار چا رہی تھی۔ اس طرح دربار کی کمزوری سے ہر طرف صورت حال ابتر ہو چلی تھی۔ 36

اب اجیر کی صوبہ داری ایک کشکول بن گئی تھی۔ یکے بعد دیگرے خان دوراں حیدر قلی، اور مرحوم وزیر کے فرزند قمر الدین خاں نے اس آسامی کو قبول کیا

لیکن صوبہ کے انتظام کی قیمت اور دشواریوں سے سب ہی ہراساں ہو گئے۔ بالآخر نصرت خاں بارہ کو اس خالی صوبہ داری پر مقرر کیا گیا۔ اس وقت نظام الملک دکن سے آگرہ کو آ رہا تھا اب اجیت سنگھ نے جوش کی بجائے ہوش مندی سے کام لیا اور وہ فوراً ہی اجیر سے رخصت ہو گیا اور اس نے معافی تلافی کے خطوط لکھے۔ 37ء اس کے اس عمل سے اس کی عزت میں کچھ فرق نہیں آیا کیونکہ اس کے دوست خان دوراں کی سفارش سے اس کو معاف کر دیا گیا اور اسے اجیر کی صوبہ داری پر قائم رہنے کی اجازت مل گئی (مارچ 1722ء) خان دوراں کی منت کے بارے میں صرف اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے۔ اس نے شاید نظام الملک کو اجیت سنگھ کی بغادت کے فرو کرنے کی نیک نانی سے محروم رکھنا چاہا جیسا کہ چند مورخین کا خیال ہے کہ یا اس نے ایک ایسے گروہ کو جو دینے والے کو سوجھا ہے۔ جس کے ہندی نژاد سہلان اور راجپوت بعض امراء کے تنگ نظرانہ اور علیحدہ روی کے رویہ کا مقابلہ کر سکیں۔

چونکہ دربار کی ایک طاقتور جماعت اجیت سنگھ کو شبہ کی نظر سے دیکھتی تھی یہ طے کیا گیا کہ نہر خاں جو سا مہر کا فوجدار اور گجرات کا دیوان تھا اسی کو اجیر کا دیوان بھی مقرر کر دیا جائے اس کو زبردست اختیار دیے گئے تاکہ وہ راجہ کی دست درازیوں کو روک سکے۔ اجیت سنگھ کو نہر خاں سے ازلی نفرت تھی اس لیے وہ اس اقدام سے نہایت برا بیچنے والا اور اس وقت جبکہ وہ راجپوتوں کے درمیان ان کو دوست جان کر خیمہ انگیز ہوا غریب دے کر قتل کر دیا۔ (جنوری 1723ء) 38۔ جب محمد شاہ کو یہ اطلاع ملی تو وہ بہت غضبناک ہوا اور شرف الدولہ کی کمان میں اس نے ایک فوج مقرر کی کہ وہ پرنسپل اجیت سنگھ کو اس کے چوہے کے بل سے بھی نکال کر لائے۔

جے سنگھ اگر دھرم بہادر اور بہت سے دوسرے سرداروں کو جنھوں نے جاٹ مہم کو مکمل کیا تھا ان کی مدد کرنے کو کہا گیا۔ 39۔ اسی اثنا میں حیدر قلی خاں جو نظام الملک کی آمد پر گجرات سے بھاگ آیا تھا دہلی کے نزدیک پہنچا۔ قمر الدین کے مشورہ پر اس کو معاف کر دیا گیا اور اسے اجیر کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔

حیدرقلی بڑی پامردی سے روانہ ہوا وہ سانہر کے راستہ سے جو دھپور کی طرف بڑھا۔ 8 جون 1723ء کو وہ اجیر پہنچائے صوبے دار نے گڑھ پاتلی کا محاصرہ کر لیا۔ ڈیڑھ ماہ کے محاصرہ کے بعد قلعہ والوں نے ہتھیار ڈال دیے۔⁴⁰

اب اجیت سنگھ نے صلح کر لینے ہی کو مصلحت جانا۔ اس نے شاہی سپہ سالار کے پاس ایسے سنگھ کو متعدد ہاتھی اور تحفے تحائف لے کر بھیجا۔ دربار میں خان دولہا راجپوتوں سے دوستی کا ہاتھ بڑھائے رکھنے کو تیار رہتا ہی تھا۔ چنانچہ اجیت سنگھ کو معاف کر دیا گیا اور اس کو اس کے منصب پر بحال کر دیا گیا۔ انفرادی طور پر ہندو خود دربار میں حاضر ہونے سے اس کی معذرت کو بھی قبول کر لیا گیا۔⁴¹ اجیت سنگھ کا لڑکا ایسے سنگھ اپنے باپ کی جگہ دربار میں حاضر ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد 7 جنوری 1724ء کو جو دھپور میں اپنے کسی بیٹے کے ہاتھوں یا زہر دیے جانے سے اجیت سنگھ کے انتقال کی خبر پہنچی۔ اب خان دوراں نے ایسے سنگھ کو راجائے راجیشور کا خطاب اور 7 ہزاری منصب دلوا دیا اور اس کو اپنے باپ کی گدی پر قبا بھض ہونے کے لیے جو دھپور جانے کی اجازت مل گئی۔⁴²

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سیدوں کے زوال سے جو دھپور کے خاندان کو وہ اہمیت حاصل نہیں رہی تھی جو ان کے زمانے میں تھی۔ لیکن اس سے راجپوتوں کی طاقت اور ان کی اہمیت میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ ایسے سنگھ کو پہلے آگرہ کا صوبہ دار مقرر کیا گیا اور اس کے بعد مالوہ کا۔ وہ بخشی خاص خانہ دوراں کا بہت قریبی دوست تھا۔ اور مغل دربار میں دس سال سے زیادہ عرصہ تک اس کا بہت زبردست اثر رہا۔ خان دوراں نے ایسے سنگھ کو بھی اپنی طرف مائل کرنا چاہا کیونکہ ایسے سنگھ راجپوتانہ کا بڑا مقتدر آدمی تھا۔ اس طرح مغل دربار میں راجپوت ایک اہم فرض ادا کرتے رہے۔

دربار سے نظام الملک کی روانگی کا وقت مغل دور حکومت میں ایک دور کے ختم ہونے کی حیثیت رکھتا ہے اس عرصہ میں متعدد حوصلہ مند امرا نے نظم و نسق کو اپنے ہاتھ میں لے کر حکومت کو پارہ پارہ ہونے سے بچایا اور انتظامیہ کے محکموں میں انھوں نے بہت سی اصلاحات بھی کیں۔ نظام الملک کی علیحدگی نے ثابت

کر دیا تھا کہ آئندہ سے حوصلہ مند اور با اثر امرا اپنے اثرات کو اپنے لیے علیحدہ علاقے حاصل کرنے پر صرف کریں گے۔

نظام ہراس سے قبل کا زمانہ وزیروں کے اپنے اثرات کو مضبوط و منضبط کرنے اس عمل کے راستہ میں حائل ہونے والے با اثر افراد اور امراء کی جماعتوں اور حاکم اعلیٰ بزن بادشاہ سے تصادم مول لینے سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن اس کشمکش کی تہ میں ایک اور کشمکش تھی۔ ایک کشمکش ان لوگوں کے درمیان جو اکبر کی وسیع النظری اور قومی اتحاد کی حکمت عملی کا احیاء اور اس کی ترقی چاہتے تھے اور دوسرے وہ لوگ جو اورنگ زیب کے نام سے وابستہ ملیحدگی اور مذہبی تفریق کی پالیسی کو اپنانے چاہتے تھے۔

ان دونوں باتوں کے درمیان کوئی سیدھا سادہ سا تعلق نہیں ہے۔ ذوالفقار خاں اور سید برادران نے ہندو جذبات کو مطمئن کر کے اپنا استحکام و اقتدار چاہا اور اس کے لیے انھوں نے راجپوتوں اور مرہٹوں کو خصوصی طور پر اپنی طرف ملانا چاہا۔ یہ فرض کر لینا صحیح نہیں ہوگا کہ یہ امراء ہمیشہ خود غرضی ہی سے کام لیتے تھے یا یہ کہ یہ لوگ جان بوجھ کر حکومت کے مفاد کے خلاف اپنی خود غرضی کی بناء پر ایک خاص قسم کی پالیسی کو اپناتے تھے۔ ان کو اس ایک سمت میں لے جانے والی طاقت خود غرضی کے ساتھ ساتھ لپنے اصولوں پر یقین بھی تھا کہ وہ صحیح راستہ پر عمل پیرا تھے۔

سید برادران سے اپنے تصادم میں نظام الملک اور محمد امین خاں نے عالمگیری امراء کو مذہب و ملت کے جذبات کا واسطہ دے کر اپنی طرف کھینچنا چاہا۔ حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں آ جانے پر انھیں اسی سبب سے سید برادران کی بہت سی وسیع النظری اور چیلے جوئی کی پالیسیوں کے خلاف عمل کرنا پڑا جتنا چنہ جزیرہ کو دوبارہ نافذ کرنے کی کوشش کی گئی اور ارجیت سنگھ کی سرکوبی کے لیے ہم بھی گئی اس کا مقصد کچھ یہ بھی تھا کہ راجپوتوں کو ان کے مناسب مقام پر ہی ٹھہرے رہنے کا اشارہ دیا جائے۔ لیکن یہ محدود مقاصد بھی حاصل نہ ہو سکے کیونکہ وہ جماعتیں جو راجپوتوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کو اور شرع کے

احکامات نافذ کرنے کو کہتی تھیں وہ کمزور پڑ چکی تھیں۔ یہ بات اہمیت رکھتی ہے کہ عہدِ احمد خاں جو کہ تورانی جماعت کا ستون اور متعصب جماعت کا سربراہ کہا جاتا تھا اس نے بھی نظام الملک کی جزیرہ نافذ کرنے کی تجویز کی مخالفت کی۔

پچھلے ابواب کے بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اورنگ زیب کے نام سے وابستہ پالیسی کو اس کی وفات کے بعد کے چند ہجڑ سالوں میں ترک کر دیا گیا۔ بعد میں اس پالیسی کو دوبارہ زندہ کرنے کی سعی خود مغل دربار میں تقویت حاصل کر سکی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں وسیع النظری کی طاقتیں جتنا باہمی النظری معلوم ہوتی ہیں اس سے زیادہ قوی اور با اثر تھیں اور ہندوستان معاشرہ میں ایک مختصر سے زمانے کے لیے بھی اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی مکمل کامیابی حاصل کر سکی۔

اٹھارہویں صدی کے اوائل ہی میں مذہبی عصیت کا مغل دربار میں شکست کھا جانا بڑے دور رس نتائج رکھتا ہے۔ اس سے مغل دربار میں مشترک تہذیب کے بانیوں میں سے مانا جانے لگا جس میں ملک کے مختلف عناصر کے اثرات کا امتزاج کیا گیا تھا۔ یہ ایک ایسا تمدن تھا جس کی نشوونما میں ہندو مسلمان برابری کے شریک تھے۔ مغل دربار کی تمدنی حیثیت میں بہت اضافہ ہوا اگرچہ اس کی سیاسی حیثیت میں زبردست زوال آیا۔ اب تمدنی عمل کے دو نشانات تسلیم کیے گئے، ایک اردو زبان اور ایک شہنشاہ محمد شاہ۔ ولی کے وقت سے دکنی اردو مغل دربار میں اپنی بہترین شکل میں نمودار ہوئی اور یہ گویا ہندو اور مسلمانوں کا ایک نشان اشتراک بن گئی تھی۔ محمد شاہ نے فنون لطیفہ خصوصاً سنگیت کو بہت ترستی دی۔ اب پورے ہند معاشرے کے لیے دربار گویا تہذیب و تمدن کا ایک اعلیٰ نمونہ بھی بن چکا تھا۔

یہ عوامل سیاست پر اثر انداز ہوئے بغیر رہ سکے شمالی ہندوستان کے اعلیٰ طبقہ کے ہندو اور مسلمانوں میں اس کی وجہ سے نہایت پُر خلوص تعلقات ہو گئے۔ اس سے مرہٹوں اور مغل حکومت کے درمیان جو پرانے زمانہ سے تنازعہ چلا آ رہا تھا وہ فرقہ وارانہ مشکل اختیار کر سکا۔

حاشیے

- 1 بحوالہ خفی خاں۔ 911، 938، شیو داس 133، کام ور 444۔
 - 2 بحوالہ دارر (نسخہ حیدرآباد) صفحہ 399، خفی خاں 940
 - 3 بحوالہ اقبال 130
 - 4 بحوالہ اقبال 131، خفی خاں 936، کام ور (اندراج مورخہ 24 دسمبر 1720ء) شیو داس نے بے سنگمہ اور گڑھ سنگمہ کی مرضی کی نقل دی ہے (نسخہ پٹنہ 40 339) اقبال مزید لکھتا ہے کہ ”شرح کا لٹا کاتے ہوئے بے سنگمہ نے اپنی جاگیر دل اور زیداروں بیشتر محال جزیرہ کے بھلے دے دیے تھے“ مزید مطالعہ کے لیے دیکھئے مصنف ہذا کا مقالہ ”اورنگ کے عہد کے بعد جزیرہ“ انڈین ہسٹری کانگریس روردار 1946ء
- صفحات 27 - 20
- 5 بحوالہ ڈفرن جلد اصفہ 473، منظر 307، ریاست 160
 - 6 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی۔ جبر 30 صفحہ 266۔ بظاہر جبر 10 صفحہ 5 میں اسی ملاقات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ تفصیلات موجود نہیں۔ نظام الملک نے پہلے ہی شاہو سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ حسین علی کی رعایات کو تسلیم کرے گا اور 3 دسمبر 1720ء کو اس نے خود اپنے دستخطوں سے ان رعایتوں سے متعلق اسناد جاری کیں۔ اس نے متعدد ان تھانوں کو واپس لینے کے احکامات جاری کئے جن کا وہ دعوے دار تھا (مزید ملاحظہ ہو روردار انڈین ہسٹری ریکارڈس کمیٹس روردار نمبر 27 صفحات 10-209 -
 - 7 بحوالہ مرآۃ جلد اصفہ 37۔ حیدر علی کے نائب، مہر علی خاں کو خوف تھا کہ اجیت کو بحال کر دیا جائے گا وہ کمہیاات سے ایک فوج کے ہمراہ آیا اور اس نے اجیت سنگمہ کے نائب مہر خاں کو معزول کر دیا اور اس کے دیوان انوپ سنگمہ کو بھی۔ اجیت کو باقاعدہ طور پر رجب 1133ھ مطابق سنی 1720ء تک یعنی محمد امین خاں کی وفات تک اس کے عہدے سے برطرف نہیں کیا گیا۔
 - 8 خان سامان، سعد الدین خاں کے ایک خط میں، نظام الملک نے تحریر کیا، ہمارے اور

اتحاد الدولہ (محمد امین خان) کے درمیان معاہدہ کی رو سے بہتر تو یہ تھا کہ سو عمر الذکر وزارت کا مدعی دہونا تھا اس معاہدہ کو پس پشت ڈال دینا ہمارے لیے قابلِ نفیر تھا لیکن اہم اہل اللہ سے رشتہ داری کی صورت میں ہم نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھا اور اس کو برداشت کیا۔ (بحوالہ آصف خاں صفحہ 40 - 139)

9 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی نمبر 14 صفحہ 47 رستم علی نے اس کا نام لاہر واپسی کی پناہ گاہ رکھا تھا۔ (تاریخ ہندی صفحہ 535)۔

10 بحوالہ مرآۃ جلد 5-4، معاصر الامراء جلد 3 صفحہ 746 اس زمانے میں عبدالغفور دنیا کا رئیس ترین جلاذ مشہور تھا۔ یہ عبد اللہ خاں کی سیرت کے لیے قابلِ تمسین امر ہے کہ اس نے بغیر اپنے لیے ایک پیسہ بھی قبول کیے ہوئے، عبدالغفور کی جائداد اس کے بیٹے کو پوری کی پوری لوٹا دی۔

11 بحوالہ غفری خاں 940 - دارد 43 - معاصر الامراء جلد 3 صفحہ 746

12 بحوالہ شیو داس 154، دارد 43، غفری خاں 940

13 بحوالہ دارد 8-7 مرآۃ جلد 2 صفحہ 47 - 45: غفری خاں، 94، 946، شیو داس 143، شا کر 16

14 غفری خاں 947 ستمبر 1722ء میں گردھرنے نظام الملک کی جانشینی کی (کام در)

15 غفری خاں 962، 963 - حد بقتہ 136 - ریاست 163

16 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد 30 ستمبر 310 22: جلد نمبر 4 - غفری خاں 946 راجا وارث

2 صفحہ 48

17 کام در صرت یہ تحریر کرتا ہے کہ 25 مئی 1723ء کو سروجنج کے مقام پر نظام الملک نے عظیم اللہ خاں کو مالود کا نائب صوبہ دار مقرر کیا۔ غفری خاں اس سلسلے میں خاموش ہے۔

18 بحوالہ غفری خاں 946 مرآۃ جلد 2 صفحہ 48

19 بحوالہ غفری خاں 947، دارد 47، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری کانسرو 9-8 سیر 158

20 اور کے حوالے دیکھئے۔ غفری خاں کہتا ہے کہ نظام الملک محمد حسین افغانہ کے ذریعہ امصہان سے نکلتے ہوئے صفحہ 84 ان کو بھاگ کرنے کے لیے ہم آغا کر کرنے کی فکری میں ہو، نظام الدین (جلد 3 صفحہ 132) بھی کہتا ہے کہ ایسی جوہر نظام محمد حسین ممتاز طبیعت کے خلاف معلوم ہوئی

ہے۔ شاید اس قسم کی کوئی سہم ہی گھٹو ہوئی ہوگی۔ اصفہان کا 21 اکتوبر 1722 کو زوال ہوا
دلی میں یہ خبر 10 مارچ 1723 کو پہنچی۔ نظام الملک گجرات کے لیے دسمبر 1722 میں رواد
ہو گیا اور جولائی 1723 کو واپس ہوا۔ دربار میں اس کی صورت حال پہلے ہی سے کچھ مشکوک
تھی اس لیے اس بات کا یقین نہیں آتا کہ اس نے سبیدگی سے اس تجویز پر سوچا ہوگا۔

- 21 وارد۔ 643 دشیو داس 150، 153 رخصی خاں 940
- 22 وارد۔ 40 (اد۔ پی۔ ال کانسو) اور خفی خاں 949
- 23 دیکھئے معام الامرار جلد 3 صفحات 36-735
- 24 بحوالہ خفی خاں 949 دکام در 267
- 25 جے پور ریکارڈس (متفرقات جلد 5 صفحہ 75) وارد جلد 5 صفحہ 12
- 26 ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد 10 خبرات و دیکھئے کامضف باقی راؤ صفحہ 13
- 28 بحوالہ شیو داس واردن جلد 2 صفحات 21-120
- 29 بحوالہ کاغذات واقعات و احوال ہمارا
- 30 بحوالہ اخبارات۔ ارون (جلد 2 123) طعن کے زوال کی تاریخ 18 نومبر لکھتا ہے
- 31 دیکھئے اصل کتاب کا صفحہ 127 جو اس سے قبل ہے
- 32 حوالہ بال کند نامہ 29، 5-33 یہ واقعہ رجب 1233ھ مطابق مئی 1721ء کا
ہے صاحب مرآۃ کے مطابق ایک افواہ یہ تھی کہ اجیت سنگھ کو اجیر کا صوبہ دار رہنے دیا
جائے گا۔
- 33 بحوالہ سیر صفحہ 453 تاریخ مظفری 317 جی 938۔ (مندیب) مرآۃ جلد 2 صفحہ 38۔
- 37 اقبال صفحہ 375
- 35 36۔ انہیں جواہر کو دیکھئے۔
- 36 بحوالہ خفی خاں صفحہ 938 سیر 54-453 ایلٹ کہتا ہے (بحوالہ جلد 7 صفحہ 517)۔
کہ نظام الملک نے اجیت سنگھ کو سخت سرزنش لکھی۔ لیکن یہ خفی خاں کے مندرجہ الفاظ کا
ایک غلط ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔ ”دریں زمانہ اخبار آمدن نظام الملک نے اس بات پر اظہار
طال کیا کہ اجیت سنگھ کی بغاوت سے اس قدر مہم پوشی کی گئی۔ (حوالہ تاریخ ہندی)

- 38 مرآة جلد 2 صفحہ 38
- 39 جے پور ریکارڈس کے خطوط
- 40 بجوال کا مور بھارت منڈل کا نسخہ صفحات 66 - 264 تاریخ ہندی 497 دارون
- جلد 2 صفحہ 114
- 41 ادیب کا حوالہ ملاحظہ ہو۔
- 42 بجوال تاریخ مظفری 337
-

باب ہفتم

مرہٹوں کی شمالی ہند کی طرف پیش قدمی مرہٹوں کی توسیع پسندی کی پالیسی

اٹھارہویں صدی کی ابتدائی تین دہائیوں میں راجپوتوں اور مرہٹوں کے اندرونی و بیرونی حالات میں اہم تبدیلیاں ہوئیں اس زمانے میں راجپوت و مرہٹہ دونوں ہی طاقتوں کی ترقی ہوئی اور مغلوں کے ساتھ ان کے تعلقات میں کافی تبدیلی آئی۔ ساتھ ہی دونوں میں اندرونی کشمکش رہی جس کا اثر اس دور کی سیاست پر پڑا۔ دونوں کی اندرونی تنظیم میں بھی تبدیلی آئی۔

بہادر شاہ کے دور حکومت کے ادوار میں راجپوتوں اور مغلوں کے تعلقات پر تبصرہ ہم ایک گزشتہ باب میں کر چکے ہیں۔ بہادر شاہ کے انتقال کے بعد جہاندار شاہ و فرخ سیر کے ذریعے راجپوت راجاؤں کو دی گئی مراعات اعلیٰ عہدوں اور منصبوں وغیرہ کا بھی ہم تذکرہ کر چکے ہیں۔ ان رعایتوں کی وجہ سے اورنگ زیب کے زمانے سے چلی آ رہی راجپوتوں کی مصطلح جدوجہد اور مغلوں کی طرف سے بے چینی عام طور سے ختم ہو جاتی ہے۔ نئے دور میں راجپوت راجاؤں کے مطالبات کی مشکل پہلے سے مختلف ہو جاتی ہے۔ اب راجپوت راجاؤں کی اپنی اپنی اعلیٰ خواہشات زیادہ اہم ہو جاتی ہیں۔ ان کا اثر ایک جانب ان کے اندرونی مسائل پر پڑتا ہے اور دوسری جانب مغلوں اور مرہٹوں کے ساتھ ان کے تعلقات پر پڑتا ہے۔ عزت و احترام ذرائع اور جنگی طاقت سبھی کے نقطہ نظر سے میواڑ ریاست راجپوتانہ میں سب سے اعلیٰ سمجھی جاتی تھی۔ پورا رامنڈل وغیرہ پر گونوں کی ملکیت کے سوال کو لے کر اورڈو ونگر پورا بانسواڑہ وغیرہ ریاستوں کی وراثت کے معاملے پر 1712ء تک میواڑ اور مغل بادشاہ کی کشمکش بیان کی جا چکی ہے۔ 1710ء میں مہاراجہ امر سنگھ کی موت کے بعد پورا رامنڈل وغیرہ کو مہاراجہ سے لے کر رہنما س خاں میواڑی اور اندرسنگھ کو دینے کی ناکام کوشش کی گئی مہاراجا کے ساتھ جنگ میں رہنما س خاں کا انتقال ہونے سے ناراض ہو کر بہادر شاہ نے سکرام

سنگھ ثانی کو ٹیکہ نہیں دیا۔ فرخ سیر کے تخت نشین ہونے پر سیدوں کے کہنے سے ہمارا ہا کو 7000 / 7000 کا منصب اور آٹھ کروڑ دام انعام میں عطا کیے گئے۔ اسی وقت پورا منڈل وغیرہ پھر سے اسے جاگیر میں دے گئے اور مہارانا کے ڈوٹنگر پور بانسواہ وغیرہ سے پیش کش وصول کرنے کے حق کو بھی منظور کر لیا گیا۔

اس طرح مغلوں کے لیے ہمارا ہا کے دل میں جو بے مینی تھی اس کی خاص وجوہات دور ہو گئیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمارا ہا کی اولو العزلی بھی بڑھی۔ پڑوسی ریاستوں پر میواڑ کا تسلط قائم کرنے کی خواہش میواڑ کے راجاؤں میں بہت پرانی تھی۔ مالوہ کے کئی راج گھرانے بھی سسودیہ خاندان کے تھے۔ مالوہ کے شمال مغربی حصے میں کوٹ اور دیولیا (پرتاپ گڑھ) ریاست کے درمیان قائم راسپورہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی جس کے اوپر سسودیوں کی چند رات کسانپ کی حکومت تھی۔ یہ ریاست مالوہ و میواڑ کے درمیان ایک کڑی یا ڈھال کی شکل میں تھی۔ اکبر سے پہلے راسپورہ میواڑ کی ریاست کا حصہ تھا لیکن اکبر نے وہاں کے حاکم کو خود مختار حاکم بنا دیا تھا اور رنگ زیب کے دور حکومت میں راسپورہ کے گویال سنگھ اور اس کے بیٹے رتن سنگھ کے جھگڑے کی وجہ سے رتن سنگھ سلمان بن گیا تھا اور اسلام خاں کے نام سے راسپورہ لے دے دیا گیا۔ گویال سنگھ نے کوٹ کے راجا رانے سنگھ ہاڑہ کے بیٹے بھیم سنگھ کی مدد سے راسپورہ پر اپنا قبضہ جمانے کی ناکام کوشش کی اس کے بعد گویال سنگھ جگہ جگہ بھٹکتا رہا اور آخر میں اس نے ہمارا ہا کی پناہ لی۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔

1708ء کے معاہدے سے اجیت سنگھ، جیسے سنگھ اور ہمارا ہا نے گویال سنگھ کو راسپورہ کی گدی پر بیٹھانے کا فیصلہ کیا اس کے مطابق ہمارا ہا نے گویال سنگھ کے ہمراہ راسپورہ پر ایک فوج بھیجی لیکن گویال سنگھ پھر ناکام رہا۔

1708ء میں اودے پور میں تینوں مخصوص راجپوت راجاؤں کے معاہدے

کا راجستھان کی تاریخ میں ایک خاص مقام ہے لیکن اس اہمیت کا صحیح اندازہ مورخین نے نہیں کیا۔ حقیقت میں اس معاہدے کے دو پہلو تھے۔ ایک پہلو تھا راجاؤں کو مل کر اپنی اپنی ریاستوں کو مغلوں کے تسلط سے آزادی دلانا اور اپنی ریاست پر اپنا قبضہ جمانا۔ دوسرا پہلو راجستھان کی اندرونی سیاست سے متعلق تھا

اپنی بیٹی چند کنور ہائی کی شادی بے سنگھ کے ساتھ کر کے مہاراجا اس کے ساتھ خصوصی تعلق قائم کرنا چاہتے تھے بے سنگھ کے اختلال کے بعد اس شادی کا نتیجہ بے پور ریاست کے لیے خطرناک ثابت ہوا تو بھی اس معاہدے کا یہ مقصد نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رانا امر سنگھ کو راجستھان میں اپنی حیثیت کو مضبوط کرنے کے لیے اور اپنی دوسری اہم خواہشات کو پوری کرنے کے لیے کسی دوست کی ضرورت تھی۔ کئی وجوہات کی بنا پر وہ اجیت سنگھ کو اپنا دوست نہیں بنا سکتے تھے۔ میواڑ اور ماروار ریاستوں میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے اور حسد کا جذبہ رویتی تھا خاص طور سے دونوں ریاستیں گوڑوار کے برگنے پر اپنا قبضہ جمانا چاہتی تھیں۔ فوجی و مالی نقطہ نظر سے یہ برگہ دونوں کے لیے اہم تھا جو نت سنگھ کے دور میں یہ برگہ اس کی جاگیر میں تھا۔ جو نت سنگھ کی موت کے بعد یہ برگہ خالص ہو گیا۔ حالانکہ رانا راج سنگھ نے اجیت سنگھ کا پورا ساتھ دیا۔ خفیہ طریقے سے درگا داس نے بہادر شاہ کے ساتھ گوڑوار کا برگہ اجیت سنگھ کو دینے کی بات شروع کر دی اس سے گوڑوار کے بارے میں کش مکش پھر شروع ہو گئی۔ ساتھ ہی ساتھ ان دونوں ریاستوں کی دشمنی بڑھنے کی وجہ خود درگا داس بن گیا۔ اجیت سنگھ کے ساتھ جھگڑے میں درگا داس کو مہاراجا کی پشت پناہی حاصل تھی 1708ء کی راجپوت جنگ میں درگا داس نے سارے کام اجیت سنگھ کے حکم سے نہیں رانا کی ایما سے کیے درگا داس اور رانا کے حاصل ہونے والے عہد و کتابت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

رفتہ رفتہ بے سنگھ اور اجیت سنگھ میں بھی کشیدگی بڑھتی گئی اور بے سنگھ اور رانا کی دوستی مضبوط ہوئی گئی۔ 1713ء میں مارواڑ کی جنگ کے وقت بے سنگھ نے اجیت سنگھ کے غلات حسین علی کا ساتھ دیا۔ رانا نے بھی ایک فوج بھیج کر حسین علی کی ہی حمایت کی۔ اس طرح اجیت سنگھ اکیللا رہ گیا۔ آخر فرخ سیر کے دور حکومت میں راسپورہ پر بھی رانا سنگرام سنگھ کا تسلط قائم ہو گیا اس کا پس منظر یہ تھا کہ 1712ء میں رتن سنگھ مالوہ کے صوبہ دار امانت خاں کے ساتھ جنگ کرتا ہوا مارا گیا گویا سنگھ نے مہاراجہ کی مدد سے راسپورہ پر اپنا

قبضہ جمایا لیکن مہارانا نے گوپال سنگھ کو ریاست کا ایک چھوٹا حصہ ہی دیا اور زیادہ تر حصہ میواڑ ریاست میں ملا لیا۔ راجپوتوں نے اس کو کچھ وقت قبل اجمیت سنگھ کو چھوڑ کر مہارانا کی خدمت میں چلا گیا تھا۔ رامپورہ کا حاکم بنا دیا گیا۔ 1717ء میں سید برادران کے توسل سے مہارانا نے فرخ سیر سے رامپورہ کی زمینداری اپنے نام لکھا لی۔ کچھ کشمکش کے بعد گوپال سنگھ نے رانا کا دست بھر ہونا قبول کر لیا۔ اور اس کے بدلے رانا نے اسے رامپورہ کا تقریباً نصف حصہ جاگیر میں دے دیا۔ لیکن ساتھ ہی گوپال سنگھ کو میواڑ ریاست کی خدمت گزاری میں یہ وعدہ کرتا ہڑاکر وہ مہارانا کا حکم ماننے کا اور دوسرے ٹھاکروں کی طرح ان کے دربار میں تہواروں وغیرہ پر حاضر ہوگا۔

اس طرح میواڑ ریاست کی طاقت اور حدود دونوں میں ترقی ہوئی ہے سنگھ کی دوستی کی وجہ سے ہی رفتہ رفتہ رانا سنگرام سنگھ نے سید برادران سے مدد مانگ لیا جیسا کہ اس سے قبل بتایا جا چکا ہے۔ سید برادران کے زوال کے بعد رانا جے سنگھ کی دوستی اور بھی مضبوط ہو گئی 26 1725ء میں جے سنگھ کے اشارے سے ایڈرا اور سروہی پر بھی مہارانا کا قبضہ ہو گیا۔ دونوں پرگوں پہنچی کسی زمانے میں میواڑ کا تسلط تھا لیکن اکبر کے دور حکومت سے قبل یہ پرگنے میواڑ سے الگ ہو گئے تھے اس طرح رانا ساکھا کے بعد سنگرام سنگھ ثانی کے دور حکومت میں میواڑ ریاست کا عروج انتہا کو پہنچ گیا۔

رانا جے سنگھ کی دوستی کا اثر راجستھان کی بیرونی و اندرونی سیاست پر پڑا۔ مغل دربار کی جانب سے میزبانی خانہ دوراں نے ان دونوں راجاؤں کے ساتھ خصوصی دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی۔ راجپوتوں کی جانب سے بھی ان دونوں راجاؤں کی پالیسی میں بڑا تاثر ملا۔ لیکن ان راجاؤں کی دوستی کے لیے مصیبت تب آن پڑی جب 1726ء میں جے سنگھ کا رانا کی بیٹی چندر کنور سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس سے قبل دوسری رانیوں سے جے سنگھ کے دو بیٹے پیدا ہو چکے تھے۔ 1729ء کے معاہدے کے مطابق رانا اس بات کے لیے بعد ہو سکتا تھا کہ گدی کا وارث رانا کے نواسے نامہ جے سنگھ کو بنایا جائے۔ ممکنہ خدانہ جگہ

کے ٹائٹل کے لیے جے سنگھ نے رانا سے یہ درخواست کی کہ وہ 1709ء کی صلح پر
 ضد نہ کریں اور رامپورہ کی ریاست مادھو سنگھ کو دے دیں یہ دونوں تہاویز مہارانا
 کے لیے قبول کرنا آسان تھیں لیکن جے سنگھ کی دوستی کو ذہن میں رکھتے ہوئے
 اور راجستھان میں امن بنانے رکھنے کے مقصد سے آئندہ 1722ء میں سنگرام سنگھ
 نے ان تہاویز کو قبول کر لیا مادھو سنگھ کو رامپورہ کی ریاست دے کر اس کا رانا
 کے سردار کی حیثیت سے اعلان کر دیا گیا اور جے پور کی گدی پر جے سنگھ کے
 بڑے بیٹے ایشوری سنگھ کا حق تسلیم کر لیا گیا مہارانا کے اس دوراندیش فیصلے
 کا یہ اثر ہوا کہ بنیادی طور سے 1742ء تک راجستھان خارجہ جنگی سے بچا رہا اور مرہٹوں
 کو راجستھان میں مداخلت کرنے کا بہت کم موقع ملا مادھو سنگھ کے بارے میں
 پالیسی بدلتے کی ذمہ داری خاص طور سے سنگرام سنگھ کے وارث رانا جگت
 سنگھ ٹالپر ہے اور کسی حد تک ایشوری سنگھ پر۔

میواڑ ریاست کی طرح اس زمانے میں امیر ریاست کی سرحدوں اور
 طاقت میں بھی بہت ترقی ہوئی کچھاواراجاؤں کے پاس ایک یا دو پرگنوں سے
 زیادہ اپنی ریاست میں کبھی نہیں رہتے کچھاواراجاؤں کو شاہی منصبوں کی بنیاد
 پر راجستھان میں یا اس کے باہر بڑی بڑی جاگیریں ملا کرتی تھیں۔ جے سنگھ نے
 اپنی ریاست کی سرحدوں کو بڑھانے کے لیے امیر کے پاس کے بہت سے
 پرگنوں کو بادشاہ سے اجارہ استمرار پر لے لیا رفتہ رفتہ یہ سب پرگنے جے پور
 ریاست کے حصے بن گئے۔ اس طرح پرگنے امر سرتھان، لالپور وغیرہ جو اس زمانے
 میں اجارہ استمراریں پے گئے بعد میں جے پور ریاست کے حصے بن گئے۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ اپنی سرحد پر جاٹوں کی قوت کا بڑھنا امیر کے راجاؤں کو
 پسند نہیں تھا ساتھ ہی اگر وہ وین پوری کے قریبی علاقوں پر وہ اپنا تسلط قائم
 کرنا چاہتے تھے لیکن 1717ء میں سید محمد اللہ خاں کی خفیہ مخالفت کی وجہ
 سے جے سنگھ جوڑا سن جاٹ کو ہرانے میں ناکام رہا تھا۔ سید برادران اور بادشاہ
 محمد شاہ کی کشمکش کے وقت جوڑا سن نے دونوں جماعتوں کو لوٹا تھا اس نے
 بہت سے شاہی علاقے دبا لیے تھے 1721ء میں اس کے بیٹے حکم سنگھ نے اگرے

کے نائب صوبے دار نیل کنٹھ ناگر کو جنگ میں مار ڈالا تھا اس لیے اپریل 1722ء میں خان دوراں کی گزارشش پر جاٹوں کے خلاف ہم کی قیادت جے سنگھ کو سونپی گئی۔ لڑائی میں کوئی... رکاوٹ نہ پڑے اس لیے جے سنگھ نے اگرہ صوبے کی صوبے داری کا مطالبہ کیا۔ ستمبر 1722ء میں جے سنگھ کو اگرہ صوبے کا مقرر کیا گیا اس کے تھوڑے دنوں بعد ہی جے سنگھ نے جاٹوں کے خلاف ہم کے لیے کوچ کیا۔

جے سنگھ نے راجا گردھربھادرنار، اور چھل کے راجا ہمارا ڈاجیت سنگھ، گج سنگھ، نروری اور مظفر خاں کے ساتھ پندرہ سولہ ہزار سواروں کو ہمراہ لے کر کوچ کر کے تھون کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اپنے پچھلے تجربے سے فائدہ اٹھا کر جے سنگھ نے تھون کے آس پاس کے جنگلوں کو کٹوا ڈالا تاکہ جاٹوں کو ان میں چھپنے کا موقع نہ ملے جے سنگھ کی ہم سے قبل ہی چوڑا من جاٹ کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا حکم سنگھ اس وقت جاٹوں کی قیادت کر رہا تھا۔ خاندانی جنگوں کی بنا پر اس کا چچا بھائی بدن سنگھ اس سے پہلے ہی مغلوں سے جا کر مل گیا تھا۔ وہ تھون قلعے کی سبھی کمزوریوں سے واقف تھا۔ اسی کے اشارے پر جے سنگھ تقریباً ایک ماہ کی محاصرہ کے بعد ہی تھون جیسے طاقتور قلعے کو فتح... کرنے میں کامیاب ہوا۔ اچھی شکست کو قریب دیکھ کر ایک رات حکم سنگھ نے اپنی بارودیں آگ لگا دی اور اپنے ہمراہ جو اہرات و خیرہ کے ساتھ چپ چاپ بھاگ گیا۔ 15 نومبر کو جے سنگھ قلعے میں داخل ہوا جاٹوں کی طاقت کم کرنے کے لیے اس نے تھون کے قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس زمین پر گدھوں سے بل چلوا دیا۔ جاٹوں کی شکست کی خاص وجہ ان کی آپسی ناچاقی اور حکم سنگھ کی بے علی سمجھی جاہلیہ سیاسی حالات بھی جے سنگھ کے حق میں تھے۔

اس فتح سے مغل بادشاہ بہت خوش ہوا اور جے سنگھ کا احترام بہت بڑھ گیا۔ دربار میں لوٹنے کے بعد اسے ”راجائے راجیشور“ کے خطاب سے نوازا گیا۔ جاٹوں کے اوپر اس کا تسلط رکھنے کی نیت سے جاٹوں کا علاقہ جے سنگھ کو جاگیر میں دے دیا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تمام علاقہ امیر ریاست کا حصہ بن

گیا۔ جے سنگھ اور بدن سنگھ جاٹ کے تعلقات کے بارے میں مورخین کے بہت سے مبالغہ آمیز خیالات ہیں۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جے سنگھ کی گزارش پر بدن سنگھ کو چوڑا من جاٹ کی جگہ پر جاٹ علاقے کی زمینداری دے دی گئی۔ ایک دستاویز سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بدن سنگھ نے جے سنگھ کو اس زمینداری کے لیے 83000 ہزار روپیہ پیش کش میں دینا قبول کر لیا تھا۔ کسی جاگیر دار کو کسی بڑے زمیندار کے ساتھ اس قسم کا معاہدہ کرنا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس کا مطلب محض اتنا تھا کہ جاٹ علاقوں میں گاؤں در گاؤں مال گزاری طے کرنے کی ذمہ داری جے سنگھ یا شاہی افسروں پر نہیں ہوگی۔ کسی خود مختار زمیندار کی طرح بدن سنگھ اس علاقے کی مالگداری کے عوض میں طے شدہ رقم وہاں کے جاگیر دار کو دیتا رہے گا۔ بدن سنگھ دھہرے کے موقع پر جے سنگھ کے دربار میں جایا کرتا تھا اور جے سنگھ نے اسے ٹیکہ نشان، نقارہ اور منج رنگی پرچم وغیرہ دئے تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ بدن سنگھ جے سنگھ کے دیگر سرداروں کے برابر ہو گیا تھا۔ یہ سب کچھ جے سنگھ کی جانب احسان مندی ظاہر کرنے اور احترام دینے کی غرض سے ہی کیا گیا تھا۔ لیکن اس شک نہیں کہ بدن سنگھ کے کام امیر ریاست کے بڑھتے ہوئے اثر کا ایک کھلا اعلان تھے اور اس کے برعکس میں جے سنگھ کو بہت سے شاہی علاقوں کو امیر ریاست میں ملانے کا موقع ملا تھا۔

جے سنگھ نے اپنا حلقہ اثر ہاڑوٹی پر بھی بڑھانے کی کوشش کی بوندی کو ٹریاست کے پڑانے جھگڑوں کا تذکرہ ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں سیدوں کے تعاون سے کوٹ کے حکیم سنگھ نے بوندی پر بھی قبضہ جمایا تھا بدھ سنگھ جے سنگھ کے پاس جو دھ پور چلا گیا تھا سیدوں کے زوال کے بعد بوندی پر پھر سے بدھ سنگھ کا قبضہ ہو گیا بوندی پر اپنا اثر قائم کرنے کی نیت سے جے سنگھ نے اپنے دودھ شریک بھائی ناگر اچ گو بدھ سنگھ کا دیوان بنا کر بھیج دیا۔ ریاست کا سارا انتظام ناگ راج کے ہاتھوں میں آ گیا بدھ سنگھ کی رائی (اپنی بہن) کے احتجاج پر جے سنگھ نے ناگ راج کو بوندی سے واپس بلا لیا لیکن جے سنگھ بوندی کے معاملات میں مداخلت کرتا رہا کچھ دنوں بعد بدھ سنگھ کو حکومت کے لیے نااہل بتا کر جے سنگھ نے

بوندی پر حملہ کر دیا اور بدھ سنگھ کو ہٹا کر اس کے ایک چھائیگر دار رانا سالم سنگھ کے بیٹے دلیل سنگھ کو اپنی حکمرانی میں بوندی کی گدی دے دی۔

جے سنگھ کے حملہ کا نتیجہ اس کے یا بوندی کے لیے اچھا نہیں رہا کچھ مدت تک بوندی پر جے سنگھ کا اثر رہا لیکن اس کی بہن کچھوانی رانی نے اپنے بھائی سے انتقام لینے کا عہد کیا اس سے قبل کوٹ کے راجہ دُرجن سنگھ کے خلاف اس کے بھائی شیاہ سنگھ کو جے سنگھ نے مدد دی تھی اس لیے دُرجن سنگھ نے کچھوانی رانی کی طرف داری اور حمایت کی بدھ سنگھ نے رانا سنگرام سنگھ سے مدد مانگی۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی جے سنگھ کے خلاف کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ آخر میں ان حالات کا فائدہ اٹھا کر مرہٹوں کو ہار دتی اور راجستھان میں داخل ہونے کا اچھا موقع مل گیا۔

اگرے کے علاقے اور ہار دتی کے علاوہ ایک دوسرے علاقہ مالوہ میں بھی جے سنگھ کی بڑی دلچسپی تھی۔ بہادر شاہ کے دور حکومت میں جے سنگھ نے مالوہ کی صوبہ داری کا بار بار مطالبہ کیا تھا آخر میں بہادران کے ہاتھوں میں طاقت آ جانے کے بعد 1713ء میں جے سنگھ کو مالوہ کا صوبے دار مقرر کیا گیا تھا جے سنگھ نے حکومت کا کام بڑی مستعدی سے کیا تھا اور 1715ء میں اس نے مرہٹوں کو بڑی طرح شکست دی تھی۔ اس کے بعد تقریباً دو سال تک مرہٹوں کو مالوہ میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں فرخ سیر کے اصرار پر جے سنگھ کو مالوہ چھوڑ کر دتی آنا پڑا تھا۔ اس کی غیر حاضری میں مرہٹوں نے دوبارہ مالوہ پر حملے کرنے شروع کر دیے تھے۔ حالانکہ فرخ سیر نے جے سنگھ سے وعدہ کیا تھا کہ مالوہ کی حفاظت کے لیے وہ کسی بڑے امیر کی قیادت میں ایک بڑی فوج تعینات کرے گا اور وہ اس کے تعاون سے کام کرے گی لیکن 1717ء میں بغیر کسی اطلاع کے اس نے مالوہ محمد امین خاں کو سونپ دیا یہ بات جے سنگھ کو بہت ناگوار گزری۔

اکتوبر 1729ء میں جے سنگھ دوبارہ مالوہ کا صوبے دار مقرر کیا گیا اس سے قبل بھی وہ مالوہ کے معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا اور اس کے بارے میں مرہٹے اور مغل بادشاہ کے ساتھ خفیہ بات چیت کر رہا تھا اس کا پس منظر یہ تھا کہ نظام کے دلی چھوڑ کر چلے جانے کے بعد نظام اور مغل بادشاہ دونوں نے اپنے آپ کو

مضبوط کرنے کے لیے مراٹھوں سے مدد مانگی حالانکہ شاہو نے اس جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا تھا الگ الگ سرداروں نے اس مسئلے پر دو ٹو فریقین سے بات چیت شروع کر دی۔ پیشوا باجی راؤ نے جیسا کہ کہا جا چکا ہے نظام کا ساتھ دینا بادشاہ نے کانوجی بھونسلے وغیرہ سرداروں کے ساتھ بے سنگمہ کے توسل سے بات چیت شروع کی۔ کانوجی بھونسلے نے نظام کی فتح کے بعد لکھا۔ ”بادشاہ کے فرمان کے مطابق اور اس بلند پکان راجا (جے سنگھ) کے خط کے مطابق مبارز کو دس ہزار سوار اور دیگر سامان جنگ دے دیا گیا تھا اور اس سے کہا گیا تھا کہ اس علاقے (مہاراشٹر) میں پہنچنے سے پہلے جنگ نہ کرے لیکن خان نے بات نہ مانی اور جلد بازی کی وجہ سے اپنی بھی جان گنوا دی۔“

نظام الملک اور مرہٹے

مغل بادشاہ اور اس کے وزیر اعظم نظام الملک دونوں کامرہٹوں سے امداد مانگنے کا یہ واضح مطلب تھا کہ اب کسی امیر یا راجہ کامرہٹوں نے بات چیت کرنا یا ان سے مدد مانگنا حکومت سے قدرتی نہیں رہی تھی۔ مغل بادشاہ کو اس وقت سب سے بڑا خطرہ نظام الملک اور باجی راؤ کی دوستی سے تھا۔ 1725ء کے بعد بے سنگمہ کی مرہٹوں کے لیے پالیسی بدلتا اور مرہٹے اور مغل بادشاہ کے ساتھ بات چیت کرنے کی کوشش اسی پس منظر میں چاہی جاتی تھی۔ ساتھ ہی مالوہ میں بے سنگمہ کے اپنے بھی مفادات تھے۔ ہاروتی راجستھان اور مالوہ کے درمیان ایک کڑی تھی اور ایک طرح سے دکن سے آنے کا راستہ تھا۔ مشرقی راجستھان کے ساتھ ساتھ بے سنگمہ ہاروتی پر بھی اپنا اثر جمانا چاہتا تھا۔ اس کام کے لیے مالوہ پر اس کا تسلط یا وہاں کے حاکم کے ساتھ سمجھوتہ ضروری تھا۔ 1725ء میں مرہٹے مالوہ کے ذریعے ہاروتی کی سرحد تک پہنچ چکے تھے۔ ساتھ ہی گجرات کے راستے سے انہوں نے میواڑ کے کچھ علاقوں پر قدم بڑھائے۔ مارواڑ میں ایسے سنگمہ اور ان کے بھائیوں کی آپسی رنجش کا فائدہ اٹھا کر انہوں نے

راجستھان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنی چاہیے 1725ء میں اچھے سنگھ کے بھائیوں کی مدد کرنے کی غرض سے مرہٹوں نے کپڑ پر حملہ کیا اور مہارانا کے قریبی علاقوں کو اجاڑ دیا۔ اگلے سال انھوں نے سیدھے جودھ پور پر دھاوا بول دیا۔ اس سارے پس منظر میں بے سنگھ اور مہارانا نے مرہٹوں سے صلح کی بات چیت شروع کی 1725ء میں مہارانا نے اپنے وکیل جوشی رائے کو ساہو کے پاس بھیجا اس نے ساہو کی جانب سے یہ تجویز بھیجوائی کہ ساہو کو شاہی افواج دی جائیں اور اسے 20 لاکھ کی جاگیر مالوہ و گجرات میں دی جائے ساتھ ہی اس کے چار خصوصی سرداروں کو شاہی منصب دیے جائیں۔

مرہٹوں کی حقیقی خواہش کے بارے میں رانا سنگھ رام سنگھ اور بے سنگھ کو شک تھا بے سنگھ کو لکھے گئے ایک خط میں مہارانا نے کہا تھا۔ ”کئی (مرہٹے) بڑے مطلق ہیں جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔“ انھوں نے یہ بھی لکھا ”اپنی خوش حالی کے لیے (راجپوت) راجاؤں کو دکنیوں کے خلاف ایک ہوتا چاہیے۔ تو بھی، مرہٹوں کی اب دوریاستیں ہیں اور پہلے کی طرح راجپوت ان پر فتح حاصل کر سکتے ہیں یہ ان کے وکیل نے لکھا یہ کہنا مشکل ہے کہ اگر اس قسم کی صلح کی تجویز مغل بادشاہ مان لیتا تو اس کا مرہٹوں پر کیا اثر پڑتا اس وقت ساہو کی اندرونی حالت مضبوط نہیں تھی پیشوا باجی راؤ اور نمائندے میں طاقت کی کشمکش چل رہی تھی ایسی حالت میں ہو سکتا ہے کہ ساہو مغل بادشاہ کے 20 لاکھ روپے کے عوض حملہ آور اور پالیسی چھوڑ دیتا یا شمالی ہندوستان کی بجائے دکن کی جانب دھیان دیتا۔ لیکن راجاؤں کی یہ تجویز مغل بادشاہ نے منظور نہیں کی۔ راجپوت راجاؤں کی مراہٹوں کے ساتھ صلح کی تجویز کی بنیاد دونوں فریقین کا ہندو ہونا نہیں تھا بے سنگھ کے وہ عطا نہیں کہا جاتا ہے کہ اس نے مالوہ کے سردار نند لال مند لونی کو لکھے سننے اور جن میں اس نے یہ لکھا تھا کہ وہ ہندو ہونے کے ناطے مراہٹوں کی مخالفت نہیں کرے گا اب جعلی ثابت ہو چکے ہیں بے سنگھ اور مہارانا کی پالیسی مذہب سے نہیں بلکہ ان کے سیاسی مفادات اور حالات سے متاثر ہوئی تھی۔ 1729ء میں بے سنگھ دوبارہ مالوہ کا صوبے دار بنایا گیا اس وقت اس نے اپنی پالیسی واضح کر دی تھی کہ ”مغل بادشاہ کو یہ عرضی لکھی۔“ اس

گر وہ کا واسطہ یعنی حملہ صوبہ مالوہ سے بڑی مدت سے چلا آ رہا ہے الراس ساں ایک بڑی فوج تیار کر کے ان کو صوبے میں داخل نہ ہونے دیا جائے یا داخلہ پانے کے بعد انھیں جنگ و جدل کے ذریعے پسپا کیا جائے۔ آپ جانتے ہیں، ہر سال اس طرح کتنا خرچ ہو گا اس لیے یہ امید ہے کہ راجہ ساہو کو جو خلد مکاں (اورنگ زیب) کے زمانے سے شاہی خدمت پر مامور ہے اس کے بیٹے کشن سنگھ کے نام سے دس لاکھ روپے کی جاگیر اس شرط پر عطا کی جائے کہ وہ مالوہ میں جھگڑا کرنا بند کر دے اور وہاں کے صوبے دار کی مدد کے لیے ایک فوج رکھے اس طرح بادشاہی ملک محفوظ رہے گا اور فوجی کارروائی کے خرچے سے چھٹکارہ ملے گا۔

جے سنگھ کی مرہٹہ پالیسی کسی حد تک نظام کی پالیسی سے ملتی جلتی تھی 1725ء میں نظام نے جے سنگھ کو لکھا تھا۔ ”اس سے قبل مرہٹوں کو ہرانے کے لیے بہت سے صوبے داروں کے تعاون و مدد کی ضرورت پڑتی تھی اورنگ زیب بادشاہ کے زمانے میں اور اس کے قبل کے بادشاہوں کے دور میں اس کام کے لیے بڑا بھاری خزانہ صرف کیا گیا اور بڑے بڑے راجاؤں کو تعینات کیا گیا لیکن اس وقت مرہٹے حکومت کے رگ و ریٹھے میں داخل ہو گئے ہیں اور ان کی طاقت آسمان تک پہنچ گئی ہے۔“

اپنی وصیت میں نظام نے اپنے وارثین کو یہ صلاح دی۔ ”دکن کے حکمران کو چاہیے کہ وہ مرہٹوں کے ساتھ جو اس ملک کے زمیندار ہیں صلح و معاہدے سے کام لیں کیونکہ ساتھ ہی اسلام کی عزت و اقبال کو کم نہ ہونے دیں اور انھیں حد سے آگے نہ بڑھنے دیں اس طرح نظام اور جے سنگھ دونوں کی پالیسی یہ تھی کہ مرہٹوں کے ساتھ صلح کی بات کریں اور ساتھ ہی ان کی طاقت کو حد سے زیادہ نہ بڑھنے دیں حالات کو دیکھتے ہوئے کسی دوسری پالیسی کو اپنانا مشکل تھا۔

جے سنگھ کی صلح کن پالیسی حالانکہ محمد شاہ نے 1728ء میں مان لی تھی لیکن اس کے فوراً بعد اس نے جے سنگھ کو مالوہ سے معزول کر دیا اس طرح جے سنگھ کی پالیسی کو عمل میں لانے کی کوشش نہیں کی گئی۔

جب تک مہارانا سنگرام سنگھ زندہ رہے انھوں نے جے سنگھ کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھے اور جے سنگھ کی پالیسیوں کی حمایت کی۔ 1732ء میں

جب بے سنگہ تیسری بار مالوہ کا صوبے دار مقرر کیا گیا تو اس نے ہمارانا کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ وہ 24 25 ہزار سوار بے سنگہ کے ساتھ مرہٹوں کا سامنا کرنے کے لیے مالوہ بھیجے گا اور مالوہ کی آمدنی جس میں منصب داروں کی جاگیروں کا اجارہ اور زمینداروں کی پیش کش شامل ہے۔ 2:1 میں ہمارانا اور بے سنگہ کے بیچ بانٹی جائے گی اس طرح ہمارانا اور بے سنگہ کی دوستی اور تعاون اس زمانے کی سیاست اور راجستھان کے لیے اہم تھے۔

مالوہ اور گجرات پر مرہٹوں کی پیش قدمی

حالات 1720ء کے بعد بھی میواڑ و امیر بے پور ریاست کی حدود اور طاقت میں ترقی ہوئی تو یہی سید برادران کے زوال کی وجہ سے جو دھ پور ریاست کی طاقت و عزت کو دھکا لگا۔ جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ حالانکہ سید برادران نے اجیت سنگہ کو اجیر و گجرات کا صوبے دار مقرر کیا تھا لیکن ان کے بار بار اصرار کرنے پر بھی اجیت سنگہ جو دھ پور میں بیٹھا رہا اور اپنے صوبے کے اختتام کے لیے کوئی خاص اقدامات نہیں کیے۔ اس نے گجرات اور راجستھان کے کچھ علاقوں کو اپنی ریاست میں ملا لیا تھا۔

عبداللہ خاں کی شکست کے بعد بادشاہ محمد شاہ نے حیدر علی خاں کو گجرات کا اور بخشی الملک خاں دوراں کے چوٹے بھائی مظفر خاں کو اجیر کا صوبے دار مقرر کیا یہ سن کراجیت سنگہ 30 ہزار فوج کے ہمراہ جو دھ پور سے اجیر آیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس نے شہر کے سب معزز لوگوں کو جمع کر کے محمد شاہ کے والد جہاں شاہ کا ایک فرمان پڑھ کر سنایا جس میں اجیت سنگہ کو گجرات و اجیر کی صوبے داری مستقلاً عطا کی گئی تھی اجیت سنگہ نے گوکشی کا حکم دیا ساتھ ہی ساتھ اس نے اسلامی روایات میں کوئی روک ٹوک نہ کرنے کا یقین دلایا۔ بادشاہ کو اس نے اس مطلب کی عرض بھی بھیجی کہ اسے گجرات یا اجیر ایک صوبے کا حاکم رہنے دیا جائے۔

اس وقت تک منٹل دربار میں اجیت سنگہ کے لیے کوئی خاص پالیسی طے نہیں تھی۔ دربار میں الگ الگ فریق اور گروہ رہ رہے تھے۔ شاہی خزانے میں پیسے کی بہت کمی تھی ان حالات کو دیکھتے ہوئے شہنشاہ نے اس کے والد کو خط لکھا کہ اسے کتنا شکر اظہار کرے۔ اس کا کہنا تھا کہ کراجیت سنگہ

کو جنگ میں شکست سہی ہو جائے تو ایسی حالت میں وہ اس علاقے کے دشوار گزار پہاڑوں اور گھاٹیوں میں جا کر چھپ گا۔ جہاں اس کا پیچھا کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ خانِ دوراں جنگ سے گھبراتا تھا یا اورنگ زیب کے زمانے کے حالات کو دوبارہ پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ حیدر علی اور دوسرے کچھ امیر اجیت سنگھ کے ہاتھوں میں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہاں خواجہ صاحب کی درگاہ وغیرہ مسلمانوں کے مقدس مقامات تھے۔

جس زمانے میں یہ مباحثہ دربار میں چل رہا تھا مظفر خاں جسے جنگ کا تجربہ تھا اور جس کے پاس لڑائی کا پورا سامان وہ تین ماہ تک سنوہر پور میں پڑاؤ ڈالے رہا۔ اس زمانے میں تنخواہ دینے کی وجہ سے مظفر خاں کے سپاہیوں نے بغاوت کر دی۔ جو کچھ سبھی ہاتھ لگا لوٹ لیا۔ مظفر خاں جان بچا کر امیر آیا اور فریقین گیا اور حیدر سنگھ نے ساہیو چیلڈوانہ، ٹوڈہ، آلود اور امرسر پر اپنا قبضہ جمایا۔

اس کے بعد خانِ دوراں، حیدر علی، قمر الدین خاں سب بڑے امیروں کو باری باری سے اجیر کا صوبہ دار بننے کے لیے کہا گیا لیکن سب نے ٹال مٹول کر دی۔ آخر میں عبداللہ خاں کے چچا سید نصرت خاں بارہانے یہ بیڑہ اٹھایا۔ اسی وقت اجیت سنگھ کے حکم سے ابے سنگھ نے غم زاد شاہ جہاں پور، الورا، تھارہ وغیرہ پر گنوں کو لوٹا کہا جاتا ہے کہ ابے سنگھ نے دلی سے آکر اس کے قاصد تک لوٹ مار کی۔ لیکن اسی زمانے میں نظام کے دکن سے دلی لوٹ کر آنے کی اطلاعات ملی اس لیے اجیت سنگھ نے اجیر خالی کر دیا اور معافی نامہ بھیجا۔ لیکن خانِ دوراں کے توسل سے اسے صرف معاف ہی کر دیا بلکہ اجیر کی صوبے داری بھی سونپ دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خانِ دوراں راجپوت راجاؤں کی دوستی کے ذریعے اپنا ایک الگ گروہ بنانا چاہتا تھا۔ نظام نے اس پالیسی کی نکتہ چینی کی اور اجیت سنگھ کو اس طرح معاف کرنا کمزوری کا ثبوت مانا۔ اس طرح پھر دربار میں گروہ بندی شروع ہو گئی۔ دربار میں امیروں کا ایک یا اثر گروہ اجیت سنگھ کو شہسہ کی نظر سے دیکھتا تھا اس لیے اجیت سنگھ کی طاقت کم کرنے کے لیے ظاہر خاں کو جو اس سے قبل گجرات کا دیوان تھا اور ساہیو کا فوجدار مقرر کیا گیا تھا صوبہ اجیر کا دیوان بنایا

گیا۔ اجیت سنگھ اور ماہر خاں کی دیرینہ دشمنی تھی لیکن راجستھان میں داخل ہو کر ناہر خاں نے راجپوتوں کے پاس اپنا خیمہ ان کو دوست سمجھ کر لگا لیا۔ رات میں ناہر خاں کو قتل کر دیا گیا (6 جنوری 1723) اس اطلاع سے بادشاہ محمد شاہ بہت براہم ہوا اور اس نے شرف الدولہ خاں کو 7000 / 6000 منصب کے ساتھ اجیر کا صوبے دار مقرر کیا اور یہ حکم دیا کہ ”اس بدکار باغی کو جو ہے کے بل سے سی پکڑ کر لانا۔“ اس ہم کے لیے اسے دو لاکھ روپے بھی نقد دیئے گئے۔ اسی زمانے میں جے سنگھ کی جاٹوں کے خلاف ہم ختم ہوئی تھی اس لئے محمد خاں بنگش اور راجا گر دھر کے ساتھ اسے بھی شرف الدولہ کا ساتھ دینے کا حکم دیا گیا۔

اس طرح اورنگ زیب کی وفات کے بعد تیسری بار مغلوں نے جو دھپور کی ریاست پر حملہ کیا پہلے دو حملوں (1702 و 1713) کے مقابلے میں یہ حملہ زیادہ سخت تھا۔ کیونکہ اس وقت کوئی بھی راجپوت راجا اجیت سنگھ کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اسی زمانے میں حیدر علی خاں گجرات کی صوبے داری سے نظام کے ذریعہ نکالے جانے کے بعد ریوڑی پہنچا کیونکہ وہ حجرہ کار اور محمد شاہ کا معتمد تھا اس لیے اسے اجیر کی صوبہ داری اور ساہیوڑی فوجداری دی گئی اور وہاں جانے کی اجازت دی گئی۔

8 جون 1723 کو مغل افواج اجیر پہنچ گئیں اور انھوں نے گڑھ (بٹلی گڑھ) کا محاصرہ

کر لیا۔ حالانکہ اجیت سنگھ اس سے پہلے ہی اجیر چھوڑ کر جو دھپور آ گیا تھا۔ لیکن گڑھ بٹلی کے قلعے دار اور داوت مغبوی کے ساتھ ساہی فوج کا مقابلہ کیا۔ ڈیڑھ ماہ کے بعد جے سنگھ کے توسل سے صلح ہو گئی۔ اور امر سنگھ کو بمنج جلد سامان کے قلعہ خالی کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ اجیت سنگھ کو معاف کر دیا گیا اور اس کو پرانا منصب دوبارہ اسے دے دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اجیت سنگھ کو ناگور کی جاگیر راولپنڈی سنگھ کو واپس دینی پڑی یہ جاگیر 1713ء میں اجیت سنگھ نے اندر سنگھ سے چھین لی تھی جے سنگھ نے ہذا ت خود جا کر اندر سنگھ کو ناگور کا قبضہ دلایا۔ اجیت سنگھ کا یہ مطالبہ بھی مان لیا گیا کہ اسے خود مغل دربار میں حاضر ہونے نہ دینی پڑے گی۔ اس کی جگہ پر اس کے بیٹے اسے سنگھ کو دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی گئی یہ رعایتیں خان دوراں کے اثر سے حاصل ہوئیں کیونکہ

وہ راجپوت راجاؤں کو اپنا دوست اور حامی بنانا چاہتا تھا۔

اس کے تھوڑے دنوں بعد 23 جون 1723ء کو اجیت سنگھ کے بیٹے بخت سنگھ نے اس کا قتل کر دیا اس واقعہ کی بہت سی وجوہات بتائی جاتی ہیں۔ کچھ مصنفین کا کہنا ہے کہ وزیر قمر الدین خاں نے اچھے سنگھ کو یقین دلایا تھا کہ اجیت سنگھ کا زندہ رہنا مارواڑ ریاست کے فائدے میں نہیں ہے۔ لیکن باپ کے قتل کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ مارواڑ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ حالانکہ محمد شاہ نے راجا کا ٹیکہ اچھے سنگھ کو دیا، جیتاوت، کوپاوت، اور او داوت راسخو سرداروں کی حمایت سے اچھے سنگھ کے دیوان بھنڈاری رگھوناتھ نے بغاوت کو دبانے چاہا۔ اس کی مدد کے لیے جے سنگھ نے اپنے سپہ سالار رائے شیو داس کے تحت ایک فوج بھی بھیجی لیکن بغاوت بڑھتی گئی۔ اور جو دھ پور شہر کے لیے خطرہ پیدا ہو گیا۔ آخر میں بادشاہ سے مالی مدد لے کر اچھے سنگھ کو خود مارواڑ آنا پڑا۔ جے سنگھ کے کہنے سے رانا نے بھی ایک سپہ سالار دیو فوج اچھے سنگھ کی حمایت کے لیے بھیجی اس طرح سے 1725ء میں امیر جے پور اور میواڑ کی افواج کی مدد سے اچھے سنگھ اپنے بھائیوں کو شکست دے پایا لیکن یہ خانہ جنگی 1728ء تک چلتی رہی آئندہ سنگھ اور رائے سنگھ نے مراہٹوں سے مدد مانگی۔ اگر راجپوت راجا یہ مشورہ مان لیتے کہ ایڈر کی جاگیر اچھے سنگھ کے بھائیوں کو دے دی جائے تو شاید یہ حالات پیدا ہوتے لیکن مہارانا خود ایڈر چاہتے تھے۔ 1728ء میں جب کنٹھ جی اور ہلجی نے گجرات کی جانب سے جالور پر حملہ کیا تب مہارانا کی آنکھیں کھلیں۔ بھنڈاری کمیوسی کے ذریعے انھوں نے یہ معاہدہ کیا کہ ایڈر اچھے سنگھ اور رائے سنگھ کو دے دیا جائے اور مرہٹے جالور خالی کر دیں گے۔

اس آپسی تنازع کے دو نتیجے نکلے اول خانہ جنگی اور اپنی اپنی ریاستوں کی توسیع کی خواہش کی وجہ سے مراٹھوں کو راجستھان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کا موقع ملا۔ دوم یہ کہ اس پورے زمانے میں شاہی وزیر کی بار بار کوشش کرنے پر بھی اچھے سنگھ گجرات جانے اور وہاں کے صوبے دار سر بلند خاں کی مدد کرنے میں جلد سازی کرتا رہا۔ اس نے فوجی اخراجات

کے لیے وزیر سے ایک بڑی رقم مانگی جسے وہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ کسی جانب سے بھی مدد ملنے کی وجہ سے فروری 1727ء میں سر بلند خاں کو مرہٹوں کے مقابلے میں شکست تسلیم کرنی پڑی اور گجرات کی چوتھ کنٹھ جی کدپ اور پلاجے گائیکو اڑکودینا منظور کرنا پڑا اس طرح مرہٹے گجرات میں جمع گئے اور گجرات کی سمت سے مرہٹوں کے لیے راجستھان میں داخل ہونے کا راستہ کھل گیا۔

1730ء میں ابجے سنگھ گجرات کا صوبے دار بنایا گیا 1733ء میں جب اومایاتی دامائے نے احمد آباد کا محاصرہ کیا تو ابجے سنگھ کو گجرات کی چوتھ و سر دیش سکھی دینا قبول کرنا پڑا یو س ہو کر ابجے سنگھ گجرات کا کام اپنے نائب ترن سنگھ بھنڈاری کے سپرد کر کے جو دھ پور چلا آیا اپنے باپ اجیت سنگھ کی طرح اسے بھی بیکانیر رہاست پر اپنا قبضہ جمانے اور امیر کی صوبے داری حاصل کرنے کی خواہش تھی 1733 میں اس نے بیکانیر پر حملہ کیا۔ بیکانیر کے حاکم نے 12 لاکھ روپے دے کر اپنی جان چھڑائی جب وزیر قمر الدین خاں نے اس سے گجرات واپس جانے کے لیے کہا تو اس نے امیر کی صوبے داری اور 25 لاکھ روپے فوجی اخراجات کے لیے طلب کیے 1734 میں ہو رٹھ میں سب راجپوت راجاؤں نے مرہٹوں کی مخالفت کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن آپسی کشمکش کی وجہ سے مرہٹوں کے خلاف کوئی متحد محاذ بن سکا۔ 1734ء کی ہم میں مغل پھرنا کام رہے۔ اس کے بعد ابجے سنگھ دلی پہنچا وہاں اس نے خان دوراں کے خلاف وزیر قمر الدین خاں کی حمایت کی اور امیر کی صوبے داری حاصل کرنے میں لگا رہا۔ حالانکہ وہ 1737 تک گجرات کا صوبے دار رہا لیکن اس نے وہاں کے انتظامی معاملات میں 1733ء کے بعد کوئی دل چسپی نہیں لی۔

شروع میں ابجے سنگھ اور بے سنگھ کے تعلقات اچھے تھے 1728ء کے بعد دونوں میں کشیدگی بڑھتی گئی اور 1735 کے بعد تو دونوں دربار میں مخالف گروہوں میں شامل ہو گئے۔ اس طرح زیادہ دنوں تک اس دور میں راجپوت راجاؤں نے مشترکہ طور پر کسی ایک پالیسی پر اتفاق نہیں کیا حالانکہ سیاست میں ان کا اہم حصہ رہا۔

اس دور میں صرف مغل امیروں ہی کی قوت نہیں بڑھی بلکہ راجپوت اور

مرہٹہ دونوں ریاستوں میں سرداروں کی طاقت میں بھی خاطر خواہ کمی ہوئی۔ راجپوت سرداروں کی قوت بڑھنے کی سب سے خاص مثال یہ ہے کہ میواڑ کے مہارانا امر سنگ دوم نے سرداروں کے ہتھے قائم کیے۔ ساتھ ہی یہ بھی فیصلہ کیا کہ جاگیروں کے وقتاً فوقتاً تبادلے کرنے کی مغلوں کی روایت کو ختم کر دیا جائے۔ اس طرح سرداروں کی جاگیریں ان کی آبائی جائیدادیں ہو گئیں اور ان کے اوپر دربار کا کنٹرول کم ہو گیا شاید دوسری راجپوت ریاستوں کا بھی یہی مزاج تھا۔

اٹھارہویں صدی کی پہلی تین دہائیوں میں مرہٹوں کا غرض ہندوستانی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اس کا اثر مغل شہنشاہیت ہی پر نہیں سارے ملک پر پڑا بہادر شاہ کے دور حکومت میں مغلوں اور مرہٹوں کے تعلقات پر ایک گزشتہ باب میں تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد مرہٹہ حکومت کی سلسلے وار ترقی اور مغلیہ سیاست میں مرہٹوں کے زیادہ سے زیادہ حصہ لینے اور شمالی ہندوستان میں ان کی آمد اور عمل کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنے کے لائق ہے کہ ساہو کے مغل کیمپ سے بھاگ کر مہاراشٹر میں داخل ہونے کی وجہ سے مہاراشٹر میں ایک سنگین خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ حالانکہ سنبھاجی کے بیہاد قتل کے بعد اس کے بھائی راجہ رام نے حکومت کا کام سنبھالا تھا تو بھی گدی کا اصلی وارث سنبھاجی کے بیٹے ساہو کو جو قید میں تھا مانا گیا تھا۔ لیکن راجہ رام کی موت کے بعد اس کی بیوہ تارا بائی نے اپنے کم عمر بیٹے شیواجی دوم کو گدی کا وارث تسلیم کرانے کی کوشش کی اس لیے ساہو کے مہاراشٹر لوٹ آئے کے بعد مرہٹوں میں دو گروہ ہو گئے۔ برار خاندانیش اور بڈالانہ کے بااثر مرہٹہ سردار پرسوجی بھونیسے، نیپاجی سندھیا ہیٹ راؤ سنبل کر اور ساہو کے عسکر ستم جی جادو وغیرہ نے ساہو کا ساتھ دیا۔ پونہ کے نزدیک کیمٹ کی جنگ میں تارا بائی کی بھیجی گئی فوج کو شکست دینے کے بعد ساہو نے ستارا پر حملہ کیا حالانکہ پرسو رام پنت نمائندے نے پھر بھی اس کی مخالفت کی۔ ستارا کے مغل قلعے دار شیخ میر نے ساہو کو اصلی وارث تسلیم کرتے ہوئے قلعے کے دروازے کھول دیے۔

12 جنوری 1708ء کو ساہو نے دھوم دھام سے ستارا میں تخت نشینی کا جشن

منایا اس کے بعد اس نے بھالہ پر اپنا قبضہ جمایا اگر سب مرہٹہ سردار ساہو کا ساتھ دیتے تو وہ شیواجی کی ساری ریاست پر اپنا قبضہ جمالیتا لیکن بہت سے سردار ساہو کو زیادہ طاقتور نہیں ہونے دینا چاہتے تھے۔ بہادر شاہ کے وزیر منعم خاں نے بھی تارا بائی کا ساتھ دیا۔

اسی زمانے میں بالاجی وشنو ناتھ کا عروج ہوتا ہے بالاجی کے آباؤ اجداد کو نکڑ کے سرحد و صحن علاقے کے دلش مکھ تھے 1695ء سے 1707ء تک بالاجی پونہ اور دولت آباد کے سرحدو بے دار تھے۔ یہ علاقے اس زمانے میں مغلوں کے ماتحت تھے۔ معلوم پڑتا ہے کہ بالاجی نے راجہ رام اور اس کے وزیروں اور ساتھ ہی منغل حاکموں اور ساہو کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھے۔ کھیڈ کی جنگ میں بالاجی نے ساہو کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد انھیں سپہ سالار بنایا گیا۔ بالاجی کے بڑھتے ہوئے اثر اور نئے عہدے کی وجہ سے کئی مرہٹہ سردار ناراض ہو گئے۔ خاص طور سے ادجی جادو کا بیٹا چند بین جادو اس سے بہت ناخوش ہوا۔ اس نے اور کئی مرہٹہ سرداروں نے تارا بائی اور مغلوں دونوں کے ساتھ بات چیت شروع کر دی دشکار کیجھتے ہوئے بالاجی کے ساتھ جھگڑا ہونے اور ساہو کو اس کا ساتھ نہ دینے کے بہانے سے اگست 1711ء میں چندر سین مغلوں سے جا ملا۔ اس سے قبل راتو رہا تنبا لکر بھی مغلوں کی خدمت میں جا چکا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زیادہ تر مرہٹہ سرداروں میں غرور و خود غرضی کا جذبہ زیادہ تھا۔ اور وفاداری اور آزادی کا جذبہ کم۔ ان سرداروں کو منغل سلطنت میں بغیر کسی سے پلو چھے لوٹ مار کرنے اور اس سے حاصل شدہ دولت آپس میں بانٹ لینے کی عادت پڑ گئی تھی شیواجی کے ورثے چلائی گئی مرہٹہ تحریک کی شکل بدل چکی تھی کسانوں کے مفادات کی نگران طاقتور مرہٹہ سرداروں کو کم تھی اس لیے ساہو کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اپنے سرداروں پر کنٹرول قائم کرنا تھا۔

اپنی خود غرضی کی وجہ سے ان سرداروں نے نہ صرف ساہو کا ساتھ چھوڑ دیا بلکہ دیگر سرداروں نے بھی تارا بائی کے ساتھ سازش کرنا شروع کر دیا۔ خاص طور سے مرہٹوں کی بحری فوج کے سالار کانتھو جی آٹھرے نے کلیان وغیرہ علاقوں پر اپنا قبضہ جمایا اور ستارا پر بھی حملہ کرنے کی دھمکی دی ان حالات میں ساہو کو اپنے سرداروں

کو خوش کرنے کے لیے کئی اقدامات کرنے پڑے پر سورام امبک کو جو تارابائی کا خفیہ معاون ہونے کے الزام میں قید میں ڈال دیا گیا تھا اس کو نمائندے کا عہدہ دیا گیا۔ اس وقت پر سورام اور بالاجی ایک دوسرے کے معاون تھے۔ پر سورام امبک نے بالاجی کو پیشوا بنانے کے لیے زور دیا لیکن بالاجی نے یہ شرط لگائی تھی کہ کانسوں جی کے خلاف ہم پر وہ تہمی جائے گا جب اسے پیشوا کے عہدے پر تعینات کر دیا جائے۔

۱۶ نومبر ۱۷۱۳ء کو ساہونے بالاجی کو پیشوا مقرر کر دیا بالاجی نے بڑی ہوشیاری سے کانسوں جی وغیرہ کو نوڑ لیا اس کے کہنے کے مطابق ساہونے اس کے کئی قابل اعتماد لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ اس طرح سید برادران کی طرح بالاجی بھی رفتہ رفتہ اپنی قوت بڑھا رہا تھا اور اپنے حامیوں کا گروہ تیار کر رہا تھا۔

۱۷۱۴ء میں تارابائی کو اس کی سوت جس بائی نے سازش کر کے قید کر لیا اور اس نے اس کے بیٹے شیواجی بڑوم کی جگہ پر اپنے بیٹے سنبھاجی دوم کو تخت پر بٹھایا۔ سنبھاجی کی تخت نشینی کو لھا پور میں ہوئی رستارو کو لھا پور ریاستوں کے آپسی جھگڑے پہلے کے مطابق چلتے رہے اور بعد میں مغلوں اور نظام الملک نے برابر ان جھگڑوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن تارابائی کے زوال کے بعد کچھ وقت کے لیے ساہویہ فکر ہو گیا۔ اسی کی وجہ سے مرہٹوں کو اپنی طاقت بڑھانے اور مغل دربار کی گروہ بندیوں سے پیدا شدہ حالت سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔

فرخ سیر کے تخت نشین ہونے کے بعد نظام الملک کو دکن کا صوبے دار مقرر کیا گیا تھا۔ نظام الملک نے داؤد خاں کے معاہدے کو جس کے مطابق دکن کی چوتھ و سر دیش مکی صوبے دار خود ساہو کو دے دیتا تھا۔ ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹوں نے پھر سے جگہ جگہ لوٹ مار شروع کر دی تھی خاں کہتا ہے کہ نظام نے مرہٹوں کو کئی بار پکایا لیکن مرہٹوں نے الگ الگ علاقوں میں مٹی کی چھوٹی چھوٹی گڑھیاں بنا رکھی تھیں۔ یہ گڑھ بڑے مضبوط تھے اور ضرورت کے مطابق مرہٹے جا کر ان میں چھپ جاتے تھے اور شاہی فوج کے لوٹ جانے کے بعد پھر لوٹ مار کرنا شروع کر دیتے تھے۔ نظام کے لیے ان سب گڑھیوں کو

سمار کر ناممکن نہیں تھا لیکن اسی زمانے میں نظام تے تار بابائی اور کو لھا پور کے مرہٹہ سرداروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے۔

1715ء میں نظام الملک کی جگہ پریم بخش سید حسین علی خاں کو دکن کا صوبیدار بنایا گیا دکن پہنچنے کے بعد کچھ وقت تک حسین علی نے نظام کی پالیسی پر ہی عمل کیا۔ اس نے اور اس کے بخشی نے بڑی مستعدی سے جگہ جگہ مرہٹوں کو شاہی حدود سے باہر نکال دیا لیکن مرہٹوں کی سرگرمیاں بڑھتی ہی گئیں۔ برہان پور کے پاس کھانڈو ڈراماڈے نے حسین علی کے بخشی ذوالفقار علی خاں کو بڑی طرح شکست دی۔ اس کے انتقام میں حسین علی کے دیوان راجہ موکم سنگھ، چند ریسین جادو، نیماجی سندھیانے ستارا ایک مرہٹوں کا علاقہ تحس نخس کر دیا۔ حالانکہ شاہی حلقوں میں اس فتح پر بڑی خوشی منائی گئی لیکن ایک طرف تو اس سے حسین علی کے مسائل کا حل نہیں نکلا اور دوسری طرف فرخ سیتر نے خفیہ طور پر ساہو اور کرناٹک کے زمینداروں وغیرہ کو حسین علی کی مخالفت کرنے کے لیے اکسایا۔

آخر میں اپنے چچا سید انور خان کے مشورے سے اور شکر راجی ملہار کے توسل سے حسین علی نے ساہو کے ساتھ صلح کر لی بغلوں اور مرہٹوں کے تعلقات کے لیے یہ صلح جو فروری 1718ء میں ہوئی بہت اہم ہے کیونکہ یہ مستقبل کے سب معاہدوں کی بنیاد ہے اس میں یہ طے کیا گیا (1) ساہو کو رسمی طور پر شیواجی کا "سوراج" دے دیا گیا لیکن خاندیش کے بدلے اسے پنڈارپور اور ترینگ پرگنوں سے لگے ہوئے علاقے دے دیے گئے۔ (2) ہزار گونڈوانہ اور کرناٹک کے علاقوں میں مرہٹوں کے حال میں فتح کیے گئے علاقے بھی اسے دیدیے گئے۔ (3) ساہو کو دکن کے چھ صوبوں سے اپنے کا مبش داروں کے ذریعے چوتھے و سر دیش مکھی وصول کرنے کا اختیار دے دیا گیا اس شرط کے ساتھ (4) کہ ہر اٹھے راہ داری وصول نہیں کریں گے بلکہ وہ صرف حکومت کی جانب سے طے کیے گئے ٹیکس وصول کریں گے (4) مندرجہ بالا رعایتوں کے بدلے میں ساہو نے یہ وعدہ کیا کہ وہ دس لاکھ پیش کش دے گا، مقل صوبہ دار کے لیے پندرہ ہزار گھوڑ سوار تعینات کرے گا، ملک کو آباد کرے گا سب

معدوں کو سزا دے گا اور اگر کسی کا سرمایہ چیرا لیا جائے یا برباد کیا جائے تو اسے واپس دلائے گا اور چوروں کو سزا دے گا اور اگر سرمایہ واپس نہ دلا سکے تو اسے ہڈت خود دے گا۔ (5) سر دیش مکھی کے حصول کے لیے وہ روایتی سرمائے کے لیے طے شدہ در سے پیش کش دے گا۔ یہ رقم ایک سال کی آمدنی کے ساڑھے چھ گنا کے حساب سے 117 516 762 روپے ہوتی تھی لیکن ساہو نے صرف اس کا دسواں حصہ یعنی 1719390 روپے بارہ آنے دینا منظور کیا۔

خفی خاں کا کہنا ہے کہ مراٹھوں نے چوتھ و سر دیش مکھی کے لیے ہر ہر گنتے میں الگ الگ کام و سدا رتینات کیے جس کے نتیجے میں رعایا کو اب دو یا تین عاملوں کو مال گزاری دینی پڑتی تھی۔ مرہٹے مال گزاری کے علاوہ راہ داری اور دیگر ٹیکس بھی وصول کرتے تھے جس کی وجہ سے جمع بندی کا تقرباً آدھا حصہ انھیں حاصل ہو جاتا تھا۔ امن و امان کے انتظام کے لیے ساہو نے کوئی توجہ نہیں دی یہی اس نے سر دیش مکھی کی سند کے بدلے ایک کروڑ سے زیادہ رقم جس کا اس نے وعدہ کیا تھا ادا کی۔ فرخ سیر کو تخت سے ہٹانے کے بعد یہ سب سندیں سیدوں نے نئے بادشاہ سے دلوا دیں۔ بعد میں محمد شاہ نے بھی مختص لشین ہونے کے بعد ان سندوں کی تصدیق کی یہی چیز آگے چل کر مرہٹوں کے قانونی اختیارات کی بنیاد بنی ان سندوں کے حاصل کرنے سے سید برادران اور مرہٹوں کی دوستی اور زیادہ مضبوط ہو گئی۔ نظام کی بغاوت کے وقت عبداللہ خاں نے ساہو کو ایک خط میں لکھا تھا کہ میں نے اپنے نائب علی خاں کو دکن میں اکیلے آپ ہی کے بل بوتے اور حمایت پر چھوڑا ہے لیکن چوتھ و سر دیش مکھی کی سندوں کے حصول کی وجہ سے مراٹھوں کی اندرونی حالت پر بھی ایک اہم اثر پڑا ساہو اب سب کی نظر میں مرہٹوں کا واحد حاکم تھا۔ اور شیواجی کا قانونی وارث بن گیا اس کے بعد بھی مرہٹوں نے جو کچھ علاقے جیتے ان کا قانونی اختیار مغل بادشاہ سے حاصل کرنے کی انھوں نے برابر کوشش کی اس طرح دوسرے مغلیہ امیروں کی طرح مرہٹوں نے مغل بادشاہ کے لیے وفاداری دکھاتے ہوئے سلطنت کو کمزور کیا۔

دوسرے چوتھ و سر دیش مکھی کا بٹوارہ بالاجی نے ایک خاص طریقے سے کیا

چوتھ کان 25 فی صد حصہ مرہٹہ راجہ کا مانا گیا راجہ کے حصے کو اکٹھا کرنے کی ذمہ داری اس کے اعلیٰ عہدے داروں، نمائندہ، پیشوا اور پنت سکریٹری کو سونپی گئی اس کے علاوہ چھ فی صد سہو ترہ کے نام سے پنت سکریٹری کو اخظام کے لیے دے دی گئی تین فی صد نالگوئڈہ کے نام سے ساہو کے پاس محفوظ رکھا گیا چاہے جس سردار کو دے دے بچا ہوا 66 فی صد حصہ مقلما کے نام سے مختلف سرداروں کو دے دیا گیا اسی طرح بعد میں سردیش مکھی کا بٹوارہ کیا گیا۔

یہ اخظام کسی طرح سے سبھی ایک معیاری اخظام نہیں کہا جاسکتا۔ حقیقت میں یہ اس دور کے سرداروں کی قوت کا مظاہرہ کرتا ہے اس کا بنیادی اظہار پڑا کر سٹراٹوں کی قوت اور بڑھ گئی اپنے حصے کی چوتھ یعنی چوتھ کے 25 فی صد حصے کے لیے سبھی ساہو اپنے اعلیٰ عہدے داروں پر منحصر ہو گیا۔ یہی نہیں ساہو کے حصے کا خود استعمال کرنے کے لیے اس کے اعلیٰ عہدے دار نمائندہ، پیشوا، پنت سکریٹری میں باہمی کش مکش ایک فطری بات تھی۔ مغلیہ دربار کے حالات اور مرہٹہ راجہ کے دربار کے حالات میں ہمیں کئی طرح سے یکسانیت دکھائی دیتی ہے۔ دونوں میں امیروں اور سٹراٹوں کی طاقت بڑھنا، ان میں جاگیر یا مقدار، سرجام وغیرہ کے لیے آپسی کش مکش اور گروہ بندی اور حاکم اور اس کے وزیر اعلیٰ۔ وزیر یا پیشوا میں طاقت کے لیے کش مکش یہ تینوں عنصر دکھائی دیتے ہیں لیکن یہاں یکسانیت ختم ہو جاتی ہے کہ مغل حکومت میں وزیر طاقت حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے لیکن مرہٹوں میں پیشوا کی طاقت روز بروز بڑھتی جاتی ہے لیکن سب سے اعلیٰ ہو جانے کے بعد وہی سرداروں کے ساتھ کش مکش کرنے کا مسئلہ پیشوا کے سامنے بھی آ جاتا ہے۔ ان پورے واقعات کے سلسلے پر تھمرو کرنا حالانکہ اس کتاب کا مقصد نہیں ہے لیکن اس کی جانب اشارہ کرنا ہمارے لیے نامناسب بھی نہیں ہے۔

پیشوا کو مرہٹہ حکومت میں سب سے اعلیٰ بنانا مرہٹوں کی طاقت مالوہ اور جمرات میں قائم کرنا اور راجستھان، بندیل کھنڈ اور گنگا کے علاقے میں مرہٹ افواج کے داخلے ان سب کا سہرا بالاجی وٹھونا تھ کے بیٹے اور وارث باجی راؤ کے سر ہے۔ مغلیہ طاقت کے روز بروز زوال اور دربار میں مختلف گروہوں کے دیکھنا

کش مکش نے مرہٹوں کو اپنی قوت میں ترقی کرنے کا موقع دیا حقیقت میں مرہٹوں نے اس موقع کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اب مرہٹوں کی جدوجہد اپنی اور مراٹھا حکومت کی حفاظت کے لیے نہ ہو کر مرہٹہ سلطنت کے قیام کے لیے اور مرہٹوں کے ذریعے چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے والے علاقوں کی فلاح و بہبودی کے لیے شروع ہوئی۔ باجی راؤ کے طاقت حاصل کرنے تک یہ تبدیلی واقع طور پر سامنے نہیں آئی تھی۔ مرہٹہ دربار میں مرہٹوں کی مستقبل کی پالیسی کے بارے میں اور دوسرے معاملات میں باجی راؤ اور نمائندہ سری پت راؤ کے درمیان زبردست اختلاف رائے تھا۔ ہم عمر مصنف چٹس کے مطابق دونوں آدمیوں کے کام کرنے کے ڈھنگ اور جوازا ت پر تبصرہ کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ چٹس کے کہنے میں مبالغہ آرائی اور پرچوش انداز بیان کا استعمال جگہ جگہ کیا گیا ہے اور بہت سے ایسے الفاظ جو شاید صرف چٹس کے اپنے خیالات ہوں مخصوص کرداروں کی زبان سے ادا کرائے گئے ہیں۔ اختلاف رائے اور کش مکش کے مندرجہ ذیل معاملات تھے۔

- (۱) توسیع پسندانہ پالیسی اور اس کی راہوں اور وقت کا تعین
- (۲) نظام الملک کا رویہ اور اس سے دوستانہ تعلقات بنانے رکھنے کے امکانات
- (۳) اندرونی انتظام خاص طور سے مرہٹہ سرداروں پر قابو رکھنا اور فوجی و مالی انتظامات آخری سوال طاقت کا تعالیٰ یعنی شاہی نشستوں میں بالادستی پیشوا کی ہوگی یا نمبندے کی۔

حقیقت میں نمائندہ توسیع پسندانہ پالیسی کے خلاف نہیں تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ سب سے پہلے کوئٹہ کی جانب ریاست کو پھیلایا جائے۔ اس کا جواز تھا کہ کرناٹک پر تسلط قائم کیا جائے جہاں زنجیرہ کے سدی نے بہت سے علاقے دبا لیے تھے اور کرناٹک کی فتح پانچ تھیں تک پہنچائی جائے جس کی ابتداء شیواجی نے کی تھی۔ اس کا یقین تھا کہ دکن میں اپنی حالت مضبوط کرنے کے بعد ہی شمال کی جانب بڑھنا چاہیے۔ نمبندے نے ہوشیاری کی پالیسی پر زور دیا اور تنبیہ کی کہ مرہٹہ ایسی پالیسی پر عمل نہ کریں کہ دوبارہ مہاراشٹر کو مغلوں کے حملے کا سامنا کرنا پڑے۔ اس کے علاوہ وہ طاقتور نظام کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات بنانے رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کی رائے تھی کہ جب

نک کافی مالی ذرائع اور ایک طاقتور فوج اور مستقل انتظامیہ ڈھانچہ قائم نہ ہو جائے تب تک کوئی بڑی فوجی کارروائی نہ کی جاسکتی۔

برخلاف اس کے باجی راؤ نے مغلیہ دربار کی کمزوریوں اور کاہلی پر زور دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ مغل دربار امیروں کی اندرونی چپقلش اور گروہ بندی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اور مرہٹوں کی مدد سے بادشاہ تخت سے اتارے یا ہٹائے جا رہے ہیں۔ کرناٹک کی فتح کو اس نے ایک گھریلو معاملہ بتایا جسے حضرت (راجا کی گھریلو) فوج پر چھوڑا جاسکتا ہے۔ شیواجی کے ہندو بادشاہی کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے ہندو راجاؤں کی نام نہاد دوستی کا تذکرہ کیا۔

نظام کی طاقت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس نے کہا کہ میں نظام کو روکنے کے ساتھ ہی شمال کی جانب مرہٹہ قوت کو بڑھا سکتا ہوں۔ آخر میں اس نے مرہٹہ مہاراجوں کو ٹھکانے حاصل ہونے والی دولت کا لالچ دیتے ہوئے کہا کہ دکن تو مسلسل جنگوں کی وجہ سے ویران ہو چکا ہے لیکن شمالی ہندوستان مال و در سے بھر پڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے پرجوش الفاظ میں کہا: "تو پروا رکھنے سے شایں اپنے آپ گر جائیں گی اگر میری بات سنو تو میں انک کی دیواروں پر مرہٹوں کا بھگوا پرچم لہرا دوں گا۔"

باجی راؤ کی شمال کی جانب توسیع پسندانہ پالیسی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ دکن کی فتح کی جانب دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ 1724ء میں ہی جب بادشاہ نے نظام الملک کے خلاف مرہٹوں سے مدد مانگی اسی وقت باجی راؤ نے مطالبہ کیا تھا کہ حیدر آباد کی صوبے داری اس کو دے دی جائے اور ان کی رضامندی سے دکن کے صوبے دار کا تقرر کیا جاسکے۔

اس سے واضح ہے کہ باجی راؤ بھی دکن میں مرہٹوں کا تسلط قائم کرنے کے حق میں تھا لیکن وہ نمائندے کی اس تخیلاتی رائے سے متفق نہیں تھا کہ نظام الملک کی مخالفت کے بغیر مراٹھے آسانی سے کرناٹک پر قبضہ کر لیں گے۔ بالفاظ دیگر وہ سمجھتا تھا کہ نظام جیسے چالاک اور مدبر دشمن کی موجودگی میں اپنے موجودہ ذرائع سے مرہٹے سارے دکن پر اپنا تسلط قائم نہیں کر سکتے تھے اس لیے اس کی واضح پالیسی تھی کہ مرہٹے مالوہ و گجرات جیسے خوش حال علاقوں کو فتح کریں۔ اٹھارہویں صدی

کی ابتدا سے ہی ان صوبوں پر مرہٹے مسلسل حملے کرتے آ رہے تھے اور وہاں لوٹ مار کر کے دولت حاصل کر رہے تھے باجی راؤ نے ان بے ضابطہ حملوں کو نہ صرف ایک مستقل مشکل دی بلکہ اس نے ان علاقوں کی سیاسی و فوجی اہمیت کو بھی سمجھا مرہٹوں کا مالوہ و گجرات پر مضبوط کنٹرول ہونے پر وہ نظام اور ٹی کے رابطوں کو توڑ سکتے تھے۔ ایسی حالت میں مرہٹے نظام کے علاقے پر آسانی سے تین طرف سے حملہ کر سکتے تھے اور نظام کسی بھی طرح کی مدد دہلی سے حاصل نہیں کر سکتا تھا یا مرہٹے وہاں سے دو آبہ اور اس کے پورب و پچیم کی جانب آگے بڑھ سکتے تھے۔

اس لیے ایک بڑی مرہٹہ سلطنت کے قیام کے لیے مالوہ و گجرات پر مرہٹوں کا تسلط پہلا قدم تھا۔ تاریخی نقطہ نظر سے یہ خیال ٹھیک نہیں کہ باجی راؤ نے اس کے آگے اپنا منصوبہ بنایا ہو گا۔ انک پر مرہٹوں کا پرچم لہرانے کا اس کا قول ایک سیاست کی شیخی بگھارنے یا دھاک جمانے والی بات تھی انک تک پرچم لہرانا ایک لمبی مدت تک مرہٹوں کی قوت کے باہر تھا باجی راؤ اتنا زمانہ شناس تھا کہ اس نے عملاً اس مقصد کے حصول کے لیے کوشش نہیں کی جس کا حاصل کرنا پوری طرح ناممکن تھا۔

شمالی ہندوستان کا رد عمل

حالانکہ نظام نے سیدوں پر یہ الزام لگایا تھا کہ سید برادران ہندوؤں راجپوتوں اور مراٹھوں کے دوست ہیں لیکن اپنی کامیاب بغاوت کے بعد نظام الملک نے اس شاہی فرمان جس کے مطابق مرہٹوں کو دکن کی چوتھ و سرڈیش مکھی کا اختیار دیا گیا تھا احترام کیا۔ لیکن اس نے مرہٹہ عہدے داروں کے دارالحکومت اورنگ آباد کے پاس رہنے پر اعتراض کیا۔ اس کے کچھ دن بعد ہی 4 جنوری 1721ء کو اس نے باجی راؤ کے ساتھ پہلی ملاقات کی اس ملاقات میں کن مدعوں پر بات چیت ہوئی یہ نامعلوم ہے لیکن یہ واضح ہے کہ نظام الملک نے جوان امرا باجی راؤ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر لیے تھے تو کبھی دونوں کے مابین کسی طرح کا معاہدہ نہ ہو سکا۔ نظام الملک کا بیجا پورا و گول کنڈہ پر قبضہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بیجا پوری و حیدر آبادی دونوں کرناٹکوں کا مالک سمجھتا تھا جبکہ

مراٹھے اس کے اس دعوے کو غلط سمجھتے تھے شاہ جی کے زمانے سے ہی مرہٹے کرناٹک پر اپنا خصوصی حق سمجھتے تھے اور وقتاً فوقتاً اسے لوٹتے رہتے تھے۔

نظام الملک اکتوبر 1721ء میں اورنگ آباد سے دہلی لوٹ آیا اور 1724ء تک دربار کی اس سیاست میں پھنسا رہا اس کی غیر حاضری میں اس کے نائب مہاراجا الملک نے مرہٹوں کے ساتھ چوتھے دینے کے معاہدے کو ماننے سے انکار کر دیا جس سے مرہٹوں کے ساتھ پھرے کش مکش شروع ہو گئی لیکن اس دوران میں بھی نظام الملک نے مرہٹوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات بنائے رکھنے کی کوششوں کو جاری رکھا۔ گجرات کی ہم کے دوران 24 فروری 1723ء کو نظام اور باجی راؤ کی دوبارہ ملاقات ہوئی جیسا کہ اس سے قبل بھی بیان کیا جا چکا ہے

نظام کے دہلی چھوڑ کر دکن چلے جانے کے وقت 1724ء مراٹھوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے بادشاہ نے ساہو کو لکھا مہاراجاں نے بھی مرہٹوں کے ساتھ دوستی کے لیے سیدھی بات چلائی۔ ان کوششوں کو روکنے کے لیے نظام الملک نے باجی راؤ کے ساتھ دوسری بار ذاتی طور پر ملاقات کی حالانکہ ساہو نے اپنے سرداروں کو غیر جانبدار رہنے کا حکم دیا تھا لیکن شاہ کھر کھڑا کی جنگ میں باجی راؤ اپنے گھوڑ سواروں کے ساتھ نظام کے حق میں لڑا اس کے کاموں سے خوش ہو کر نظام الملک نے اسے 7000 ہزاری کا منصب دے کر اس کی عزت افزائی کی۔ کچھ عرصہ مورخین کی رائے ہے کہ نظام الملک نے مرہٹوں کی حمایت کے بدلے میں باجی راؤ کو گجرات و مالوہ کی جانب پیش قدمی کرنے کے لیے اپنے علاقے سے گزرنے کی اجازت دے دی تھی۔

مرہٹوں کی شمالی ہندوستان کی طرف بڑھنے کی پالیسی کو سمجھنے کے لیے مرہٹوں اور نظام کے تعلقات کو سمجھنا ضروری ہے۔ نظام الملک کے دوستانہ تعلقات کے بارے میں پیشوا اور نمائندہ بٹری پت راؤ کے درمیان اختلاف رائے تھا۔ نمائندہ نظام کے ساتھ مستقبل میں دوستی بنے رہنے کی جانب کافی پُر امید تھا اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ مہاراجاں کے خلاف فتح کے بعد کرناٹک میں نظام اور مرہٹے مشترک طور پر دوبارہم کر چکے تھے لیکن نمائندہ ان کارروائیوں کے پر دے میں نظام کے مقاصد اور اندرونی جذبے کو سمجھنے میں ناکام رہا۔ نظام باجی راؤ کے

شمالی ہندوستان کی جانب پیش قدمی میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتا تھا کیونکہ مغلیہ دربار کا رویہ اس کے لیے دشمنانہ تھا۔ ساتھ ہی وہ مرہٹوں کو اتنا طاقتور بننے کا موقعہ دینے کے حق میں بھی نہیں تھا کہ وہ مالوہ و گجرات پر اپنا پورا تسلط قائم کر لیں کیونکہ ایسی حالت میں وہ اس کے اور مغل دربار کے بیچ دیوار کا کام کرتے اور اس کی حالت خطرے میں پڑ جاتی۔ نظام الملک کی پالیسی کا بنیادی مقصد تھا کہ اس کے دونوں دشمن یعنی مرہٹے اور مغل بادشاہ آپس میں لڑتے رہیں ساتھ ہی وہ اسے میں سے کسی ایک کو بھی اتنا طاقتور نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ وہ دوسرے فوج پر حاوی ہو جائے اس لیے مراٹھوں کے ساتھ دوستی دکھاتے ہوئے بھی اس نے دربار کے ساتھ اپنے تعلقات کو ٹھیک کرنے اور دلی کے لیے اپنا راستہ صاف رکھنے کی بھی کوشش کی۔ مراٹھوں پر اندرونی بندش رکھنے کے مقصد سے اس نے مرہٹوں کے مختلف گروہوں اور سرداروں اور خاص طور سے کوکھا پور کے سنبھاجی کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے یہ پالیسی انتہائی گنجلک تھی اور اسے نظام الملک جیسا ہی مدبر اور ہوشیار سیاست دان علی جامہ پہنا سکتا تھا جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ کسی حد تک سوائی جے سنگھ نے بھی نظام کی بنیادی پالیسی کی تقلید کی لیکن اس میں اسے نظام جیسی کامیابی نہیں ملی۔

نظام کی اس مشکل پالیسی کی وجہ سے ہمیں بار بار ایسے دور دکھائی دیتے ہیں جن میں نظام اور مراٹھوں کی دوستی دشمنی میں بدل جاتی ہے اور دشمنی دوستی میں۔ اس کا اثر شمالی ہندوستان کی سیاست پر پڑنا لازمی تھا۔ نظام اور مراٹھوں کے تعلقات کا تفصیلی جائزہ لینا ہمارے لیے ضروری نہیں ہے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ 1721ء سے 1727ء تک دوستانہ تعلقات کے بعد نظام اور مراٹھوں میں کشمکش کی حالت پیدا ہو گئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس مدت میں مالوہ و گجرات میں مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے اثر سے نظام الملک بے چین اور خوف زدہ ہو گیا تھا اس نے کرناٹک کے خلات مرہٹوں کی ہمہ کی بھی مخالفت کی حالانکہ 1725ء - 26 اور 1727 - 28ء میں کرناٹک میں ساہو کی ہمہ کے دوران اس نے اپنا تعاون دیا تو بھی اس نے اپنے سپہ سالاروں کو مرہٹوں کی مخالفت کرنے کے لیے خفیہ حکم

دے رکھا تھا جب مراٹھوں کی فوج کا بڑا حصہ باجی راؤ کی قیادت میں کرناٹک میں تھا تو نظام نے اپنا نقاب اتار دیا اس نے دکن کی چوتھ و سرڈیش مکھی کے سلسلے میں ساہو اور بنھاجی کے درمیان اختلاف کو بنیاد مان کر ساہو کو چوتھ و سرڈیش مکھی دینے سے انکار کر دیا اس کے ساتھ ہی شاہی نمائندے کی حیثیت سے اس نے ساہو کو اپنا دعویٰ پیش کرنے کی غرض سے مدعو کیا اس نے ساہو کو یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ باجی راؤ کو پیشوا کے عہدے سے ہٹا دے اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے نظام نے کوہلاپور کے سنبھاجی کے ساتھ ساز باز کر لی تھی۔

نظام کے اس رویے نے ساہو کو شش و پنج میں ڈال دیا نمائندہ شری پت راؤ کی صلاح سے ساہو نے تنازعے کو نپٹانے کی غرض سے نظام کی ثالثی منظور کر لی۔ لیکن وہ جلد ہی حقیقت کو سمجھ گیا اور مرہٹے افواج کو فوراً واپس آنے کے لیے لکھا اس نے مرہٹہ سالاروں کو بھی اپنے اپنے قلعے میں ہوشیار رہنے کا حکم دیا کرناٹک سے لوٹ کر باجی راؤ نے نظام کے خلاف لڑائی چھیڑنے کی رائے دی اس لیے ساہو نے نمائندے کی صلح کی تجویز کو رد کر دیا نظام الملک کو مراٹھوں کے ساتھ جنگ چھیڑنے کی امید نہیں تھی باجی راؤ نے ایک بڑے گھوڑ سوار دستے کو لے کر نظام الملک کو پالکھیرہ کے مقام پر گھیر لیا مرہٹوں نے نظام تک رسد پہنچنا روک دیا لیکن نظام کے طاقتور توپ خانے کی مارگی وجہ سے انھوں نے نظام کی فوج پر حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا اس لیے ڈیڑھ ماہ کے محاصرے کے بعد دونوں نے صلح کرنی زیادہ مفید سمجھی مارچ

1728ء میں منگی شیو گاؤں میں سمجھوتہ ہوا جس کے مطابق نظام ساہو کو دکن کی چوتھ و سرڈیش مکھی دینے اور کوہلاپور کے سنبھاجی کو کسی بھی طرح بنانا نہ دینے کو رضامند ہو گیا کچھ مورخین کا خیال ہے کہ منگی شیو گاؤں کی صلح کے نتیجے میں دکن میں مرہٹوں کی خود مختاری قائم ہو گئی تھی لیکن یہ تاریخی نقطہ نظر سے ٹھیک نہیں ہے کیونکہ دکن پر اپنا تسلط جمانے کے لیے مرہٹوں کو برابر جد و جہد کرنی پڑی اور یہ جد و جہد 1761ء اور اس کے بعد تک چلتی رہی۔ لیکن اس صلح میں دکن کی چوتھ و سرڈیش مکھی پر ساہو کے دعوے کو صیغہ تسلیم کر لیا گیا اور ایک لمبی مدت سے چلا آرہا تنازعہ ختم ہو گیا۔ 1761ء اور ساہو کے دربار میں نمائندہ شری پت راؤ کا اثر کم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس کا سب سے اہم نتیجہ یہ نکلا کہ اب مرہٹے اپنا پورا دھیان مالوہ و گجرات کی طرف لگا سکے۔ اس طرح منگی شیوگاؤں کی صلح صرف دکنی ہندوستان کے لیے ہی اہم نہیں ہے بلکہ اس کا پورا اثر شمالی ہندوستان کی سیاست پر بھی پڑا بلکہ یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ 1725ء میں نظام کے مغل دربار چھوڑ کر چلے جانے کے بعد 1739ء میں نادر شاہ کے حملے تک سیاست کا مرکز مغلیہ دربار نہیں دکنی ہندوستان ہو جاتا ہے اور شمالی ہندوستان کی سیاست کافی حد تک دکنی ہندوستان کی سیاست سے ملے ہوتی ہے۔

مالوہ اور بندیل کھنڈ کی فتح

(42 - 1732)

مالوہ کی چوتھ کے سلسلے میں مرہٹوں کے ساتھ زبانی معاہدے کے بعد 1731 میں) محمد امین خاں ننگش کو اس صوبہ کی صوبہ داری سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس کی جگہ پر جے سنگھ سوائی کو مقرر کیا گیا اور وہ اس شرط پر کہ وہ تیس ہزار سوار اور اتنے ہی پیدل سپاہ ہمیا کرے گا اور ان اخراجات کے لیے اس کو اس صوبہ کی زمینوں اور خراج وغیرہ سے ملنے والی آمدنی کا دو تہائی حصہ مقرر کر دیا گیا۔ لیکن خود اس پر نگہ داری کے خیال سے ایک دیوان کا بھی تقرر کیا گیا جسے 18 ہزار سوار ہیا رکھنے اور مال گزاری کا ایک تہائی حصہ بذریعہ اپنے اہل کاروں کے وصول کرنے کا اختیار دیا گیا۔ راجہ کی غیر حاضری میں راجہ کے نائب کو کم از کم چھ ماہ تک رہنے کا حکم دیا گیا۔

جے سنگھ سے قبل کسی گورنر کو اس قدر اختیارات کبھی نہ دیے گئے تھے اس کے پاس علاوہ مالوہ کے اگرہ کا صوبہ بھی تھا اور اسے یہ بھی اختیار تھا کہ اپنی چھپور کی افواج کے ذریعہ اور اس کی فوج کے لیے مقرر کردہ راجاؤں کی سپاہ کے ذریعہ وہ 48 ہزار سوار اور پیادوں کا اضافہ بھی کر سکتا تھا۔ مالوہ کی گزاری سے کے علاوہ شہنشاہ کی طرف سے اس کو 20 لاکھ کی رقم دی گئی جس میں سے 13 لاکھ بطور وظیفے کے اور سات لاکھ بطور قرض کے دیئے گئے۔

مرہٹوں کے ساتھ ایک پُر امن تصفیہ سے متعلق راجہ کی واضح پالیسی کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات قابل تیس نہیں ہے کہ اسے مالوہ میں مرہٹوں کے خلاف ناقابل تصفیہ دفاع کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل کہ وہ اس کے لیے تصفیہ کرے۔ اسے اسی صوبہ میں اپنی دفاعی طاقت کی نمائش کرنا تھی۔

جے سنگھ دسمبر 1722ء میں مالوہ پہنچا۔ ہولکر کی سرکردگی میں مرہٹے صوبہ کے اندر داخل ہوئے اور ہولکر نے منڈسور میں جے سنگھ کی افواج کو گھیر لیا۔ شہنشاہ کے اس موقع پر پہنچ جانے کے ارادہ کی خبر سے محصور افواج کا حوصلہ بڑھ گیا اور انھوں نے ہولکر کو منڈسور سے سولہ کوس کی دوری تک پسپا کر دیا۔ لیکن موانع الذکر نے اپنی ہم کو تیز تر کر دیا اور اب اس کے سامنے جے پور کا راستہ صاف اور خالی نظر آ رہا تھا۔ جے سنگھ گھیر گیا اور اس نے مرہٹوں سے امن کی تجویز پیش کر دی۔ مارچ 1733ء میں اس نے چھ لاکھ روپیہ بطور ضمانت کے اور چوتھ کی جگہ مالوہ کے اسٹھائیس پرگنہ پیشوا کو دینے منظور کر لیے۔³

اس معاہدہ سے مالوہ میں مغل اور مرہٹہ کشمکش میں ایک نیا موڑ سامنے آ جاتا ہے ابھی تک تو مرہٹے صرف چوتھ اور سردیش مکھی کی بی مانگ کر رہے تھے اور اس رقم کو یا تو سالانہ ایک مشت رقم کی صورت میں یا جاگیر کی صورت میں طلب کر رہے تھے لیکن اب چوتھ کی جگہ پر انھوں نے چند پرگنوں کی مانگ شروع کر دی تھی۔ اب لوٹ مار کرنے اور حفاظت کی ذمہ داری کے بدلہ میں چوتھ طلب کرنے کا بہانہ ختم ہو چکا تھا۔ اب تو انھوں نے چوتھ کی مانگ کو گویا اپنی سرحدوں کی توسیع کرنے کا ایک وسیلہ بنالیا تھا۔ اس کے بعد مالوہ میں چوتھ اور سردیش مکھی کی مانگ روز بروز پس منظر میں جاتی رہی اور اب اس صوبہ پر مکمل قبضہ کی مانگ کا آغاز ہو گیا۔ اب مالوہ میں مرہٹے خود کو اس قدر مضبوط اور محفوظ سمجھنے لگے تھے کہ جولائی 1732ء میں پیشوا نے اس صوبہ کو اپنے مخصوص سپہ سالاروں یعنی سندھیا ہولکر اور دونوں پاور بھائیوں میں بھی تقسیم کر دیا۔⁴

جے سنگھ کے معاہدے کے لیے شاہی تصدیق حاصل ہونے کا دور تک بھی نشان نظر نہ آتا تھا۔ ادھر دوسرے ہی سال 1733-34ء میں مرہٹوں نے ایک طرف تو راجپوتانہ پر حملہ کیا اور دوسری طرف دیتا اور جھا وغیرہ ریاستوں پر بھی دھاوڑاں شروع کر دیا۔ مرہٹوں کی فوج میں جعفر علی بندیلہ کے بیٹے بھی آکر شامل ہو گئے۔ کیونکہ ان کا 1733ء سے اہا کے ساتھ یہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ وہ مرہٹوں کی مدد کریں گے اور جتنا پار کی فتوحات میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔⁵

مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی رفتار نے بالآخر دربار کو شدید خطرہ محسوس کرنے پر مجبور کر دیا اور 1732 اور 1735ء کے درمیان مرہٹوں کو مالوہ سے بے دخل کرنے کی تین مہمیں بروئے کار لائی گئیں 1732-33ء میں وزیر اعظم قمر الدین خاں اسی نوے ہزار فوج کو لے کر مالوے کی سرحد تک پہنچا اور گوالیار کے ضلع سینو پوری میں خیمہ انداز ہوا اس نے عظیم اللہ خاں کو مرہٹوں کو پسپا کرنے کے لیے رواد کیا کیونکہ مرہٹے اس وقت شاہی کیمپ سے 15 یا 16 کوس کے فاصلہ پر تھے عظیم اللہ نے پلاچی کو جا پکڑا اور شیو داس کے بقول ان کو شکست فاش دی اور انھیں نزدک اس پار لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ اس فتح سے مطمئن ہو کر عظیم اللہ پھر وزیر کی افواج سے آلامہ 6 اسی اٹھارہ سو کے مقام پر بے سنگھ کی شکست کا حال سب کو بڑی معلوم ہو چکا تھا۔ نرید اپر کوئی ایسا دفاعی انتظام نہ کیا گیا جس کے ڈر سے آئندہ مرہٹے دوبارہ مالوہ میں داخل ہونے پائیں۔ اور چھاکے راجاؤں اور راؤ رام چندر نے وزیر پر زور ڈالا کہ وہ چھتر سال کے بیٹوں کے خلاف ایک مہم بھیجے اور ان کی سرکوبی کرے کیونکہ وہ لوگ مرہٹوں سے ملے ہوئے تھے وزیر راجہ جگت رائے کی سرحد تک پہنچا کہ اس نے ایک زمیندار کی مسلح بغاوت کی خبر سنی۔ یہ زمیندار اس کی غازی پور کی جاگیر میں ادارو نام کا تھا اور اس کے ہاتھوں اس کے داماد نار خاں کی موت واقع ہو چکی تھی تھی۔ انتہائی غضبناک ہو کر وزیر اس جگہ پہنچا اور اس پر قابض ہو گیا۔ سینو داس اس کا چشم دید گواہ تھا۔ اس نے اس لڑائی کا آنکھوں دیکھا حال قلب بند کیا ہے۔ یہ ایک چھوٹے سے زمیندار کا شاہی وزیر کی خلاف ورزی کرنے کا اقدام شاہی اثر و رسوخ اور عظمت و عزت کے زوال پذیر ہونے کی طرف بھرپور اشارہ کرتا ہے۔ 1733ء و 1734ء میں پچھلے سال کی حماقت کو پھر دہرایا گیا، یعنی مظفر خاں، خان دوراں کا بھائی، مرہٹوں پر حملہ کیے بغیر سروج تنک بڑھا اور آئندہ کے لیے مرہٹوں کے حملوں کا سد باب اور مالوہ کی حفاظت کا انتظام کیے بغیر واپس لوٹ آیا۔ یہ شاہی ہمت نقطہ سروج کو 1734-35ء میں پہنچ گئیں جبکہ وزیر اعظم قمر الدین خاں اور بخشی الممالک خان دوراں کی سرکردگی میں دو زبردست افواج مرہٹوں کو نرید کے پار پسپا کرنے کے لیے روانہ کی گئیں۔ خان دوراں کے ساتھ تمام راجپوت بشمولیت

جے سنگھ ایسے سنگھ اور ذر جن لال کو مژ شامل تھے۔ راجپوتانہ پر ہو لکر کے حملہ نے ان کی آنکھیں کھول دیں تھیں اور 1734ء میں جے سنگھ کے مشورے پر راجاؤں نے مجلس مشاورت طلب کی اور مرہٹوں کے خلاف متحد ہو کر اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ 8۔
وزیر کی افواج 25 ہزار اور خان دوراں کی 50 ہزار سے بھی زائد تھیں۔ 9۔

لیکن یہ زیر دست افواج مرہٹوں کے اسپ سوار دستوں کے سامنے دوبارہ بے بس ہو گئیں۔ خان دوراں اور جے سنگھ ٹوڈ اینک کے مقام پر محاصرہ میں لے لیے گئے اور اپنی افواج سے علیحدہ ہو گئے۔ اب جے پور کو مرہٹوں سے بچانے والا کوئی دستہ بالآخر جے سنگھ کے مشورے پر خان دوراں نے صلح کی گفتگو کا آغاز کیا اور مالوہ کی چوتھ کی صورت میں مرہٹوں کو 22 لاکھ روپے سالانہ دینا منظور کیا۔ 10۔

قمر الدین خان کا نارو کے مقام پر پلا جی جادو سے ہلکا سا مقابلہ ہوا لیکن وہ بھی مرہٹ افواج کو کوئی قابل لحاظ نقصان نہ پہنچا سکا۔ 10۔ الف ان مہمات سے ایک بار پھر یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مغلوں کے پاس مرہٹوں کے اسپ سوار دستوں کی چابکدستی کا کوئی جواب نہ تھا۔ یہ ناکامی ملک عنبر اور شاہ جی بھونسلے کے وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ مرہٹوں کے اسپ سوار دستوں نے دکن میں منظم مظاہرہ کیا تھا مرہٹوں کی ان پالیسیوں کا اس وقت تک کوئی جواب نہ ہو سکا جب تک کہ روسیوں کے پیدل سپاہیوں نے تیز بندرتوں سے گولیوں کی بارش نہیں کی۔ یہ جنگی حکمت عملی پہلی بار پانی پت کی جنگ میں نادر شاہ کامیابی سے اختیار کر چکا تھا 11۔ مغل افواج اپنے لیے چوڑے اسلحوں اور بھاری توپوں کے ذریعہ کسی ایک مقام پر جمع کر لڑنے کے لیے ہی نہایت مناسب تھیں۔ ایسی جنگ اگرچہ بڑی مشکلات میں کرنی پڑتی تھی لیکن مرہٹوں کے مرد ہار کرنے سے قبل تک ہی ممکن تھی 1732ء میں مکمل طور پر جنوبی مالوہ میں مرہٹوں کے قیام سے شاہی افواج کے لیے جنگی مسائل نے ایک دوسری صورت اختیار کر لی۔ اب تو ان کو کھلے میدانوں میں حکمت عملی والی جنگ لڑنی تھی جس کے لیے مرہٹوں کی اسپ سوار فوج نہایت کارگزار ثابت ہوئی تھی کیونکہ ان کے ذریعہ وہ مغل توپوں کی رسائی سے دور کے علاقوں میں مغل افواج پر با آسانی آگ برسا دیتے تھے۔ اور ان کے رسل و رسائل اور رسد کے راستے

بند کر دیتے تھے۔ اب صرف کھلے میدانوں ہی میں مرہٹوں کو شکست دے کر مغل مرہٹوں کو مالوہ سے باہر نکال سکتے تھے۔ اور نرمد کے کنارے کنارے اپنے دفاع کو مضبوط کر سکتے تھے۔ مغلوں کے پاس اس مسئلہ کا کوئی حل نہ تھا اور اس لیے انھوں نے دیکھا کہ مالوہ میں زبردست افواج کو بھیجنا مرہٹوں پر بہت زیادہ اثر انداز نہ ہو سکا اور اس کے نتیجہ میں یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ راجپوتانہ اور دہلی تک کے علاقے مرہٹوں کی زد میں آگئے ہیں۔

دربار میں امن پسند اور جنگ پسند گروہ

مندرجہ بالا حالات میں دو مختلف پالیسی کی حمایت کرنے والے دو متضاد گروہ دربار میں منظر عام پر رونما ہوئے۔ خان دوراں اور بے سنگھ کی سرکردگی میں ایک گروہ تو مرہٹوں کے ساتھ امن کا خواہش مند تھا۔ دوسرا گروہ قمر الدین خاں اور سعادت خاں کی سربراہی میں نظام کی مدد لے کر اور زیادہ بہتر تیاری کے ساتھ جنگ کو جاری رکھنے کی حمایت میں تھا۔ محمد سر بلند خاں اور روشن الدولہ بھی جنگ کے حامی تھے۔ 12 تین سال کی ہم کے نتیجہ میں صرف بے سنگھ کے 1733 دہلے چوتھ کی ادائیگی کے معاہدہ کی توثیق ہو سکی۔ سعادت خاں نے بے سنگھ پر دھوکہ دہی کا الزام لگایا اور اس کو اپنے ہم مذہبوں کا ساتھ دینے اور ان کی ہم نوائی کرنے کا اتہام لگایا گیا۔ مرہٹوں کے ساتھ خفیہ طور پر دوستی کر کے بے سنگھ نے حکومت کو تباہ کر دیا ہے۔ یہ سعادت خاں کے الفاظ تھے۔ ”مجھے صرف اگر وہ اور مالوہ کی صوبہ داری دیدیجئے مجھے اس کے لیے روپیہ پیسہ درکار نہیں“ بے سنگھ تو کروڑوں طلب کر سکتا ہے لیکن مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرا خزانہ خود ہی معمور ہے۔ نظام میرا دوست ہے وہ مرہٹوں کے نرمد کے پار اترنے میں مزاحمت کرے گا۔ 13

وہ جب خود شہنشاہ خان دوراں اور بے سنگھ کی غلطیوں پر احتجاج کرنے میں شامل ہوا تو خان دوراں نے جواب دیا۔ ”مرہٹوں کو جنگ کے ذریعہ پوری طرح ہلایا نہیں جاسکتا۔ البتہ گفت و شنید کے ذریعہ پیشوایا اس کے بھائی کو جہاں پناہ کے حضور میں حاضر ہونے پر مائل کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس کی مانگیں قبول کر لی جائیں تو آئندہ

مستقبل قریب میں شاہی سرحدوں پر کسی طرح کی بد امنی نہ ہوگی۔ لیکن اگر سعادت خاں اور نظام مل گئے تو وہ کسی نئے حکمران کو تخت نشین کر دیں گے۔ حقاً، ان

فغان دوراں اور بے سنگہ کھلے طور پر اس رائے کے تحت کہ مرہٹوں سے کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنا آسان نہ تھا اس لیے ان کے ساتھ امن پسندی کی پالیسی کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ کار نہ تھا۔ انھوں نے شہنشاہ کے خدشات کو ہوا دی کہ اگر ان کے اختیار میں بڑی تعداد میں شاہی افواج دے دی گئیں تو سازشیں کر کے بااثر امرا کسی نئے حکمران کو تخت نشین کر دیں گے۔ اس طرح انھوں نے امن کی بات حیثیت شروع کرنے کے لیے شہنشاہ کی اجازت حاصل کر لی۔ انھوں نے نظام الملک کے ارادوں کی طرف سے شہنشاہ کے خدشات کو اور تقویت پہنچائی یقیناً نظام کی پیچیدہ حکمت عملی کو سمجھنا دشوار تھا اور اس کی یقین دہانی پر اعتماد کرنا بھی سخت مشکل تھا۔ اس نے 1725ء اور 1728ء میں مرہٹوں سے دوستی کر لی تھی اور دونوں دفعہ ان کو دھوکہ بھی دیا تھا۔ 1731ء میں اس نے محمد خاں بنگش کے ساتھ مرہٹوں کے خلاف ایک مشترکہ ہم کی تجویز رکھی تھی لیکن 1732ء میں اس نے باجی راؤ کے ساتھ صلح کر لی تھی۔ اور پہلے کی طرح وہ اس صلح نامہ کو توڑنے کے لیے بھی تیار ہو گیا تھا۔

1735ء میں وہ برہان پور تک وزیر اعظم کے ساتھ مالوہ والی ہم میں شریک رہا۔ اس کی ملک کے لیے اس نے پانچ ہزار سوار بھی روانہ کیے اور پلازی سے واپس جانے کے لیے بھی زور دیا۔¹⁴ دربار میں ان تمام امور کا ہر ایک علم تھا۔ پھر بھی نظام پر کسی کو بھروسہ نہ تھا۔¹⁵ سعادت خاں بھی اس سے بدگمان تھا اگرچہ اس کی اس کے ساتھ خط و کتابت بھی تھی۔

اب ان دو قسم کی متضاد تجویزوں کے حامیوں میں ایک طویل کشمکش شروع ہو گئی۔ پہلے تو شہنشاہ ”جنگ کے حامیوں“ کی طرف مائل ہوا۔ ایسے سنگہ وزیر کا ہم خیال بن گیا اور مرہٹوں کے وکیل نے بتایا کہ قمر الدین خاں کو اگر وہ مالوہ یہاں تک کہ نجات بھی دے دے جائیں اور دوزبردست افواج روانہ کی جائیں۔ اگرچہ سنگہ نے ساتھ دیا تو اس کے علاقوں میں لوٹ مار کی جائے اور حکم عدولی کی اس

کو سزا دی جائے۔ ندیوں کے پایاب ہو جاتے پر شہنشاہ پر نفس نفیس میدان میں اترنے کا ارادہ رکھتا تھا بے سنگھ اور خان دوراں کو بے پور کے راستے سے دکن بھیجا جاتا تھا اور وزیر اعظم اور ابھے سنگھ اور سعادت خاں گوالیار کے راستے سے روانہ ہونے تھے 16 محمد خاں بنگلش سے بھی جو اس وقت فرخ آباد میں خانہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا، جاگیریں اور دوسری مراعات کے وعدوں کا یقین دلا کر، جنہا کے گھاٹوں کو مرہٹوں سے محفوظ رکھنے کے لیے افواج اکٹھا کرنے کے لیے کہا گیا۔ 17

جنگ کی حامی جماعت کا سد باب کرنے کے لیے 1734ء اور 1735ء میں میثوا نے ایک چال چلی۔ اس کی ماں شمالی ہندوستان کی طرف باترا کے ارادہ سے روانہ ہوئی وہ تمام بڑے بڑے راجاؤں کی راجدھانیوں میں گئی اور اس موقع پر مرہٹہ وکیلوں نے ان کی رائے کو اپناتے حق میں بھوار کر لیا۔ بے سنگھ اور بندیلے دوستانہ تعلقات کی طرف مائل تھے ہی، ہمارا بہادری اور دے پور کو مہذب تھا اور ابھے سنگھ کا رنج غیر یقینی تھا۔ بے سنگھ نے میثوا کو شمالی ہندوستان آنے کی دعوت دی اور اس کے تمام اخراجات کو جو پانچ ہزار روپے روانہ ہوتے تھے، برداشت کرنے کا وعدہ کیا اور مالوہ کی چوتھہ دلوہ کا بھی یقین دلایا۔ اور اس کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری میں اس کے تمام مطالبات کا تصفیہ کرانے کے لیے اس کو شہنشاہ کے روبرو پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ 18

بے سنگھ کا باجی راؤ کو شمالی ہندوستان کے لیے دعوت دینا بہت سے مصنفین کی نظر میں ایک باغیادہ عمل تھا اور یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ شاید بے سنگھ دہلی کے خلاف ایک مشترکہ منصوبہ بنانا چاہتا تھا۔ 19 لیکن یہ خوب ظاہر ہے کہ بے سنگھ نے باجی راؤ کو ایک امن کی تجویز کے لیے بلایا تھا کیونکہ اس نے اس کو صرف پانچ ہزار سواڑوں کے ساتھ آنے کو کہا تھا اور مرہٹہ وکیل سے کہہ دیا تھا کہ اگر اس کی آمد کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو میثوا کو کوئی بھی پسندیدہ راستہ اپنی جنگ کا راستہ اپنا سکتا تھا۔ 20 اس طرح اس سے قبل کی جگہ کے شعلے مکومست کے پایہ تخت تک پہنچے لگیں بے سنگھ کی امن کے لیے یہ آخری کوشش تھی۔ ظاہر ہے کہ بے سنگھ کا خیال تھا کہ اگر میثوا شمالی ہندوستان میں بذات خود اگیا تو شہنشاہ سے اس کا کسی تصفیہ پر پہنچ جانا اس سے زیادہ آسان ہے کہ درمیانی لوگوں کے ذریعہ ہمارا شرطیں بیٹھ کر

غنت و شنید کرتا رہے۔ 1735ء و 1736ء میں شمالی ہندوستان میں باجی راؤ کی آمد یقیناً اگر دربار کی اجازت سے نہیں تو اس کے علم میں ضرور تھی کیونکہ ہمال شاہی افواج نے مرہٹوں کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ 21 جنوری 1736ء میں جیسے ہی پیشوا نے مرہٹوں کو پار کیا۔ مرہٹ افواج کے اخراجات کے لیے خانہ داروں کے توسل سے فوراً روپیہ دربار سے فراہم ہونا شروع ہو گیا۔ 22 اکتوبر 1735ء میں پیشوا دکن سے روانہ ہو گیا۔ نومبر کے آخر تک اس نے نان دربار کے مقام پر تپائی کو پار کیا اور جنوری 1736ء میں وہ میواڑ کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ اور بانس واڑہ پہنچا۔ فروری کے پہلے ہفتہ میں وہ اودے پور پہنچا اور وہاں اس کا راجہ سنگھ کے دیوان اور سفیروں نے استقبال کیا۔ دربار سے روانہ شدہ امن کے سفر اربعی جلد ہی وہاں پہنچ گئے۔ 23 مارچ کو بھامولاؤ کے مقام پر جے سنگھ کی پیشوا سے پہلی ملاقات ہوئی اور وہ کئی دن تک اس کی ہمراہی میں رہا۔ 24 مرہٹوں سے امن کی تجویز میں خود جے سنگھ کا اپنا ایک ذاتی مقصد بھی تھا۔ وہ مغلوں کی طرف سے مطیع نہ تھا اور سمجھتا تھا کہ مالوہ میں اس کے استحکام کے لیے پیشوا کی دوستی لازمی تھی۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ مالوہ اور آگرہ کے صوبے مستقل طور پر اس کے تصرف میں آجائیں۔ 25 اس طرح وہ سعادت خاں اور نظام الملک کے اتباع میں اپنے لیے ایک علیحدہ علاقہ نکال لینا چاہتا تھا۔

36 17؛ میں قیام امن کے لیے بات چیت

فردری سے نے کرجون 1736ء تک خاں دوراں اور بے سنگھ کے توسط سے شہنشاہ اور میٹھا کے درمیان مستقل طور پر مذاکرات ہوتے رہے۔ ان پچیدہ مذاکرات کا احاطہ کرنا دشوار ہے کیونکہ یہ تین مختلف مراکز یعنی دہلی، بے پور اور میٹھا کے پڑاؤ سے متعلق ہیں۔ اور ان میں متعدد قسم کے درمیانی لوگ شامل رہے۔ ان مذاکرات کا تعلق متعدد موضوعات سے رہا۔ لیکن ان طول طویل اور پیچیدہ مذاکرات کے ایک اہم نتیجہ یہ نکلا کہ دربار میں بے سنگھ اور خان دوراں

کے اثرات کچھ کمزور تھے۔ جنگ کی حافی جماعت مستقل طور پر مخالفت میں اڑی ہوئی تھی۔ نظام طرح طرح کی چالیں چل رہا تھا۔ پیشوا کے مطالبات بھی حد سے گزرے ہوئے تھے اور وہ بذات خود دربار میں حاضر ہونا اور مغلوں یعنی جنگ کی حافی جماعت کے ہاتھوں میں پڑنے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ مرہٹہ وکیل نے بھی راؤ کو خبردار کر دیا تھا۔ کہ تمام مغل ایک طرف ہو گئے ہیں۔ خان دوراں اور بے سنگھ اور چند دوسرے سردار دوسری جانب ہیں۔ معلوم ہوتا ہے سعادت خاں اور قمر الدین ان کے شکست کھا جانے تک ان کے فیصلوں پر عمل درآمد نہیں ہونے دیں گے۔ مغل ناقابل اعتماد پر فریب اور بے وفائیں۔ 26 بابی بھیمو راؤ نے سہی لکھا ”دہلی میں مغلوں نے ایک وفاق بنالیا ہے خان دوراں اور بے سنگھ شہنشاہ کے ساتھ ہیں نظام کے جاسوسوں کی آمد و رفت شب و روز جاری ہے۔ نظام الملک کے شورے پر قمر الدین، روشن الدولہ، سعادت خاں اور بے سنگھ نے ایک وفاق بنالیا ہے اور آپ کو کامیاب نہ ہونے دینے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ آپ ان پر اعتماد کر کے دہلی کا راج نہیں کر سکتے۔ جب آنجنابی بالاجی دہلی گئے تھے تو سید قابل اعتماد تھے اور شکر جی درمیان میں تھا۔ مغل بالکل بے اثر تھے اور نظام اپنے گھر میں چھپا بیٹھا تھا۔ آج وہ اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہیں اور ان کی طاقتیں مضبوط اور متحد ہو چکی ہیں۔ 27

بابی راؤ نے اپنے وکیل دھوند و ہمدانی کے توسط سے اپنے مطالبات پیش کیے 28 اس نے اپنے لیے شاہی حکومت کے تحت ایک موروثی علاقے کا اور اپنے اولیٰ سرداروں کے لیے منصبوں اور جاگیروں کا مطالبہ کیا۔ 29 اور اپنی فوج کے اخراجات مددات پسندی کے رجحانات کو ختم کرنے کو کہلا اس نے جنگ کے اخراجات کے بطور 13 لاکھ زر ضمانت طلب کیا اور سال رواں کے لیے 20 لاکھ بطور جوتہ کے مانگا۔ 31 اس نے مالوہ کی صوبہ داری اور شہنشاہ کی تحویل میں لیے ہوئے قلعہ کو چھوڑ کر اس کے تمام علاقوں پر اختیار بشمولیت جاگیرداروں کی زمین اور پرانے مانج گزاروں اور بے محصول زمینوں اور اخراجات روز آد اور باقی تمام زمیندار جو کہ مرہٹوں کو مال گزاری دے کر ہی اپنی جگہ قائم رہ سکیں گے۔ یہ سب طلب کی۔ 32

پیشوائے بندیل کھنڈ کے سرداروں سے خراج وصول کرنے کا اختیار بھی مانگا۔
لیکن سب سے زیادہ اہم مطالبہ یہ تھا کہ دکن کے سرڈیش پانڈے کا موروثی عہدہ بھی پیشوا
کو دیا جائے۔ اس عہدے سے وابستہ دکن کے محصول مال گزاری کا پانچ فیصد اور کچھ غیر
واضح انتظامی امور سے متعلق مطالبات بھی تھے 33

ان تمام مطالبات کو تسلیم کر لیا گیا۔ یادگار خاں جس کو خان دوراں کی فہم
و فراست کی کبھی 34 کہا جاتا تھا مالوہ اور گجرات کی صوبہ داری کا فرمان لے کر ان
صوبوں پر بزور تلوار قابض ہو چکا تھا اور بندیل کھنڈ کے راجاؤں سے خراج
وصول کرنے کے حق کا پر واد بھی اسے عطا کیا گیا 35 پھر بھی کوئی فیصلہ کن سمجھوتہ
نہ ہو سکا 36 اس کی خاص وجہ اس وقت دکن سے متعلق باجی راؤ کے نہایت
دور رس مطالبات تھے۔ پیشوائے خاندیش اورنگ آباد اور بیجاپور میں پچاس لاکھ
کی جاگیر کا مطالبہ کیا تھا۔ اور ولی عہد کو دکن کا گورنر مقرر کیے جانے کے ساتھ ساتھ
خود کو اس کا نائب حکمران بنائے جانے کا مطالبہ بھی پیش کر دیا تھا۔ تمام انتظامی امور
خود پیشوا کے ذریعہ انجام پذیر ہونے تھے اور دکن میں جو زائد محصول و مال گزاری
دصول کی جائے اس میں سے نصف کا حصہ دار خود پیشوا ہوتا۔ 38 اس طرح
باجی راؤ نے دراصل دکن کو اپنے تصرف میں لے لینے کا مطالبہ کیا تھا 39 ایک
دوسری یادداشت میں مالوہ اور بندیل کھنڈ سے متعلق مطالبات بھی پیش کیے گئے
تھے اس میں بھوپال سے یار محمد خاں کی بیدخلی مانڈو دھارا اور رائے سین
کے قلعوں سے دست برداری اور مکمل مالوہ بشمولیت ریاستہائے قلعہ کے
بطور جاگیر کے زیر تحویل لینے کے مطالبات بھی شامل تھے۔ پیشوائے ہندوؤں
کے مذہبی مراکز یعنی پریاگ، بنارس، متھرا اور گیا کو بھی بطور جاگیر کے مانگا تھا۔
شہنشاہ یار محمد خاں کے اخراج پر تو راضی ہو گیا تھا لیکن باجی راؤ کے شہنشاہ
کے حضور میں آنے کی صورت میں اس کے خاندان کی حفاظت کے لیے صرف ایک
قلعہ سے زیادہ دینے پر راضی نہ ہو سکا۔ 40

ان مطالبات نے شہنشاہ کو عجیب کشمکش میں ڈال دیا۔ وہ پیشوا کو دکن پر
سرڈش پانڈے کا اختیار دینے اور اس طرح نظام اور اس کے درمیان قناعت

کو ہوا دینے کے لیے تو تیار تھا لیکن وہ تمام و کمال دکن اس کے حوالے کرنے پر رضامند نہ تھا۔ اس تمام عرصہ میں مستقل طور پر نظام الملک کی طرف سے شہنشاہ روزانہ مراسلات وصول ہوتے رہے جن میں شہنشاہ سے ثابت قدم رہنے اور مرہٹوں کے خلاف اس کی مدد کرنے کی استدعا کی گئی تھی۔ 41 مالوہ اور گجرات کو مرہٹوں سے بچانے کی کچھ بہ کچھ امید شہنشاہ کے رجحانات پر اثر انداز ہوئی اگرچہ شہنشاہ دیر تک ایک ارادہ پر کبھی قائم نہ رہتا تھا۔ بہر حال باجی راؤ کے مطالبات حد سے زیادہ متجاوز تھے اور انہیں مطالبات نے شہنشاہ کو جنگ کے حامی گردہ اور نظام الملک کی طرف راغب کر دیا باجی راؤ مالوہ میں مئی کے آخر تک اپنے مطالبات کے جوابات کے انتظار میں وقت گنوا رہا اور پھر بالآخر دوسرے سال اپنے مطالبات کو منوانے یا سلطنت کے اندر داخل ہو کر جنگ کرنے کے ارادے سے مہاراشٹر لوٹ گیا۔ 42

خان دوران باجی راؤ کے شہنشاہ کے حضور میں آنے اور اس کی ملازمت سے وابستہ ہو جانے میں بہت دلچسپی رکھتا تھا اور اس نے دوسرے سال بھی اس کو آنے کی دعوت دی۔ اس نے یقین دلایا کہ اچین کے مقام پر اخراجات کے پانچ لاکھ کی پہلی قسط ادا کی جائے گی اور اگر وہ میں اسے چھ سنگھ اور ایمر خاں ملیں گے جو اسے شہنشاہ سے کسی سواری کے دوران (یعنی دربار میں نہیں) ملا دیں گے۔ 43 جسے سنگھ نے پیشوا کو دستی خط لکھ کر بوندی اور خود اس کے علاقے پر فوج کشی کرنے کی درخواست کی۔ 44

دو آب پر مرہٹوں کے حملے

باجی راؤ شہنشاہ کو ناراض کرنے اور اس کے اعزاز و احترام کو ٹھیس دگانے یا مثل حکمران کی بجائے ہندو یا مرہٹہ حکمران کو تخت نشین کرنے کا خواہش مند تھا۔ 45 اگرچہ مرہٹے اکثر ہندو۔ پد۔ پادشاہی کی گفتگو کرتے تھے لیکن پیشوا یہ بھی جانتے تھے کہ وہ جمہوریوں کو معزول کر کے اس کی جگہ کوئی مرہٹہ یا راجپوت حکمران مقرر کر سکتے تھے کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے خلاف پورا ہندوستان متحد ہو سکتا

تھا 46 اس لیے پیشواؤں کا مقصد آل تیور کو تاج و تخت کا مالک رکھ کر ان کی حثمت و جلال اور ان کے نام کی عظمت کے سائے میں پورے ہندوستان پر اپنا سیاسی تسلط قائم کرنا تھا۔ گویا باجی راؤ کے فوری مقاصد ماوہ اور بندیل کھنڈ پر اپنی فتوحات اور اس کے نواح پر اپنے قبضے کی شاہی توثیق و تصدیق حاصل کرنا اور شہنشاہ کی اجازت سے پورے دکن پر قابض ہونے کے..... علاوہ کچھ اور متفرق مطالبات بھی تھے جو 1736ء میں پیش کیے گئے تھے۔ ایک قابل ذکر مطالبہ ایک خیر نقد رقم کا تھا جس کے ذریعہ پیشوا اپنے گرانقدر قرضوں کی ادائیگی کر سکے۔ لیکن ان مقاصد کا حصول اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ دربار میں "جنگ" کی حافی جماعت کی شکست یا معزولی نہ ہو جاتی۔ اس مقصد کے پیش نظر 1736ء میں دسہرہ کے دن پیشوا دکن سے رواد ہوتا کہ دو آب پر حملہ آور ہو کر شہنشاہ پر اپنی فوجی برتری کا مظاہرہ کر سکے۔

فروری 1737ء تک پیشوا اگرہ تک پہنچ چکا تھا دہلی میں جنگ کی حافی جماعت نے زبردست تیاریاں کر رکھی تھیں۔ دو فوجیں ایک قمر الدین خان اور دوسری خان دوران کی سربراہی میں رواد ہونی تھیں۔ سعادت خان اور ابھے سنگھ کو اگرہ میں آکر مل جانا تھا۔ تب اس مشترک اور متحدہ فوج کو مرہٹوں کے خلاف فوج کشی کرنی تھی۔ محمد خاں بگلش بارہ ہزار سوار لے کر خان دوران کے ساتھ شامل ہو ہی چکا تھا۔ 47

پیشوا کے لیے ساتھ اس ہم کا آغاز کچھ سازگار نہ ہوا۔ دو آب میں بل کر یہ حملہ کر کے سعادت خاں نے مرہٹوں کو سخت نقصان پہنچا کر پیچھے ہٹ کر دیا تھا۔ شاہی فوجیں اگرہ پر آکر ملنے والی تھیں اس لیے باجی راؤ کو تیزی سے اقدام کرنا تھا۔ ایک شدید حملہ کا فیصلہ کر کے وہ مغل افواج سے تیزی سے ہٹتا ہوا اچانک دہلی پہنچ گیا۔ اس کا مقصد شہنشاہ کو نقصان پہنچانا یا دہلی کو لوٹ کر خود کو دشمن ثابت کرنا نہ تھا بلکہ خود اس کے الفاظ کے مطابق "وہ تو رانیوں کے غرور کو توڑا اور شہنشاہ کو اس کی طرف مائل کرنا چاہتا تھا چنانچہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے اور شہنشاہ کو تین روز تک اپنے رحم و کرم پر رکھ کر پیشوا واپس لوٹ گیا۔ 48

باجی راؤ جنگ کی حافی جماعت کو شکست دینے کے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ شہنشاہ سعادت خاں پر نہایت غضبناک ہوا اور یہ کہا کہ اس کا ہونکر کے ساتھ

جنگ کرنے میں جلدی کرنا ہی دہلی پر حملہ کا باعث ہوا۔ سعادت خاں نے یہ گزارش کی کہ اگر اس کو آگرہ، مالوہ، گجرات اور اجیر دے دیئے جائیں تو وہ مرہٹوں کی پیش قدمی کو روک دے گا لیکن اس کی اس سکریتین دہانی کو ٹھکرا دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ بغیر شہنشاہ کی ملاقات کا شرف حاصل کیے ہوئے اپنے منصبی عہدہ کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے روانہ ہو جائے 49 لیکن باجی راؤ شہنشاہ کو اپنے ساتھ امن قیام کرنے کے لیے مائل کرنے میں ناکام ہو گیا۔ اس کے حملے سے ایک زبردست ہلچل اور بیداری پیدا ہو گئی۔ اب شہنشاہ امن کی پیش کشوں سے بیزار ہو کر نظام الملک کی عرضداشتوں کو سننے پر اور بھی مائل ہو گیا اور موخر الذکر کو دربار میں طلب کرنے کے فرمان جاری کر دیئے گئے 50

اس طرح باجی راؤ پھر اپنے پرانے حریف، نظام کے مد مقابل آکر کھڑا ہو گیا۔ اب کسی بات کا اس وقت تک اقدام نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ ان دو حریفوں کے ملکہ کا مستقل طور پر فیصلہ نہ ہو جائے۔

بھوپال کی جنگ

نظام الملک شمالی ہندوستان کی طرف مرہٹوں کی نقل و حرکت کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ وہ مرہٹوں اور دہلی دربار کے مابین طاقت کا ایک توازن قائم کرنا چاہتا تھا اور کبھی کبھی حکومت کے خلاف مرہٹوں کو بھڑکا کر اپنے لیے کچھ مہلت حاصل کر لینے میں بھی گریز نہ کرتا تھا۔ لیکن نظام الملک شمالی ہندوستان میں مرہٹوں کی طاقت کے استحکام کا خواہش مند تھا 1735ء تک مرہٹوں نے اپنی کامیابی حاصل کر لی تھی کہ شمالی ہندوستان کے اہم علاقوں پر ان کا اثر قائم ہونا نظر آنے لگا تھا۔ 1736ء کے معاہدہ سے نظام الملک ناخوش تھا کیونکہ اس کو خوف تھا کہ شہنشاہ اس کی قیمت پر مرہٹوں کی دوستی کو خرید سکتا ہے۔ اس کے یہ ہمدشات بے جا نہ تھے کیونکہ 1736ء کے معاہدہ میں میٹھا کو دکن کے چھ صوبوں میں سرحدیں پانڈے اور شاہی نائب حکمران کو مقرر کر کے حق دیا گیا تھا۔ اس لیے نظام دہلی دو مقاصد لے کر پنپا اول دکن میں اپنا استحکام دو شمالی ہندوستان اور دہلی دربار میں مرہٹوں کے

بڑھتے ہوئے اثرات کی روک تھام۔ اس کے علاوہ وہ اپنے لیے کچھ مزید مراعات بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مگر شاہی افواج کی مدد سے وہ مرہٹوں کو شکست دے سکتا تو وہ ہندوستان کا صبح معنوں میں حکمران بن سکتا تھا۔

چنانچہ اب مرہٹوں اور نظام الملک کے درمیان کی کشمکش دراصل شمالی اور جنوبی ہندوستان پر تسلط کی کشمکش تھی۔ بہر حال باجی راؤ ان حالات سے پوری طرح باخبر تھا۔ لیکن خود اس کے لیے یہ جنگ شمالی ہندوستان سے زیادہ جنوبی ہندوستان پر تسلط جانے کی جنگ تھی۔ اس نے اپنے بھائی چٹا جی کو بھوپال کی 1732ء کی جنگ کے موقع پر نخرہ برکیا کہ اگر ایک ایک مرہٹہ اس جدوجہد میں شامل ہو جائے تو فقط ایک متحدہ کوشش ہی ہم کو دکن کا خود مختار حکمران بنا سکتی ہے۔ اس کے خطوط میں یہ عبارت بار بار دہرائی گئی ہے کہ اگر نواب نظام الملک کا کوئی انتظام کر لیا جائے تو جنوبی ہند کو مکمل خطروں سے آزاد کرایا جاسکتا ہے۔⁵¹

نظام الملک کے دہلی پہنچنے سے قبل اس کو مرہٹوں کو پسپا کر دینے کی شرط پر آگرہ اور مالوہ کا صوبہ دار مقرر کر دیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مرہٹوں کے غلات ہم کی کامیابی پر الہ آباد، گجرات اور اجیر کے صوبوں کو نظام کے احباب اور اس کے نامزد لوگوں کو دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔⁵² یہ بالکل واضح تھا کہ شہنشاہ کے لیے اب ان دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کے زیر اثر اپنے چارہ نہ تھا جب تک کہ کوئی غیر متوقع موافق حالات ہی پیدا نہ ہو جائیں۔

نظام الملک 12 جولائی 1737ء کو دہلی پہنچا۔ اس کا شاہانہ استقبال ہوا۔ ماہ اگست میں اسے باجی راؤ کے جگہ پر قانونی طور پر مالوہ کا صوبہ دار بھی مقرر کر دیا گیا۔ بارش ختم ہونے پر وہ مالوہ کی طرف بڑھا اس عزم مصمم کے ساتھ کہ مرہٹوں کے مرض کا پورا پورا علاج کر دیا جائے۔ اس کے پاس 30 ہزار فوج تھی اور بندیل گنڈ اور راجپوتانہ کے ان حکمرانوں کے فوجی دستے بھی تھے جو بادل نامخواستہ اس کے ساتھ ٹھیک ہو گئے تھے۔⁵³

پیشوائے اس کا مقابلہ 80 ہزار افواج سے کیا۔ نظام کو دکن سے اور سعادت خاں سے کمک ملنے کی توقع تھی۔ صفدر جنگ کی سربراہی میں ایک دستہ آگرہ ضرور شامل

ہو گیا لیکن مرہٹو افواج دکن کے دستوں کے نظام کے ساتھ شامل ہونے میں حائل ہو گئیں ان حالات میں نظام کی بھاری اسلحہ اور آہستہ آہستہ چلنے والی فوجیں مرہٹوں کی بھاری تعداد والی فوجوں سے گھر کر بھوپال میں محصور ہو کر رہ گئیں۔ اس سے قبل بھی یہ کہانی دہرائی گئی تھی کہ آہستہ چلنے والی شاہی فوجیں مرہٹوں کی تیز قدم اور ہلکے اسلحہ والی فوجوں کے غلات کا مہیا نہ ہو سکیں تھیں۔ نظام کی حالت راجپوت مددگاروں پر مشتبہ کرنے سے اور بھی خراب ہو گئی۔ 54

وہ صوف گھونگے یا کچھوے کی رفتار سے چل سکتا تھا اس سے زیادہ تیزی سے وہ آگے بڑھ نہیں سکتا تھا اور میدان میں آکر لڑ ہی سکتا تھا اور اس کی رسید بھی ختم ہوتی جا رہی تھی دوسری جانب مرہٹے نظام کے زبردست اسلحہ کے سبب اس پر دھاوا بھی نہ بول سکتے تھے اس لیے گفت و شنید کا راستہ نکالایا اور بہت کچھ سودے بازی کے بعد 7 جنوری 1739ء کو نظام الملک مندرجہ ذیل شرطوں پر راضی ہو گیا۔

(1) (پیشوا کے لیے) مالوہ کی صوبہ داری اور اس پورے علاقہ کا اس کے لیے جاگیر تصور کیا جانا۔

(2) نردا اور جھیل کے درمیان کے علاقہ کی خود مختاری اور سپردگی (مرہٹوں کے حق میں)

(3) نظام مندرجہ بالا شرائط کے لیے شہنشاہ سے توثیقی فرمان حاصل کرے اور جنگی اخراجات کے لیے 50 لاکھ کی کسی کسی طرح فراہمی۔ نظام اپنے حالات کے مطابق اس رقم کو ادا کرنے کے لیے تیار ہو گیا بشرطیکہ شہنشاہ ادا کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ 55

اس طرح بھوپال کے صلح نامہ کے بعد سے باجی راؤ نے 1736ء میں شہنشاہ کو پیش کی گئی اہم شرائط کی توثیق حاصل کر لی بجز ان شرائط کے جن کا تعلق دکن سے تھا۔ مالوہ اور بندیل کنڈ کو تو سپرد کر ہی دیا گیا اور وہ پچاس لاکھ جو باجی راؤ نے بنگال کے خزانے سے مانگے تھے اب شہنشاہ کے ذمہ ان کو بھی کسی خزانے سے ادا کیا جانا تھا۔ مرہٹے اس سے بھی زیادہ مانگ سکتے تھے لیکن جیسا کہ باجی راؤ نے چننا جی کو لکھا تھا "چونکہ نظام بھاری اسلحہ سے لیس تھا اور بندیلے اور راجپوت اس کے بڑی حد تک مددگار تھے میں نے تمہاری صلاح کو قبول کیا اور جن شرائط کو میں

منواسکتا تھا ان سے کم پر ہی راضی ہو گیا۔ 56

حکومت کے سب سے زیادہ قوی اور با اثر سپہ سالار کی شکست کے بعد یہ زیادہ ممکن اور غالب تھا کہ شہنشاہ خود مالوہ اور بنڈیل کھنڈ کی پسگردگی پر خاموش ہو کر بیٹھ جاتا اور نظام الملک کے کہے ہوئے معاہدہ کو توثیق کر دیتا خصوصاً جب کہ بے سنگھ اور خان دوران اس قسم کے معاہدے کے لیے ایک مدت سے کوشاں تھے۔ لیکن اس کے بعد کیا صورت حال وجود میں آئی اس کا تصور ممکن نہیں ہے شاید باجی راؤ مالوہ کو مستقر بنا کر دو آب پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنالیتا یا شاید وہ شہنشاہ سے صلح کر لیتا اور اپنے منصوبوں کو دکن میں پورا کرنے کی کوشش کرتا یعنی دکن پر مکمل تسلط جمالیتا اور متعلقہ صوبوں کی نظامت کو بھی اپنی طرف منسوب کر لیتا۔ 57 اب جلد یا بدیر مکمل ہندوستان مرہٹوں کے تسلط میں آتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن اس ممکن وغالب صورت حال کو نادر شاہ کے حملہ نے ایک نئی سمت پر ڈال دیا یہ حملہ متعدد مشاہدین کی نظریں قہر خد اوندی سے کم نہیں تھا اس لیے کہ ہندوستان کی شمالی مغربی سرحدوں کو وہ منغل طاقت کے سبب ناقابل تسخیر سمجھے ہوئے تھے۔

مرہٹوں کے لیے نادر شاہ کا حملہ اس میدان میں دخل اندازی بن کر ثابت ہوا جہاں پر مرہٹے اپنا تسلط جمانے کا منصوبہ بنا رہے تھے اور نادر شاہ ہندوستان میں قیام پزیر ہو کر چغتائیوں کی جگہ کسی نئی نسل کی حکمرانی کی بنیاد ڈالنے والا تھا اور یہ افواہیں بھی تھیں کہ وہ خود کو شہنشاہ ہندوستان ہونے کا اعلان کر کے جنوبی ہند پر حملہ آور ہونے کا بھی ارادہ رکھتا تھا تو اس کا یہ منصوبہ مرہٹوں کے ارادوں کے نیے ایک صدمہ عظیم ثابت ہوتا اور زردما سے آگے بڑھ کر ان کی نئی فتوحات کا راستہ رک جاتا۔ ان حالات میں ایک نئے طریقہ کار کی سخت ضرورت لاحق ہو گئی۔ شاہی نے باجی راؤ کو شہنشاہ کی ملک کے لیے جلد از جلد اقدام کرنے کی صلاح دی اور اورنگ زیب کو دی ہوئی اس ضمانت کے پیش نظر کہ جب کبھی شاہی حکومت کو خطرہ لاحق ہوگا ہم ضرور مدد کریں گے۔ 58 راجپوتوں اور بندیلوں کی افواج کا پیشوا کی افواج سے اشتراک کا منصوبہ بھی زیر بحث آیا۔ 59۔ نادر شاہ کو خطوط لکھے گئے۔ لیکن مرہٹ

فوج باسین کے محاصرہ میں لگی ہوئی تھی راکھو جی بیو نیلے اپنے ہی منصوبوں میں الجھا ہوا تھا۔ دابھاوے مفاہمت سے کترار ہا تھا اس لیے بغیر ایک بھاری فوج کے باجی راؤ نے اقدام کرنا مناسب نہ سمجھا۔⁶⁰

جب کہ پیشوا کی فوجیں باسین کے محاصرہ میں لگی ہوئی تھیں، نادر شاہ ایران کو واپس چلا گیا۔ اس نے باجی راؤ کو ایک دھکی آمیز خط لکھنے ہی پر اکتفا کیا اس کو مغل حکمران کا فرمانبردار رہنے کا حکم دیا ورنہ وہ واپس میں آکر اس کی سرزنش کرے گا۔ باجی راؤ نے بہت سوچا بوجھ کا جواب دیا اور ایک سو ایک مہر بطور نذر کے بھیجا دیں۔⁶¹

نادر شاہ کے حملے نے دنیا کی نظروں میں مغل سلطنت کی کمزوری کا پردہ فاش کر دیا اور مرہٹے تو ایک مدت سے اس کمزوری سے باخبر ہو ہی چکے تھے لیکن اس سے مؤخر الذکر کی نظر میں بیرونی حملہ کے خدشے کے امکان کا ضرور احساس ہو گیا۔ اس کے سبب سے باجی راؤ نے ایک دلچسپ تجویز سامنے رکھی۔ اس نے تجویز کیا کہ تمام امراء چاہے بڑے ہوں یا چھوٹے وہ سب اپنی فوجوں کو ایک وفاق کی صورت میں ملا کر تیموری حکومت کو ایک بہتر تنظیم کی صورت دیں اور دشمن یعنی بیرونی حملہ آور کا مقابلہ کریں۔⁶² محمد خان بنگش ان امراء میں تھا جس کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی۔ باجی راؤ مالوہ تک پہنچا اور اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ شہنشاہ سے ملنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ اس نے محمد خاں کو یہ بھی اطلاع دی کہ جادو رانے کو شہنشاہ کے پاس بھیج دیا گیا تھا اور اب وہ امراء میں اختلاف کے ختم کیے جانے کی تجویز کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔⁶³ جیسا کہ متوقع تھا کہ باجی راؤ کے منصوبے کو کامیابی نصیب نہیں ہوتی مرہٹوں کی جانب سے ایک نئے سیاسی طریقہ کار کا آغاز ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ باجی راؤ کو شہنشاہ کی مفاہمت اور اس کے وزیر ایشمالی ہند کے اور سربراہ آدرہ امراء کی مدد کی شمالی مغربی سرحد کی حفاظت کے پیش نظر ضرورت کا احساس ہو چلا تھا اس کے منطقی نتیجہ کی روشنی میں یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ پیشوا کی رہنمائی میں اس نے طریقہ کار میں ایک فوجی وفاق کا تہیہ عمل میں آنا تھا اس میں شامل طاقتوں کی بہت کچھ خود مختاری کی تجویز بھی

شامل تھی اور ساتھ ہی ساتھ اتحاد کی علامت اور بیرونی حملہ کے خطرہ کے دفاع کے مرکز کے طور پر تیموری شہنشاہیت کو باقی رکھنا بھی تھا۔ 164 اس طرح کے قدیمی اتحاد اور علاقائی آزادی کے مابین ایک توازن کے پیدا کیے جانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

مالوہ اور بندیل کھنڈ کی مکمل سپردگی

نادر شاہ کے حملے کے بڑے دورس نتائج نکلے جس سے دربار کے مختلف گروہ اثر و رسوخ کے اعتبار سے بدلے لگے۔ سعادت خاں جو کہ مرہٹو دشمن جماعت کے عمائدین میں سے نہایت اہم تھا دنیا سے رخصت ہو چکا تھا اور نظام الملک اور قمر الدین خاں دونوں محمد شاہ کی نظروں سے گر چکے تھے نظام الملک نے دربار کو خیر باد کہا اور اس نے دوبارہ مرہٹوں سے مفاہمت کر لی۔ 65 مخالف گروہ میں خان دوراں بھی مارا جا چکا تھا۔ اب پرانے امرا میں سے صرف بے سنگھ سوئی ہی اہم ترین شخص رہ گیا تھا۔ 1741ء میں اس کے مشورے سے مرہٹوں کے ساتھ صلح کر لی گئی لیکن اس سے قبل شہنشاہ نے مالوہ اور گجرات کو واپس لینے کی ایک آخری کوشش اور کی اس سے نئے پیشوا بالابی راؤ کی طرف سے ایک نئے حملے کا مزید حشد پیدا ہو گیا۔ 66

بے سنگھ کی وساطت سے جو شرائط آخری طور پر مرہٹوں کے ساتھ طے پائیں وہ تقریباً وہی تھیں جو 1736ء و 1738ء میں باجی راؤ نے پیش کی تھیں۔ مالوہ حوالے کر دیا گیا۔ اگرچہ شہنشاہ کے وقار کو بچانے کے لیے اس کو صرف اس صوبے کی نائب صوبے داری سے تعبیر کیا گیا گو یا کہ اس صوبہ کا صوبہ دار شہنشاہ کی طرف سے مقرر کردہ شہنشاہ تھا جو صرف رسمی طور پر صوبہ دار تھا۔ پیشوا کے منصب میں تمام فوجداری یعنی اس صوبہ پر مکمل اختیارات اور اس کی تمام ریاستوں پر بھی اختیارات شامل تھے۔ چنبیل کے جنوب کی تمام ریاستوں سے جو تھ وصول کرنے کے اختیارات بھی قبول شدہ معلوم ہوتے ہیں۔ پیشوا کے 50 لاکھ نقد کے مطالبہ کے عوض بجھل، بہار اور اڑیسہ کی چوتھ سبھی اسی کے سپرد کر دی گئی۔ دکن کے سلسلے میں کسی معاہدے کا پتہ نہیں چلتا شاید اس لیے کہ نظام الملک اور پیشوا دوبارہ اچھے تعلقات قائم کر چکے

تھے۔ 50 لاکھ کی نقد رقم پیشوا کو تین قسطوں میں دی جانی تھی اس کے بدلے میں پیشوا نے یہ تحریری ضمانت دی۔ (1) یہ کہ وہ شہنشاہ سے ملاقات کرے گا (2) یہ کہ مرہٹے نرمدا کے پار نہیں آئیں گے اور اگر کسی گروہ نے ایسا کیا تو وہ خود ذاتی طور پر اس کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا (3) یہ کہ مالوہ کے علاوہ کسی اور صوبہ میں بد امنی کی صورت پیدا نہ کی جائے گی۔ (4) یہ کہ منظور شدہ رقم سے زیادہ مستقبل میں کوئی مزید رقم نہ مانگی جائے گی (5) یہ کہ ایک مرہٹہ سپہ سالار 500 سواروں کے ساتھ شہنشاہ کی خدمت کے لیے مقرر کیا جائے گا۔ (6) اور یہ کہ وہ 4 ہزار نفر کی فوج لے کر ہر شاہی مہم میں شریک ہوگا اور اگر اس سے زیادہ کی کمک طلب کی گئی تو اس کا نقد معاوضہ دیا جائے گا۔ 67

ان شرائط کے پیش نظر شہنشاہ اور پیشوا کے درمیان ایک قسم کا تعلق و اتحاد تصور کیا جاسکتا ہے۔ مرہٹوں کو دکن میں پوری آزادی دے دی گئی تھی اور اس کے بدلے میں شہنشاہ کے شمالی علاقوں میں بد امنی پیدا نہ کرنا بلکہ ضرورت میں اس کو کمک بہم پہنچانا شامل تھا (بشرطیکہ کسی غیر ملکی حملہ کا خدشہ ہو) اس کے بعد سے ایک معتبر اور مستند مرہٹہ ترجمان 'جہاد یو بھٹ ہنگانے دہلی دربار میں رہنے لگا اور شاہی سیاسیات کا ایک بااثر جزو بن گیا۔

مرہٹوں کو آخری طور پر مالوہ اور بندیل کھنڈ کا سپرد کیا جانا مغل مرہٹہ تعلقات کا ایک مرحلہ ختم کر دیتا ہے اور اس کے بعد سے ایک نئے عہد کا آغاز ہوتا ہے جب کہ مرہٹوں نے ہندوستان میں اختیار کی حاصل کرنے کی کوشش شروع کی اور دربار کی سیاسیات اور گروہ بندی کو بڑی حد تک متاثر کرنا شروع کر دیا لیکن اس نئے عہدہ کا مطالعہ اس کتاب کے سیاق و سباق سے غیر متعلق ہے۔

ضمیمہ الف

کیا 1735ء ، 1736ء میں کسی شاہی ہم کا وجود تھا؟

ارون جلد 2 صفحات (84 - 283) میں 1735-36ء کے دوران محمد شاہ کے اٹھارہویں سال، ایک شاہی ہم کا ذکر کرتا ہے اور اس کے بعد شہنشاہ نے بے سنگمہ کی پیش کی ہوئی اس تجویز کو قبول کر لیا کہ اسے پٹو اباجی راؤ کے حق میں مالوہ کی حکمرانی سے دستبردار ہو جانا چاہیئے۔

سرکار بھی (دیکھئے "افعال علی" صفحات 78-277) ارون ہی کا تتبع کرتا ہے۔ ڈاکٹر گمبیر سنگمہ (دیکھئے "مالوہ" کے صفحہ 239 کا فٹ نوٹ نمبر 1) کو اس بات میں شک ہے کہ فروری 1736ء میں مذاکرات شروع ہونے کے بعد اس ہم کو روک دیا گیا تھا۔ لیکن انھوں نے اس مسئلہ کو غیر فیصلہ ہی چھوڑ دیا ہے۔

بہر حال یہ بات بالکل صاف ہے کہ اس سال کسی قسم کی بھی ہم نہ ہوئی ہوگی صرف ایک مورخ آشوب ہے جس نے ایک ہم کا تذکرہ کیا ہے۔ اندرونی اور بیرونی حالات کی شہادت سے یہ بات واضح ہے کہ دراصل آشوب ستہرویں سال کی 1734: 1735 والی ہم کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن اس کی تفصیلات یا تو خود مصنف کے ہاتھوں یا کسی بعد کے کاتب کے ہاتھوں غلط ہو گئی ہیں۔

آشوب 1735ء 1736ء میں یعنی اٹھارہویں سال میں دو مہموں کا تذکرہ کرتا ہے پہلی تو وہ جس میں وزیر قمر الدین خان کی سربراہی میں براستہ سیواڑ، پیلا جی گائیگوڈ سے متعدد دھمکاؤں ہوئے (دیکھئے آشوب صفحات 365 - 382) لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ اس سال پیلا جی بیمار تھا اور اس نے شمالی ہند کا رخ کیا ہی نہ تھا ابجو الایس بی. ڈی جلد 22 نمبر 306-309 صفحات 168 - 170 دیکھیے فٹ نوٹ نمبر 9

صفحہ 123) اس کے بعد تال کٹوراکے مقام پر ٹھہر ہو لکر کے خلاف بے سنگمہ اور خان دوران کی جنگ کا مفصل ذکر ہے دیکھئے آشوب (صفحات 74-363) یہ دراصل پچھلے سال کی ہم کی طرف اشارہ ہے کیونکہ (1) 1734-1735ء خاص اسی مقام پر اس قسم کی ایک جنگ ہوئی تھی (2) آشوب نے باجی راؤ کی کسی نقل و

وحرکت کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ جسے کوئکن کے سلسلے میں شغول دکھایا گیا ہے (3) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جے سنگھ سے چوتھ کے سلسلے میں ایک معاہدہ مکمل کر کے لہار دکن کو لوٹ گیا (دیکھئے آشوب صفحہ 374) لیکن ہمیں یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ اپریل 1736ء میں لہار ایک ہم لے کر مارواڑ میں پہنچا اور پوری برسات اسی ہم میں مصروف رہا (4) جنوری میں ہنگانے جے پور میں جے سنگھ سے ملا (بحوالہ ایس پی۔ ڈی نمبر 14 صفحہ 50) فروری میں خان دوراں دہلی میں تھا (جلد 14 صفحہ 56) مارچ میں باجی راؤ جے سنگھ سے ملا (بحوالہ ایس پی۔ ڈی نمبر 30 صفحات 22، 24) اگر یہ سب کچھ صحیح ہے تو پھر یہ ہم مذکور کب وقوع پذیر ہوئی ہوگی؟

مرہٹوں کی ہموں سے متعلق آشوب کی تاریخیں غیر یقینی ہیں جیسا کہ وہ خود (صفحہ 37) کہتا ہے کہ اس کے کافذات ایک سیلاب کے دوران قحط ہو گئے۔ سترہویں سال کے حالات میں (جو کہ صفحات 347 - 353 تک میں اور جن کی تاریخ 1147ھ لیکن جس کو قحط طور پر اٹھارہویں شاہی سال کے تحت درج کر دیا گیا ہے) بندیل کھنڈ میں قمر الدین کی کارروائی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

خان دوراں اور جے سنگھ کی کارروائیوں سے متعلق بیان دفترا صفحہ 363 پر ختم ہو جاتا ہے (جو کہ 1148ھ کے تحت درج کر دیا گیا ہے) یہ بالکل واضح ہے کہ آشوب کے وہ بیانات جو صفحہ 347 - 353 تک میں اور مورخہ 1147ھ میں وہ ایک ہی سال یعنی 1147ھ مطابق 1734ء - 1735ء سے متعلق ہیں۔

اس سے ثابت ہے کہ 1735ء - 1736ء میں کسی شاہی ہم کا ثبوت نہیں ملتا۔

بنام شری مہاراج دھراج مرزاراجہ سوائی جی سنگھ چوند ظلمہ العالی

فدوی خاد زاد بنجولی جگمگون داس بعد اداۓ تسلیات و کورنش اچھا کہ صبح الامت
خاد زادوں کا طریقہ چلا آیا ہے) حضور لاسع النور اور قبلہ عالمیان کی خدمت میں عرض کرتا
ہے کہ اس عرض سے قبل عثمان خاں قراول کے سپینے کی حقیقی کیفیت اور زبانی تفصیلات
آپ کے علم میں آچکی ہوں گی۔ نواب امیر الامرا بہادر نے عثمان خاں کی زبانی تفصیلات
کو حضرت ظل سبحانی کے گوش گزار کر دیا۔ حضرت سبحانی بہت زیادہ برا فروختہ اور
پریشان ہوئے چنانچہ نواب قطب الملک خاندہ دران بہادر اور میر جملہ کوتہائی میں بلایا
اور فرمایا کہ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ مرزاراجہ سوائی جی سنگھ اظہار بندگی میں صادق ہے
عثمان خاں کے بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مہاراجہ اجیت سنگھ سے متفق
ہے۔ اور اس وقت تک مکت علی سے بات کو ٹالتا رہا ہے۔ جہاں تک ہجرات اور
مالوہ اور برہان پور کی صوبہ داری کے بارے میں التماس کا تعلق ہے تو یہ امر ممکن العمل
نہیں ہے کہ ہم دونوں کو ایک ہی جانب سمجھیں اگر یہ درخواست ہم نے قبول کر لی تو
اس سے سلطنت میں انتشار پیدا ہو جائے گا حضرت نے امیر الامرا بہادر سے دریافت
فرمایا کہ اب تمہاری روانگی میں تاخیر کا سبب کیا ہے؟ چنانچہ نواب امیر الامرا بہادر کی
روانگی کے بارے میں سخت تاکید فرمائی نواب امیر الامرا کے ہمراہ جو فوج روانہ کی جائے
گی اس کی تفصیل علیحدہ آپ کی خدمت میں عرض کی جائے گی۔ نواب امیر الامرا بہادر
کی روانگی کے بارے میں بارگاہ شاہی سے سخت تاکید ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ رمضان
کے بعد روانگی عمل میں آئے گی۔ فدوی کو نواب صاحب نے بلا کر بھیجا تو لارام کی
معرفت یہ تمام تفصیلات بتاتی ہیں اور یہ حکم دیا کہ اس کو اس طرح قلم بند کیا جائے کہ
زبانی اصلاح کا پتہ نہ چلے۔ اور یہ ممکن نہیں ہے کہ دونوں اصحاب کو ایک ہی جانب
صوبہ داری عطا کی جائے۔

ہوا خواہی اور خیر اندیشی کے خیال سے عرض ہے کہ اگر آپ کی رائے ہو اور آپ
ارشاد فرمائیں تو لاہور، الہ آباد و دھریا جارس میں سے کسی ایک کی صوبہ داری مہاراجہ

اجیت سنگھ جیو کے نام اور مالوہ یا برہان پور کی صوبہ داری آپ کے نام کے بارے میں نواب صاحب سے عرض کیا جملے لیکن گزارش یہ ہے کہ فدوی کی یہ عرض داشت کسی پر ظاہر نہ ہو۔

یہاں کے حالات کی نوعیت یہی ہے جو آپ کی خواہش ہو اس سے جلد مطلع کیا جائے اور ہر مضمون کا پرواد الگ الگ رواد فرمایا جائے تاکہ مناسب موقع پر نواب صاحب کے گوش گزار کیا جائے۔ نواب صاحب نے فرمایا تھا کہ ہم یہ باع جانتے ہیں کہ ہمارے اور مرزا راجہ جیو کے درمیان جو معاہدہ ہو چکا ہے اس میں کسی قسم کے فرق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ مردوں کے عہد میں جان ہوتی ہے لیکن عثمان خاں کے زبانی بیان سے اس حقیقت میں نام کے لیے سبھی اصلاح نہیں ہوتی۔

سری رانا جیو دوسری مہاراجہ اجیت سنگھ جیو نے اپنے دکار کو لکھ دیا ہے کہ نواب صاحب کی فوج کے ساتھ آجائیں۔ فدوی کو جس طرح حکم ہوگا اس کی پابندی کرے گا اور خانداد و مرزا کو روانگی کے بارے میں دربار سے اطلاع ملی ہوگی اس لیے کہ حضرت سبحانی نے سخت تاکید کر دی ہے لہذا عنقریب روانگی ہوگی۔ اس سے زیادہ عرض کرنا میرے امکان سے خارج ہے۔

خدا کرے دولت و جاہ کا سورج خوش بختی اور بزرگی کے مطلع سے ابرا آباد تک چمکتا رہے۔

ضمیمہ ج

بتاریخ ہفتم رمضان سنہ 2 ہجری کیا گیا

فدوی کو جو اس بارگاہ عالی کا خادم ہے، صوبہ مالوہ کے مرہٹوں کی تنبیہ کے لیے مامور کیا گیا ہے۔ خدا کے فضل و کرم اور بادشاہ کی خوش بختی سے ان کی تنبیہ میں مسرت ہو جاؤں گا۔ عرصہ دراز سے اس جماعت کا تعلق اس مبارک فال صوبہ سے ہے۔ اگر اس سال بھاری فوج کی بنا پر ان کو دخل حاصل نہ ہوا یا ان کی تنبیہ ہو گئی تو اس طرح ہر سال ان پر ایک بڑی رقم کا خرچہ ہو نا ظاہر ہے اس لیے میری خواہش ہے کہ راجہ ساہو کو جو فلد مکان کے زمانہ سے بندگی کے شرف سے مشرف ہے۔ ان کے بیٹے کس سنگھ

کے نام سے دس لاکھ روپیہ کی جاگیر عطا کی جائے اس شرط کے ساتھ کہ صوبہ مالوہ میں کسی قسم کی شورش نہ ہوگی اور وہاں کے ناظم کی امداد کے لیے تو فوج ہیا کی جائے گی۔ اس صورت میں بادشاہ کا ملک محفوظ ہو جائے گا اور فوج کشی کے مصارف میں بھی کفایت ہو جائے گی اور اگر اس کے باوجود دروگر دانی کی تو سزا پائے گا۔ مجھے توقع ہے کہ فی الحال اگر کچھ کم یا زیادہ بھی مقرر ہو جائے گا تو منظور ہو جائے گا اور آئندہ اہل غرض کی باتوں کی طرف توجہ نہ کرے گا۔

باب نہم

حاشیے

- 1 بحوالہ پور ریکارڈس دیکھئے آیامل کا خط مورخہ 13 اسونہ بدی 1789 ہندی سلاطین 6 ستمبر 1732 ہندی خطوط جلد 3- نمبر 28 ، 29 صفحات 48-51
- 2 بحوالہ فہرستہ کلام مرتبہ صاحب برائے صفو 314-15 ، دشمن 321 ، دار 115 ، 16
- 3 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد 14 نمبر 2 ، 7-9 جلد 15 نمبر 6 و جلد 33 صفحات 310-11 وی ، وی جلد 2 صفو 1218-1220
- 4 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد 14 نمبر 10 ، 13 ، 18 (جلد 14 کی صحیح تاریخ 9 اپریل 1734ء)
- 5 بحوالہ اقبال صفو 194-96 ، ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 نمبر 9
- 6 بحوالہ تاریخ ہندی صفو 525 سیر 467 ، اردن جلد 2 صفو 279۔ آشوب کے قول کے مطابق دیکھئے صفو 286-87 جب مظفر خاں مالوہ پہنچا اس نے اپنے غموں کے چاروں طرف خندقیں کھودیں اور ملہار کے حملے کا انتظار کرنے لگے لیکن ملہار نے اس کی آرزو کو پورا کرنے سے احتراز کیا اور اس کی بجائے اس نے اس کے پڑاؤ کو گھیر لیا اور اس کی رسد کے راستے بند کر دیئے۔ بالآخر برسات کی آمد پر مرہٹے نرمدا کے پار لوٹ گئے اور مظفر خاں دلی واپس آگیا۔
- 7 بحوالہ وی۔ وی صفحات 1220-21
- 8 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد 14 نمبر 22-23۔ مرہٹہ وکیل نے دھارنار د اور شیو دیو کے مقام پر بے سنگمہ اور خان دوراں کی افواج کا 2 لاکھ سوار اور لاتعداد پیادوں کا اندازہ لگایا اتہاس سنگمہ (ایت چرتیں خط نمبر 68) اس تعداد کو پچاس ہزار بتاتا ہے۔ جو زیادہ قابل قبول ہے۔
- 9 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 نمبر 23 ، 21 ، 29 ، 24 ، 26 ، 57 جلد 22 صفو 284 ، تاریخ ہندی صفحات 526-27 آشوب پر ملتی ، اردن کا بیان نہایت ہی الجھا ہوا ہے۔ دیکھئے ضمیر الف۔ قاسم (بحوالہ خطوط سرکار 389) کا اندازہ ہے کہ مرہٹوں نے خود بے سنگمہ کے اشارے ہی پر حملہ کیا تھا۔ بے سنگمہ نے نظام پر مرہٹوں کو کمانے کا الزام

لکھا یا اور مصنف کے بقول خان دوران کو مرہٹوں سے تصفیہ کر لینے پر آمادہ کیا تاکہ آئندہ مرہٹوں کے حملوں کا مستقل طور پر سد باب ہو سکے۔ چنانچہ سالانہ 22 لاکھ دینا منظور کیے گئے اور بہاریو بھٹ خان دوران کے ساتھ دلی تک گیا۔

9- الف بحوالہ تاریخ ہندی صفحات 528 - 29

10 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 20 صفحہ 134۔ سرلند خاں کو ایک ہزار روپے کے لیے دربار سے خارج کر دیا گیا تھا کیونکہ وہ اپنی جگہ ایسے سنگھ کے بگڑات کا صوبہ دار مقرر ہونے پر ایسے سنگھ سے غیر قانونی طور پر لڑیٹھا تھا (دیکھیے سعادت جاوید مصنفہ ہر نام داس دایلیٹ جلد 8 صفحہ 340) اب وہ مدت پوری ہونے پر دربار میں واپس آ گیا تھا۔

11 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 نمبر 47 محمد خاں بنگش نے بتایا کہ سعادت خاں نے چار موبوں اور میرپنٹی کے عہدے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ لیکن شہنشاہ اس کو دو سو روپے دینے اور دو کروڑ روپے ادا کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا (دیکھیے ایس۔ پی۔ ڈی جلد 30 نمبر 134) اور بہت سی تجویزیں بھی سامنے آئیں کہ محمد خاں کو آگرہ اور مانوہ اور سعادت خاں کو پٹنہ دے دئے جائیں یا یہ کہ محمد خاں کو الہ آباد ملنا چاہیے۔ سعادت خاں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ خان دوران کو الہ آباد کے صوبہ کی صوبہ داری دلائے کے لیے 15 لاکھ روپے کی رشوت دینے کو تیار تھا۔ (دیکھیے ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 صفحات 39 - 42 وغیرہ صفحات 129 - 140)۔

11 الف ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 صفحہ 47

12 دیکھیے بی۔ آئی۔ ایس۔ ایم سرمایہ جلد 12 صفحہ 4، دیکھیے ہر صفحہ 141۔

13 اس موقع پر رستم علی کے الفاظ سے تقابلی کیجئے۔ نظام الملک اسلام کی طرف سے انتہائی عداوت کی بنا پر ہمیشہ غیر مسلموں اور قانون شکنوں کی بہت آفرینی کرتا رہا تھا۔ دیکھیے تاریخ ہندی صفحہ 585

14 دیکھیے ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 صفحہ 39

15 دیکھیے فحشہ صفحات 228 - 230 - 233 - 256 - 259 - 283 - 84

جے۔ اے۔ ایس۔ بی 1878: صفحات 337 - 28 -

16 دیکھیے ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 صفحہ 47، 51 جلد 20 صفحہ 134

17 ملاحظہ ہو سرکار کی تصنیف ”زوال“ (صفحہ 263 - 64) سرکار نے وشن کے غیر معتبر بیان کا اعتبار کر کے (صفحہ 39، 32) لکھ دیا ہے کہ جسے سنگھ بمبھولاؤ کے مقام پر آغا سے

لا اور اسے بتایا کہ ابھی دہلی پر حملہ کرنے کا وقت نہیں آیا ہے۔ پیشوا اس ارادہ سے یہ سہ سال آئے تو اچھا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن ایس۔ پی۔ ڈی کی نظر میں اس بیان کی یہ تشریح غیر

درست ہے۔

18 دیکھیے ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 صفحہ 47 جسے سنگھ نے جو اپنے اخیر کے ذریعہ شرائط رکھی

تھیں وہ یہ تھیں 20 لاکھ کی نقد ضمانت چوتھ کی بجائے مالوہ میں 40 لاکھ روپے کی ایک

جاگیر اور دوست محمد روہیلہ کے علاقہ پر ایک تنخواہ (بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 صفحہ 50

19 ملاحظہ ہو ضمیر نمبر الف

20 دیکھیے ایس۔ پی۔ ڈی جلد 30 صفحات 321-22 - فروری سے لے کر اپریل 732

تک ایک لاکھ سات ہزار پانچ سو روپے مل چکے تھے۔

21 دیکھیے ایس۔ پی۔ ڈی جلد 12 صفحہ 168، جلد 42 صفحہ 50، جلد 30 صفحہ 41، دیکھا

دفتر نمبر 3، دیکھیے صفحہ 124 اور سے پورے باجی راؤ نے اپنی ماں کو لکھا دہلی کے معاملات

زیادہ امید افزا معلوم ہوتے ہیں۔ نجابت علی خان دوراں سے اور آیا مل جسے سنگھ سے

کے اخراجات لے کر پہنچ رہے ہیں۔ فاس بات یہ ہے کہ شہنشاہ ہماری دوستی کا طوا

ہے (دیکھیے ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 صفحہ 50)

22 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 20 صفحات 322-24 اس حوالے کو دیکھنے کے بعد اس

سلسلے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ پیشوا جسے سنگھ کے ساتھ 18 دس مارچ تک رہا۔ چنانچہ

اردن کی دی ہوئی تاریخ 8 ربیع الاول مطابق 16 جولائی 1736 کو زیرِ جلعے ملاقات

دھول پور کو ناقابلِ یقین سمجھنا چاہیئے دھول پور میں کسی دوسری ملاقات کا یہی سوال نہ

ہے کیونکہ مئی کے اوخر میں پیشوا مالوہ میں دو ماہ کے قیام کے بعد دکن کے لیے روانہ ہو

بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 22 نمبر 333، دیکھا دفتر 20، 3

23 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 نمبر 31، 41 اس نے مرہٹہ وکیل سے کہا "اگر تو رانیور

نے کئی لوگوں کو ہمارا کر لیا تو وہ مجھے پس پشت ڈال دیں گے۔ اس لیے میں تو تمام معاملہ

میں پیشوا کی ہم نوائی کروں گا۔"

24 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 صفحہ 54

25 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 15 صفحہ 89-91

26 باجی راؤ کے مختلف اوقات میں مانگے ہوئے مطالبات بحق جواب کے الگ یادوں یا دداشتوں میں محفوظ کیے ہوئے کہ ان یادوں پر تاریخیں پڑی ہوئی نہیں ہیں ان کی ترتیب اندرونی ثبوتوں کی بنا پر ہی مقرر کی جاسکتی ہے۔

27 یہ بات قابل غور ہے کہ کس طرح باجی راؤ، شاہو اور اس کے اہل خاندان کو شہنشاہ کی دی ہوئی مراعات سے محروم کرنا چلا جاتا ہے۔ 1730ء میں خاص مطالبہ شاہو کے متعلق بیٹے فتح سنگھ بھونیلے کے پہلے 10 لاکھ کی جاگیر کے لیے متادیکھنے اصل کتاب کا صفحہ 204 205

28 اس کو تین قسطوں میں ادا ہونا تھا (بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد 15 صفحہ 93) بعد کو ایک الگ یاد میں دو لاکھ باجی راؤ کے بھائی جتاجی کے لیے طلب کیے گئے (دیکھئے پچھلا حوالہ) ایک دوسری یاد سے چڑھتا ہے کہ شہنشاہ باجی راؤ کو 15 لاکھ دینے کو راضی ہو گیا اس کے دربار میں حاضر ہونے سے قبل حاضری کے دوران اور حاضری کے بعد (بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 15 صفحہ 94، 97) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق جنگ کے ان اخراجات سے ہے جس کا پہلے ہی مطالبہ کر لیا گیا تھا اور جس پر باجی راؤ رضامندی بھی ہو گئی تھی۔ 29۔ دیکھئے تاریخ ہندی صفحہ 350-30۔ بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 15 صفحات 92-93

31 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 15 صفحات 92، 95، 96۔ شہنشاہ اس امر پر 6 لاکھ روپے کے بدلے میں راضی ہوا (بحوالہ ڈفرن جلد 4 صفحہ 433)

32 دیکھئے اقبال صفحہ 192

33 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 14 صفحہ 94 دیر صفحہ 468، 474 اور ڈفرن (جلد 1

صفحہ 432) کہتا ہے کہ یادگار خاں یعنی خاں دوراں کے سفیر کو دہلی سے پٹوا کے پاس گفت و شنید کے لیے بھیجا گیا، ان کو پورہ عہدہ طور پر مالوہ کے چوتھ اور سرحدیش مکھی جمع کرنے اور راجپوت ریاستوں یعنی بندی اور کوٹ سے لے کر سہارا تک کے علاقے سے دس لاکھ ساٹھ ہزار روپے تک کا خراج وصول کرنے کے فرمان دے دیے گئے تھے۔ اس کا مقصد ملتانوں اور راجپوتوں کے درمیان محاصرت پیدا کرنا تھا یا یادگار خاں کو حکم تھا کہ سخت ضرورت نہ پڑنے کی صورت میں یہ شرائط ظاہر نہ کرے۔ غلطوں کی بد قسمتی سے مرہٹوں کے ایجنٹ نے اس مقصد کو بھانپ لیا اور اس نے اپنے مالک کو باخبر کر دیا۔ باجی راؤ نے اس کو مجبور و معذور بنا کر اپنے مطالبات میں اضافہ کر دیا۔

34 بجوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 22، صفحہ 134 تا 135 ہوتا ہے کہ 20 لاکھ نقد اور مالوہ میں 40 لاکھ کی جاگیر اور بھوپال کا بطور تنخواہ کے دیا جائے منظور ہو چکا تھا۔ شیو داس (بجوالہ اقبال صفحہ 193) کہتا ہے کہ باقی راؤ کو دکن پر 7 لاکھ روپے سالانہ تنخواہ اس کے دربار میں پہنچ کر دفاداری کا عہد کرنے پر دی جانی لے ہوئی تھی باقی راؤ کو مالوہ کی نائب صوبہ داری کا فرمان 29 ستمبر 1736ء تک جاری دیکھا گیا تھا (بجوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 15 صفحہ 86) مرہٹہ کی دی ہوئی انگریزی تاریخ غلط ہے یہ بھی افواہ تھی کہ شہنشاہ نے باقی راؤ کو سات ہزاری اور ہلاچی راؤ کو پانچ ہزاری منصب بھی بخش دیا تھا۔

35 بجوالہ ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد 15 صفحہ 94-95 یہ مطالبات دو علیحدہ علیحدہ یادوں میں محفوظ ہیں جس میں سے پہلی نظام الملک کو تحریر کی گئی تھی یہ واضح نہیں کہ نظام کو یہ مطالبات کب پیش کیے گئے شہنشاہ کا جواب کہیں تحریر نہیں ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مطالبات رد کر دئے گئے تھے۔

36 دکن کے لیے مغل نائب حکمران کی نامزدگی کا حق مرہٹوں نے مہاراجاں سے گھٹکو کے وقت 1724ء ہی میں طلب کر لیا تھا (بجوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد نمبر 1) حیدر آباد کی صوبہ داری اور متعدد دائم قلموں کی توانگی کے مطالبے بھی کیے جا چکے تھے۔ 1733ء میں سعادت نے یہ موضوع پھر چھڑ دیا جس نے دکن اور مالوہ پر مرہٹوں کے ذریعہ صوبہ داروں کے نامزد کیے جانے کے حق کو تسلیم کر لیا بشرطیکہ وہ نظام کے غلات ہم کا آغاز کرتے (بجوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 23 صفحہ 9) اس پس منظر میں 1736 کے دکن سے متعلق مطالبات کچھ زیادہ حیرت انگیز نہیں معلوم ہوتے۔

37 بجوالہ ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد 15 صفحہ 95-96

38 بجوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 5 صفحہ 89-91 جلد 30 صفحہ 196

39 بجوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 12 صفحہ 33، ہنگام دفتر 3-6 پیشوانے شکایت کی کہ یادگار خاں کی آمد پر 20 روز کی مدت میں مطالبات کا جواب بھیج دیا جائے گا۔ وہ مالوہ میں دو ماہ تک منتظر رہ چکا تھا لیکن کوئی جواب اسے دل سکا جبکہ وہ پڑاؤ میں اپنے اخراجات کے سبب تباہ ہو چکا تھا۔

40 بجوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 15 صفحہ 94-96-87-89-90-44 بجوالہ ایس۔ پی۔ ڈی۔

جلد 33 صفحہ 196

41 دیکھئے برٹش کرائٹس نمبر 27 پیشوا کا خط اپنے بھائی ہمتا جی کے نام دیکھئے انگریزی ترجمہ

پیشواؤں کا عروج و سقوط ۱۷۳۵-۱۷۳۶۔ این سنہا صفحات 136-139

42 1735ء میں مرہٹہ وکیل جے پور نے ایک اشارہ پیشوا کو ان الفاظ میں بھیجا تھا "پیشوا کی طاقت

آنی زبردست ہے کہ دہلی پر قبضہ جمائے گا یہ وقت نہایت ہی مناسب ہے اور اب اس حکومت کو باسان چھوٹی کے حوالے کیا جاسکتا ہے (بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی نمبر 30 صفحہ 134) لیکن بظاہر باقی راؤ سے اس کا کوئی جواب موصول نہ ہوا سر دیسی لکھا ہے کہ ہندو۔ پد۔ پادشاہی کا خواب علاقائی خواہشات سے نہیں بلکہ مذہبی خواہشات سے منسلک تھا (دیکھئے دی نیو ہسٹری آف مرہٹہ پریل

جلد 2 صفحات 35

43 دیکھئے ایس۔ پی۔ ڈی نمبر 30 صفحہ 196 تاریخ ہندی 539

44 بحوالہ برٹش کرانکل صفحہ 27 پیشوا جی نے چٹا جی کو اپنے رد پے کی ان الفاظ میں وضاحت کی۔

میں شہنشاہ کو حقیقت سے آگاہ ہو جانے پر مجبور کر دینا چاہتا تھا۔ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میں ابھی ہندوستان میں ہوں اور یہ کہ مرہٹے یا تخت دہلی کے دور دراز تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ خان دوراں اور بنگش اگر پہنچ گئے اور سعادت خاں کے ساتھ شریک ہو گئے جو پہلے ہی فوج لے کر اگر پہنچ چکا تھا۔ میرا وکیل ڈھونڈو نیت خان دوراں کے ساتھ ہی تھا۔ سعادت خاں نے اس کو پیغام بھیجا کہ باقی راؤ کی فوج کو پسپا کر دیا گیا ہے اور یہ کہ وہ حیدر کے اس پار جا چکا ہے اور اب اس کے سفر کا لحاظ کرنا ضروری نہ تھا اس لیے اب اس کو فوراً بر فاست کر دینا چاہیے چنانچہ ڈھونڈو نیت کو واپس بھیج دیا گیا اور وہ میرے پڑاؤ میں پہنچ گیا۔ اب میں نے پایہ تخت کو لوٹنے کا خیال بدل دیا۔ میں جانتا تھا کہ خان دوراں میرے مطالبات پورے کرنے پر تامل ہیں لیکن مغلوں کا اگر وہ امن پسندی کی پالیسی کا مخالف ہے۔ میں پایہ تخت کی لوٹ مار کر کے اپنے حامیوں کو شرمندہ اور مجبور کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے شہنشاہ کو یقین دہانی کے خطوط لکھے۔

45 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی نمبر 15 صفحہ 29 تاریخ ہندی صفحہ 542۔ اشوب (بحوالہ نسخہ 125

الف) کہتا ہے کہ حملہ کے بعد خان دوراں نے شہنشاہ سے باقی راؤ کو مالوہ کی صوبہ داری اور 13 لاکھ نقد دینے کی طرف مائل کیا جیسا کہ وعدہ تھا۔ قاسم صفحہ 359 پر (نسخہ سرکار میں کہتا ہے کہ حملہ کے بعد وزیر نے بھگائے کو صلح کے لیے طلب کیا۔ موانا ذکر کرنے مالوہ، اہمیں (بندیل کھنڈ) اور گجرات کی چوتھ کا مطالبہ کیا۔ صاحب سیر کے مطابق یہی صلح کی گفتگو کے آغاز ہو جانے کا ذکر ملتا ہے لیکن دوسری طرف مرہٹہ وکیل نے لکھا کہ جے سنگھ کے ذریعہ سے جو صلح کی گفتگو شروع ہوئی تھی۔

وہ ناکام باب ہو چکی تھی نظام آرہا تھا اور اس آئے پر بھی ہر بات کا فیصلہ ہو سکتا تھا (بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی نمبر 33، 15)

46 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی نمبر 15 صفحات 23، 36، 33، 33 نمبر 10 صفحہ 2 نظام الملک دہلی کے لیے 17 ذی الحجہ مطابق 7 اپریل 1737ء کو روانہ ہوا مرہٹہ وکیل نے لکھا کہ اس نے باجی راؤ کے لیے بہت کچھ دوستی کے جذبات ظاہر کیے لیکن اس کے اصل ارادے بالکل مختلف تھے اس کا خیال ہے ”اگر باجی راؤ دہلی جا کر شہنشاہ سے ملا ہے تو میرا کیا ہوگا؟ دکن کے لیے ایک نئے صوبیدار کا تقرر ہو جائے گا۔ اس سبب سے اس نے تمام امراء کو اور شہنشاہ کو لکھا ہے کہ وہ خود آرہا ہے۔ شاہی خزانے کی مدد و نصرت سے الوٹ مار کرنے والوں (غبنوں کو) پسپائیں کون سی دشواری حاصل ہو سکتی ہے اس پر شہنشاہ نے باجی راؤ کی ملاقات کو ملتوی کر دیا اور نظام کو نان کا ایک پارہ (روٹی کا ایک ٹکڑا) (آٹے کی دعوت کے اشارے کے طور پر) بھیجا۔“

47 بحوالہ برٹش کرائیکل صفحہ 33-35 د ”ریاست صفحہ 71-72۔ اس کے مطابق یہ خیال غیر تاریخی معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک کو پال کھنڈ میں شکست دے کر (1727ء میں) باجی راؤ نے دکن پر پورا تسلط حاصل کر لیا تھا۔ دیکھئے ”ڈیکے صفحہ 20

48 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی نمبر 51 صفحہ 53

49 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی نمبر 10 صفحہ 27 نمبر 15 صفحہ 56-58 نمبر 30 صفحہ 207 (نمبر 10 کی صفحہ 27 کی صحیح تاریخ 10 جنوری 1737ء ہے دکن 10 جون 1724ء) کہا جاتا ہے اس کے افواج بڑھ کر 70 ہزار تک پہنچ گئی تھیں لیکن پیشوا اپنے خطوط میں 35 ہزار لکھتا ہے (برٹش کرائیکل 134) کہا جاتا ہے کہ اس وقت سعادت کی فوج کا ایک دستہ بھی شامل ہو گیا تھا۔ (نمبر 20 صفحہ 707) اردن (جلد 2 صفحہ 204) قرن کے حوالے سے (جلد 2 صفحہ 397) لکھتا ہے کہ صفدر جگ کی سربراہی کے دستہ کو لہر ہو کر اور جھونٹ پلانے راستہ ہی میں روک کر شکست دے دی۔ لیکن ایس۔ پی۔ ڈی نمبر 30 صفحہ 207 قطعی طور پر لکھتا ہے کہ سعادت خاں کی کبھی ہوئی افواج نے 20 ستمبر کو شرکت کی بحوالہ (این۔ ایس)

50 یہی حسین خاں (دیکھئے کتاب ”آصف جاہ“ صفحہ 123) کہتا ہے کہ نظام الملک کامیابی کے ساتھ حملہ آور ہو سکا۔ کیونکہ اس نے راجپوتوں اور بندیلوں کو ناقابل اعتبار پایا وہ بھی ایسے وقت میں جب کہ مفارک کی ضرورت ہو۔ دراصل وہ دشمن کو نظام الملک کی تدابیر اور عزائم کے سلسلے میں

پوشیدہ طور پر اطلاع ہم پہنچا رہے تھے۔ "خود پیشوا نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ نظام اور راجپوت ایک دوسرے کے سلسلے میں مشکوک تھے (بحوالہ برٹش کرائمل صفحہ 33) لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ مرہٹوں اور راجپوتوں کے درمیان پوشیدہ طور پر کوئی معاہدہ قائم تھا۔ درحقیقت راجپوتوں نے تو جنگ کے اصل حملہ کو اپنے سینے پر رد کا جس کے نتیجے میں ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں ابرٹش کرائمل 33) پیشوا نے چنابی کو لکھے ہوئے خطوط میں جنگ کی پوری تفصیل دی ہے۔ اس نے ان خطوط میں راجپوتوں کی کسی مدد یا کسی اطلاع کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن جب نظام کے بڑے اڑو میں قحط پڑا تو ہر شخص نے راہ فرار اختیار کی اور راجپوت بھی وہاں سے رخصت ہو گئے (دیکھئے پچھلا حوالہ) یہی حسین خاں مزید لکھتا ہے (صفحہ 214) پر کہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ امیر الامرا مصمام الدولہ نے جو نظام الملک سے حسد رکھتا تھا اور مرہٹوں کے خلاف اس ہم کو ناکام دیکھنا چاہتا تھا۔ نظام کو ناکام بنانے کے لیے راجپوتوں کے ساتھ یہ صورت حال تشکیل کی ہو" معاہدہ مرہٹوں نے متعدد دعوے کے ماتحت اس قسم کا کوئی بیان قلم بند نہیں کیا ہے۔ رستم علی نے (بحوالہ ہندی صفحہ 549-50) اس قسم کا اشارہ دیا ہے کہ خود نظام مرہٹوں سے جنگ کرنے میں سنجیدہ نہیں تھا۔ وہ لکھتا ہے "چونکہ نظام کا کج دفاع ایسی صورتوں کی طرف مائل تھا جو اس کے نام کے عین متضاد ہیں یعنی حسن انتظام کے اس نے ملک میں بد امنی کو فروغ دیا اور ایک دور وازنک اپنے خیمے میں اتانج کوئی روپیہ ایک بیرک بکرایا۔ اس کے پیر لیکے ہوئے جھگڑوں کے سبب سے بہت سے لوگ فاذ کشی کی وجہ سے اپنی قبر تک پہنچ گئے اور بہت سے مسلمان اس بے اصول شخص یعنی نظام کے سبب سے دشمن کے ہاتھوں میں پڑ گئے اور تباہی کے گھاٹ اتر گئے۔"

51 بحوالہ برٹش کرائمل 35، 36، وایس۔ پی۔ ڈی جلد 15 صفحہ 87

52 برٹش کرائمل صفحہ 35، 36

53 ایک باقی ماندہ دستاویز میں نظام الملک کو پیش کیے گئے مندرجہ ذیل مطالبات کا ذکر ہے۔
 شوہابی کے مذہبی سوراہیہ کے اٹوٹ علاقے چندا اور کوہر دکر دیہے جائیں۔ پیشوا کے قرضوں میں ادائیگی میں مدد کی جائے اور اسے خاندیش بیجا پور اور اورنگ آباد میں 50 لاکھ کی قیمت کی جاگیر دے دی جائے مال گنداری کے 5% کی برابر پیشوا کو سرڈیش پانڈے کا موروثی منصب دیا جائے اور دکن کا انتظام پیشوا کے سپرد کر دیا جائے۔ بطور انعام کے شہرہ کا قلعہ اور کچھ گاؤں

دے دیئے جاتیں۔ بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 15 صفحہ 94، 95۔ اس سلسلے میں ایک زہائی گفتگو کے وقوع پر زیر ہونے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس کا کچھ تذکرہ ہمیں کبریا مطالبات کب پیش کیے گئے تھے 1732ء؛ دالے پشوا کے خطوط میں ان مطالبات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

54 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی نمبر 30 صفحہ 222

55 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی نمبر جلد 15 صفحہ 75، 72، نمبر 20 صفحہ 385، ڈیکھے صفحہ 52

56 دیکھئے ڈیکھے صفحہ 152

57 سردیائی کا مصنفہ لائف آف باجی راؤ صفحہ 335

58 دیکھئے نمبر 37، 219، 244، جے۔ اے۔ ایس۔ پی۔ 1878ء صفحہ 333۔

باجی راؤ نے لکھا تھا، درآن وقت، وقت اسٹ کہ ہماں سرداران نام دار و نولائے سان صاحب اقتدار بہ اجتماع افواج و اتفاق ہم دیگر پر داخستہ مستعد و متوجہ برآت معاودہ مختلف باشند۔

59 دیکھئے مصنفہ نمبر 376-76

60 ملاحظہ ہو، باجی راؤ کی وفات کے بعد شاہوکار باجی راؤ کے بارے میں یہ خیال کہ اس کا لڑبائی راؤ کا منصوبہ بغل سلطنت کی حفاظت کرنے اور ساتھ ہی ساتھ پورے ہندوستان پر تسلط جانے کا تھا، بحوالہ برٹش کرائکل صفحہ 117، 120

61 1740ء میں نظام مالوہ میں پشوا سے ملا اور اپنے بیٹے کے خلاف سرورٹ ملک مانگی جو بغاوت پر آمادہ ہو گیا تھا (بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 21)

62 دیکھئے کتاب رجواڑے، جلد 6 صفحات 145، 149، ایس۔ پی۔ ڈی نمبر 13 صفحہ 4، ڈالو، مصنفہ آر سنگھ صفحات 266-268، تاریخ مظفری صفحہ 320

63 بحوالہ ایس۔ پی۔ ڈی جلد 15 نمبر 86 صفحات 97-98، ”رجواڑے“ جلد 2 صفحات

91، 95، ان مضامین کی تاریخ 1741ء ہوئی چاہیے (ایس۔ پی۔ ڈی جلد 10 نمبر 186

کو 28 ستمبر 1741ء ہوئی چاہیے یا 17 ستمبر بقا عدۃ قدیم، اور جلد 15 صفحہ 97 کو 15 جولائی یا 4 جولائی بقا عدۃ قدیم ہوئی چاہیے۔

مغل سیاست اور نادر شاہ

عظیم مغلوں نے اپنی شمالی مغربی سرحدوں پر جہاں ایک طرف ایران اور دوسری طرف توران کی ریاستیں تھیں، برابر نظر رکھی ان حکومتوں کی طرف سے حملے کے پیش نظر انہوں نے کوشش کی کہ۔

- (1) مغربی اور وسط ایشیا میں حکومت کے خلاف کسی قسم کی طاقت کو ابھرنے کی کوششوں کو سفارتی طریقوں پر ختم کرنے کی طرف قدم اٹھائیں۔
 - (2) کابل میں ایک بہتر اور منظم حکومت کا قیام ہو قندھار کی حفاظت کے پورے انتظامات ہوں کیونکہ قندھار کو کابل میں داخلہ کا دروازہ کہا جاتا ہے۔
 - (3) افغانستان اور قبائل میں ایک آسودہ حال و مطمئن آبادی کو تیار رکھنا تاکہ کسی بھی ضرورت کے وقت وہاں سے معاشی مدد دی جاسکے۔
- اس پالیسی کے قیام کے لیے لائق ترین گورنروں کو کابل بھیجا گیا اور ان کے ساتھ بڑی بڑی افواج کو رکھا گیا۔ ان فوجوں پر گورنر کی طرف سے بھاری رقوم خرچ کی گئیں۔ اسی طرح قبائل پر خرچ کرنے کے لیے مرکزی انتظامیہ نے ہر قسم کی مدد کی۔ ایران کی چھڑچھاڑ اور قبائل میں بے اطمینانی کے باوجود اس پالیسی نے مغل سلطنت کو ان علاقوں سے حملے کے خطرہ سے دور رکھا۔

1677ء میں امیر خاں کابل کا گورنر تھا جو نہایت قابل اور اورنگ زیب کا معتمد تھا۔ 1698ء میں اس کی موت کے بعد شاہ عالم گورنر مقرر ہوا اور ناصر خاں کو اس کا نائب مقرر کیا گیا۔ 1700ء میں شاہ عالم کو لاہور کا بھی گورنر بنایا گیا۔ شہنشاہ کے بڑے صاحبِ زادے بہادر شاہ بدستور ملتان پر فائز رہے۔ اس طرح شمالی مغربی سرحدوں کی حفاظت کا کام شہنشاہ عالم کے سپرد ہوا۔ ان ریاستوں کے علاوہ پرخود اورنگ زیب نے گہری نظر رکھی۔ شاہ عالم کے انتظام نے بھی شہنشاہ اکبر

کے حملہ کو ناکام رکھا جس نے ایران میں پناہ لی تھی اور برابر حملہ کی کوشش کر رہا تھا۔ بہادر شاہ کی تخت نشینی کے بعد علی مرواں خاں کا بیٹا ابراہیم خاں کا بل کا گورنر بنایا گیا لیکن وہ صحیح انتظام کرنے میں ناکام رہا اس لیے اسے ہٹا دیا گیا اور ناصر خاں کو اس کی اپنی جگہ پر واپس بھیج دیا گیا۔ 1129ھ / 1717ء تک جب ناصر خاں کی وفات ہوئی وہ اس عہدہ پر فائز رہا اس کے بعد اس کا بیٹا اس عہدے پر فائز ہوا ناصر خاں دوم کی ماں افغان تھی اس لیے اس کے تعلقات افغانوں سے اچھے تھے اس نے انتظامیہ میں بہتری کی اور تمام علاقہ کو بہتر بنایا۔ 1719ء میں سر بلند خاں نے سید عبداللہ کی مداخلت سے ناصر خاں کی جگہ حاصل کی۔ قبائل بظاہر اس سے غیر متعلق رہے لیکن سر بلند خاں کا بیٹا خاں اعظم خاں جب کا بل سے پشاور کی طرف لوٹ رہا تھا تو وہ قبائل کی حرکات سے حیران رہ گیا اور اپنے سامان اور آدمیوں کو گنوا بیٹھا۔ سید برادران کے زوال کے بعد ناصر خاں دوم کو پھر واپس بلا لیا گیا۔

اسی درمیان مغربی ایشیا کی سیاست میں تیزی سے تبدیلی رونما ہو رہی تھی۔ منغل افغانوں کو جو قندھار کے قریب فروکش تھے اپنے آپ کو اور اپنی طاقت کو منظم کرنے کا موقع ملا۔ 1709ء میں منگل زبئی کے سربراہ میر وائٹ نے فارسیوں کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کر دیا اور قندھار کے قلعہ پر فیض کر لیا لیکن 1715ء میں اس کے بیٹے محمود نے صفوی حکومت کا خاتمہ بالآخر کیا اس نے اصفہان کے مقام پر شاہ سلطان حسین مصطفیٰ کو تھپار ڈالنے پر مجبور کر دیا اس نے 22 اکتوبر 1722 کو صفوی بادشاہ کو معزول کر کے خود حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔

ان ختم واقعات پر دہلی کی حکومت کی حیثیت محض خاموش تماشائی کی تھی سرحد پر کا بل کی آزاد سلطنت کے قیام کے تصور کو یہ حتم نہ کر سکی۔ جب نظام الملک دربار میں دکن سے واپسی پر حاضر ہوا اس نے اس کی خواہش ظاہر کی کہ وہ وہاں جا کر دوبارہ صفوی حکومت کے قیام کی کوشش کرے لیکن دربار کی دتو خواہش ہی تھی اور دل اتنی طاقت تھی کہ اس قسم کی ہم کے بارے میں کوئی قدم اٹھایا جاسکتا۔ اس کی بنائے انھوں نے محمود سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے خط و کتابت شروع

کی محمود کی فتح نے روس اور ترکی کے لیے راستہ صاف کر دیا۔

جب کہ سرحد پر اس قسم کے واقعات پیش آرہے تھے مغل دربار اندرونی جھگڑوں کا شکار رہتے۔ پچھلے باب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ مرہٹوں سے جنگ اور اس کے مذاکرات شروع ہو چکے تھے۔ خان دوراں بخشی اور وزیر قمر الدین خاں جس میں پیش پیش تھے اسی درمیان امراء کے طبقہ میں آپسی جھگڑوں نے نئی صورت حال اختیار کر لی تھی اور جاگیروں پر قبضہ کے لیے اندرونی جنگ چھڑ چکی تھی۔ اس زمانے میں مغل فوج میں بھی دو طاقتور گروپ تھے مغل اور افغان اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستانی امراء کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔

وزیر قمر الدین خاں اور سعادت خاں اودھ کے گورنر مغل فوج میں بہت طاقتور سمجھے جاتے تھے۔ سبیدوں کے عروج کے زمانہ میں بھی مغلوں اور غیر مغلوں میں اختلافات بڑھ گئے تھے لیکن نظام الملک کی وزارت تک یہ سامنے نہیں آئے تھے۔ اس کے بعد ان میں زیادتی ہوئی گئی اور یہ اختلافات خطرناک صورت حال اختیار کر گئے۔

1228 1237 کے درمیان سیاست اور گروہ بندیاں

امیروں کی گروہ بندیاں اور وزارت کے سلسلے میں ہونے والی کشمکش میں حکومت کی مدد علی اور حکومت کی شکل کا سوال بھی خود بخود اٹھ کھڑا ہوا اس طرح راجپوتوں کے سلسلے میں پالیسی، ہندوؤں کی حیثیت اور جزیے کا سوال مرہٹوں اور خاؤں وغیرہ کے لیے پالیسی وغیرہ کے بھی سوال اس کشمکش سے جڑ گئے حقیقت میں اس تمام کشمکش کا پس منظر یہی تھا کہ امیروں کی ایک جماعت یہ چاہتی تھی کہ مغل سلطنت کی بنیاد صرف مسلمان ہوں اور ان میں بھی اختیارات خاص طور سے مغل یعنی ایرانی اور تورانی امیروں کے ہاتھ میں رہیں۔ دوسری جماعت سمجھتی تھی کہ حکومت کا انحصار ہندو و مسلمان دونوں پر ہے اور حکومت کا کوئی خصوصی تعلق اسلام سے نہ ہو بہادر شاہ کے زمانے سے ہی راجپوت اور ہندو راجاؤں کو عایدیت دینی شروع ہو گئی تھیں اور جزیہ وصول کرنے میں کافی ڈھیل آگئی تھی۔ جماند ار شاہ کے دور حکومت میں ذوالفقار خاں نے جزیہ ختم کر دیا جسے سنگھ و

اجیت سنگھ کو بڑے بڑے منصب دے کر انھیں صوبے دار کے عہدے دے۔
 چوڑا من جاٹ کو بھی منصب دیا گیا اس سے قبل بہادر شاہ کے زمانے میں ہی ذوالفقار
 خاں نے ساہو کو دکن کی چوتھ و سر دیش سکھی دینے کا ایک خفیہ معاہدہ کر لیا تھا۔ ذوالفقار
 خاں کے زوال کے بعد یہی پالیسی سید برادران نے بھی اپنائی انھوں نے راجپوت
 راجاؤں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ مرہٹوں اور جاٹوں کے ساتھ بھی معاہدے کیے۔
 دربار میں انھوں نے مغلوں وغیرہ کا تعاون بھی حاصل کرنے کی کوشش کی اس
 طرح حاکم طبقے میں سب غمخشاں ہو گئے اور حکومت کے کاموں میں ان سب عناصر کا
 تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ اعتراض کرنا کہ یہ رعایتیں سیدوں نے
 حالات سے مجبور ہو کر دیں ہمارے لیے اہم نہیں ہے یہ رعایتیں حالات کے تحت
 یا کسی بھی وجہ سے دی گئیں۔ یہ اس وقت کی متحرک طاقتوں کی جانب اشارہ کرتی ہیں
 سیدوں کی پالیسیاں امیر طبقے کے کچھ عناصر کو اچھی نہیں لگیں اور انھوں نے سیدوں
 کو ہندوؤں کا طرفدار اور حکومت و بادشاہ کے لیے اعتماد شکن اور مذہب کا مخالف
 کہہ کر ان کے خلاف سازشیں شروع کیں۔ لیکن ان کے زوال کے بعد نظام کے پرانے
 امیروں خاص کر مغلوں کو پناہ دینے اور اورنگ زیب کی قدیم توسی پالیسیوں کو نافذ
 کرنے کی کوشش ناکام رہی اس کی مخالفت کرنے والے نہ صرف بڑے امیر تھے بلکہ
 چھوٹے منصب دار و عہدے دار جن میں ہندوستانی کشمیری کا سٹھ وغیرہ پیش
 تھے ان سب وجوہات سے ہی نظام دلی چھوڑ کر دکن چلا گیا۔

اس طرح اورنگ زیب کی تنگ نظری سے بھرپور اور کٹر پالیسی مغل سلطنت
 میں تھوڑی مدت تک ہی چلی 1526ء سے لے کر 1739ء میں نادر شاہ کے حملے تک ان
 ہندوستان میں مغلیہ حکومت 198 سال چلی۔ (1540ء سے 1555ء تک عنان حکومت
 افغانوں کے ہاتھ میں تھی) اس مدت میں جزیرہ حقیقی شکل میں صرف 53 برسوں تک
 نافذ رہا۔ مغلیہ حکومت کی مذہبی پالیسیوں کے طے کرنے کے لیے اس قسم کے اعداد و شمار
 مناسب نہیں ہیں کیونکہ مذہبی پالیسی کے بہت سے دوسرے پہلو ہیں تو بھی مغلیہ حکومت
 کی آزاد خیال پالیسیوں کو پرکھنے کا ایک ہلکا سا ثبوت ضرور ہے اور ہندوؤں اور مسلمانوں
 دونوں میں ایک دوسرے کے خیالات اور رویے کو سمجھنے اور فہمندی میل جول کا مزاج

کئی صدیوں سے عمل پر اٹھا۔ سترھویں صدی تک وہ اتنا وسیع اور طاقت ور ہو چکا تھا کہ سیاسی پیمانے پر کٹر اور تنگ نظر پالیسیاں جاری ہونے پر یہی وہ بے عمل نہیں ہو سکتا تھا اسی لیے اٹھارھویں صدی ہند وؤں اور مسلمانوں میں تفریق اور باہمی کشمکش کی صدی جیسں کہی جاسکتی ہے۔ سفارتی پیمانے پر یہ زیادہ میل جول کا ایک حصہ ہے اور تنگ زیب کے دربار سے بکھرے ہوئے مصور مختلف ریاستوں میں گئے اور انھوں نے تصویر کشی کے فن میں ایک نئی زندگی کی روح پھونکی۔ اٹھارہویں صدی میں راجپوت ریاستوں اور جہاں بھوملا وغیرہ کو ہستانی ریاستوں میں بنائی ہوئی تصاویر فن اور طرز و نون ہی نظر لوں سے ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔ وہ مغل اور ہندوستانی طرز جیسے مغربی ہندوستان جین، راجپوت وغیرہ کے میل جول کے عجیب و غریب نمونے ہیں موسیقی میں محمد شاہ کے دربار میں سدا رنگ وادارنگ نے خیال گانے کی بنیاد رکھی امیروں اور نوابوں وغیرہ کا ہندوستانی موسیقی کو امیروں اور نوابوں وغیرہ کی سرپرستی دینے کی روایت 19 صدی تک اور کہیں کہیں بیسویں صدی تک چلتی رہی فن تعمیر میں مغلیہ طرز کے اثر کی سب سے بڑی مثال پیشوا کے ذریعے بنائے ہوئے میٹھوا محل میں ادب کے میدان میں رسلین اور دوسرے مسلمان شاعروں نے ہندی کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا اسی زمانے میں شمالی ہندوستان میں اردو کی ابتداء ادبی زبان کی شکل میں ہوئی تعلیم یافتہ طبقے خاص طور سے شہری طبقے کے لیے اردو تعمیر ادب کے لیے ایک اہم ذریعہ بن گئی۔

سماجی پیمانے پر اس زمانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کا صحیح ڈھنگ سے ابھی تک مطالعہ نہیں کیا گیا ہے کہ موٹے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اعلیٰ طبقہ چاہے وہ امیر ہو یا راجہ یا زمیندار ان کے رہن سہن اور پہناوا وغیرہ میں بہت حد تک یکسانیت تھی حالانکہ سیاسی پیمانے پر ان میں کشمکش ہوتی رہتی تھی سماجی نقطہ نظر سے ان کے طور طریقے کافی حد تک ملتے تھے سید برادران ہولی اور بسنت کا جن بڑی دھوم دھام سے مناتے تھے فرنگیئر کے ساتھ اجیت سنگھ کی بیٹی کی شادی کے موقع پر بہت سے ہندو رسم و رواج اپناتے گئے۔ سیاسی گروہ ہندی بھی مذہب کی بنیاد پر نہیں تھی جے سنگھ 1725ء کے بعد مرہٹوں کا دوست تھا لیکن ایسے

سنگھ انس کا حریت تھا۔ مرہٹوں کے لیے نظام اور محمد شاہ کی پالیسی بدلتی رہتی تھی وقت ضرورت نظام مرہٹوں کا دوست بن جاتا تھا اور مغلیہ سلطنت پر حملہ کرنے کے لیے اپنے علاقے سے گزرنے کی انھیں اجازت دے دیتا تھا۔ غل بادشاہ نے بھی۔ مرہٹوں کے حملوں کو نظام کے خلاف دکن کی جانب موڑنے کی کوشش کی مرہٹوں نے رفتہ رفتہ ہندو بادشاہی کے نعرے کو چھوڑ دیا اور غل بادشاہ کو تخت سے ہٹانے کی کوشش کے بجائے اپنے آپ کو غل بادشاہ کا ہمدرد اور سرپرست ظاہر کیا پانی پت کی جنگ سے قبل انھوں نے اودھ کے نواب شجاع الدولہ کے ساتھ دوستی کرنے کی کوشش کی جاٹ اور راجپوت راجاؤں کی جانب مرہٹوں کا رویہ کبھی دوستانہ رہا تو کبھی دشمنانہ حقیقت یہ ہے کہ ہندو حاکم طبقہ ایک تھا اور دہلی مسلم حاکم طبقہ مختلف عناصر کی کس وقت کس عنصر کے ساتھ دوستی یا کشمکش ہوگی یہ ان کے مذہبی خیالات پر نہیں بلکہ ان کے مفادات پر منحصر تھا اس کشمکش میں کبھی کبھی مذہب کا سہارا دونوں فریق لیتے تھے لیکن مذہب ذریعہ تھا مقصد نہیں۔

دیہاتی زندگی میں بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ کشمکش کی بجائے ”جیو اور جینے دو“ کا جذبہ دکھائی دیتا ہے شاید اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں قابل کاشت زمین کی کمی نہیں تھی جن سیدوں، عالموں، وغیرہ کو مغلیہ سلطنت کی جانب سے مدد معاش زمین دی گئی وہ اکثر و بیشتر دیہاتوں میں آباد ہو گئے اور دیہاتی سماج میں گھل مل گئے روہیلہ افغان وغیرہ بھی کسانوں کی شکل میں مقیم کیے جاتے تھے لیکن دیہاتی سماج کی کشمکش کو سمجھنے کے لیے بہت زیادہ تحقیق کی ضرورت ہے۔

جہاں تک درمیانی طبقے اور شہری زندگی کا سوال ہے وہاں ہمیں جگہ جگہ ہندو مسلم تنازع اور جھگڑے کی مثالیں ملتی ہیں ایسی ہی ایک مثال احمد آباد شہر سے دی جاسکتی ہے فساد کی وجہ ایک معمولی وجہ سے ہوئی بولی کے موقع پر شہر کے ایک بڑے جوہری کپور چند نے ایک مسلمان راگبیر ہر رنگ چھڑک دیا میرات احمدی کے مطابق اس جوہری کی دوستی شہر کے حاکموں سے تھی اس لیے وہ بڑا مغرور ہو گیا تھا مسلمانوں کی اشتعال انگیزی کا فائدہ اٹھا کر کپور چند کے

مغلیں نے جن میں سب سے پیش پیش ایک مسلمان بوہرہ تھا کپور چند کو بچا دکھانے کی کوشش کی دونوں جانب سے ہجوم اکٹھا ہو گیا اور لوٹ مار آگ زنی شروع کر دی مسلمانوں نے مطالبہ کیا کہ کپور چند جو ہری کو سزا دی جائے لیکن مسلمان حاکموں نے اسے تسلیم نہیں کیا آخر میں کپور چند کا ایک مخالف دلی گیا اور اس نے کسی طرح محمد شاہ کو متاثر کر لیا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کپور چند اور بوہرہ دونوں تجارت قید کر لیے گئے آخر میں انھیں آپس میں سمجھوتہ کرنا پڑا۔ دو دوسری مثالیں دلی سے ہیں جو تے والوں (پاموشان) کے جھگڑے کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں اس میں شہجہ کرن کا ساتھ شیر افغان خاں روشن الدولہ اور ظفر خاں پانی پتی وغیرہ نے دیا تھا اور جھگڑے نے مغلوں و ہندوستانوں کے جھگڑے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ تقریباً اسی زمانے میں ایک دوسرا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا ایک ہندو مسلمان بننے کے بعد پھر سے ہندو بن گیا۔ یہ سن کر شہر کے کچھ ملاؤں نے اسے غیر قانونی بتایا اور مطالبہ کیا کہ اسے سزائے موت دی جائے یہ معاملہ شیخ الاسلام کے پاس گیا لیکن اس نے تبدیلی مذہب کو ذاتی معاملہ ٹھہرایا۔ اس کے اوپر ملاؤں اور فرقہ پرستوں نے شہر میں جمعہ کی نماز نہ ہونے دینے کا اعلان کر دیا ایک بڑے ہجوم نے وزیر قمر الدین خاں کو مسجد میں داخل نہیں ہونے دیا معاملہ بڑھتا ہی گیا آخر میں بادشاہ نے اشتعال کم کرنے کی غرض سے اس ہندو کو خاموشی سے شہر سے فرار کر دیا اور شیخ الاسلام کو برخواست کر دیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ شہروں میں خاص طور سے بڑے شہروں میں جہاں مالدار ہندو بیوپاری بھی رہتے تھے ہندو مسلم فساد کا خطرہ رہتا تھا لیکن یہ بات ذہن نشین کرنے کے لائق ہے کہ مسلمان حاکموں کا رویہ کافی غیر جانبدار ہوتا تھا یہاں تک کہ کٹھ لاٹھتے نے ان کے خلاف تحریک چلائی۔ ہندو مسلم تنازعے کے ساتھ ہی شیوہ سنی تازے کی مثالیں بھی ملتے ہیں۔

ان سب سے ظاہر ہے کہ دور وسطیٰ کے ہندوستانی سماج میں بہت ہی اختلافات تھے لیکن ان سب کا سبب سیاست سے تعلق جو طرز اسباب نہیں لگتا۔

مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب

اٹھارہویں صدی کے اوّل نصف حصے میں مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت

اور ان کے خلاف فوجی کارروائیوں کی ناکامی اور مغل امیروں کی بے عملی کی وجہ سے یہ خیال کافی مستحکم ہو گیا ہے کہ مغل سلطنت کے زوال کی خاص وجہ خود امیر طبقہ کی نالائقی اور ان کا زوال پذیر ہونا تھا۔ امیر طبقے کے زوال پذیر ہونے کی وجوہات کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے۔

عیش و عشرت کی زندگی، شراب و شباب میں گم رہنا اور بڑے بڑے حرم رکھنا، ہندوستانی آب و ہوا کا اثر جو آدمی کو کاہل بنا دیتی ہے، اور رنگ زیب کی ہائی جس کی وجہ مغل امیر اور سب پیشوں کو چھوڑ کر صرف سپہ گری کرنے لگے تھے جو کہ ذہنی ارتقا کا موقع نہیں دیتی، مغل امیر طبقے کا مختلف ممالک و مذاہب کا ہونا جس کی وجہ سے گروہ بندی کو سہارا ملا، وسطی ایشیاء سے قابل لوگوں کا آنا، ترک جانا وغیرہ حاکم طبقے کے زوال پذیر ہونے کی مندرجہ بالا وجوہات الگ الگ یا مجموعی طور سے ہندوستان میں ترکوں کی آمد کے وقت سے نادر شاہ کے حملے تک ہر اہم موڑ کو سمجھانے کے لیے پیش کی جا رہی ہیں اس لیے ان کی چابخ ہوسٹیا ری سے کرنا ضروری ہے حقیقت میں زوال پذیر لفظ کا استعمال صرف حاکم طبقے اور لوگوں کے کردار کے پس منظر میں کرنا مناسب نہیں ہے۔ زوال پذیر لفظ تمام سماجی و اقتصادی رد عمل کی نشریج کرتا ہے۔ تاریخ میں ایسا زمانہ شاید ہی ہو ا ہو گا جس میں قابل و لائق لوگوں کی پوری طرح کمی ہو اگر قابل کمیوں کی کمی ہی زوال پذیر ہونے کی بنیاد ہو تو اٹھارہویں صدی کو زوال پذیر نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس صدی میں ہمیں سید برادران، اور نظام الملک، عبدالصمد خاں، ذکریا خاں، سعادت خاں، صفدر جنگ، مرشد قلی خاں، سوائی جے سنگھ جیسے ہوشیار جنگ جو اور منتظم ملتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ ان قابل و لائق لوگوں میں سے بیشتر مغلیہ سلطنت کی خدمت کرنے اور اسے طاقتور بنانے کی بجائے اپنی قوت بڑھانے میں اور الگ الگ ریاستیں قائم کرنے میں مشغول رہے جب تک یہ لائق لوگ زندہ رہے، تب تک ان کے اپنے اپنے علاقوں میں امن و انتظام خوش اسلوبی سے چلتا رہا کچھ انگریزی تاریخ دانوں نے تقریباً پوری اٹھارہویں صدی کو "عظیم بداسنی" کا زمانہ کہا ہے یہ قول مبالغہ آمیز ہے اور حقیقت سے دور اس کا اصلی مقصد ہندوستان پر انگریزی

... کے قیام کو ضروری اور مناسب بنانا ہے۔ پنجاب، اودھ، بنگال اور دکن وغیرہ علاقوں میں ۱739ء تک پرانا مغلیہ نظام پہلے جیسا چلتا رہا صرف اس کے اختیارات مقامی صوبے داروں و راہداروں کے ہاتھ میں رہے۔ مرہٹوں کے حملوں کی وجہ سے گجرات و مالوہ و دیگر علاقوں میں کچھ مدت تک کے لیے بد انتظامی رہی اور وہاں کے عوام کو بہت تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ لیکن مرہٹوں کا پورا تسلط قائم ہو جانے کے بعد وہاں کی حالت پھر سدھر گئی۔ ۱742ء کے بعد مرہٹوں کے حملوں کی وجہ سے بنگال، دکن، دواب اور پنجاب میں بھی بد نظمی پھیل گئی حقیقت میں بد نظمی کا زمانہ یہی ہے ۱772ء کے بعد دلی پر مہادی سندیہ کا قبضہ ہو جانے کے بعد ان علاقوں کی حالت میں اصلاح ہوئی لیکن اسی زمانے میں انگریز دکن اور بنگال میں اپنے قدم جما رہے تھے یہی کامیاب ہو گئے تھے یہی مغلیہ سلطنت کی تنزلی کا اصلی زمانہ ہے۔

تاریخی نقطہ نظر سے مغل سلطنت کا زوال اتنا اہم نہ ہوتا اگر اس کی جگہ پر ہندوستان میں متعارف عناصر کے ذریعے ایک دوسری طاقتور حکومت قائم ہوتی ایسی حالت میں ہندوستان پر غیر ملکی حکومت قائم ہونا آسان نہ ہوتا حقیقت میں مغلیہ سلطنت کا زوال اور ہندوستان کے وسطی دور کے سماج اور تہذیب و تمدن کا کمزور اور زوال پذیر ہو جانا ایک دوسرے کے ساتھ متعلق ہو گئے ہیں۔ بالفاظ دیگر ہماری تحقیق کا مرکزی نقطہ صرف مغل سلطنت نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کے دور وسطی کے سماج و تہذیب کے ارتقاء کا رد عمل ہے سوال یہ ہے کہ کیا مغلیہ سلطنت کی انتظامی اور دوسری کارروائیاں ملک کی اجتماعی ترقی میں مددگار تھیں یا رکاوٹ ڈالنے والی۔ یعنی کیا مغلیہ سلطنت کا زوال ہندوستان کے وسطی دور کے سماج و تہذیب و تمدن کے زوال پذیر ہونے کا ایک ضروری حصہ ہے۔

عام طور سے زوال پذیر سماج میں کچھ خاص چیزیں پائی جاتی ہیں اقتصاداً ترقی کی رفتار رک جانا یا کمزور ہو جانا جس کے نتیجے میں مالی خطرہ گہرا ہو جاتا ہے مستقبل کی جانب مایوس کن نظریات برہنہ جس کے نتیجے میں تصورات اور نظریات

کند ہو جاتے ہیں۔ سائنسی و تکنیکی ترقی کا ایک جانا وغیرہ۔ یہ بہت سی خصوصیات ہیں اٹھا ہوا
 صدی کے ہندوستان میں دکھائی دیتی ہیں۔ ہندوستانی سماج کب زوال پذیر ہو گیا اس
 سوال کا جواب دینے کے لیے زیادہ تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ سائنس و تکنیک کے
 لحاظ سے سترہویں صدی میں یورپ نے بہت ترقی کی حالانکہ اس زمانے میں بہت
 سے مغربی تجارت پیشہ لوگ اور سیاح وغیرہ ہندوستان آئے لیکن ہندوستانی حاکم
 طبقے نے مغربی سائنس کی جانب کوئی دلچسپی نہیں دکھائی مغربی سائنس کا احساس
 صرف دو حلقوں میں دکھائی دیتا ہے۔ ایک جنگی حلقہ دوسرا جہاز رانی۔ مغربی توپوں کا
 ہندوستانی توپوں سے عمدہ ہونا اکبر کے زمانے سے ہی تسلیم کیا جاتا تھا اکبر نے اپنے
 کارخانوں میں اچھی اور نئی قسم کی توپیں ڈھالنے کا تجربہ بھی کیا اس تجربے کا سہرا خاص
 طور سے ایک ایرانی فتح اللہ شیرازی کو دیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ فولاد کے بنانے میں
 بھی ترقی ہوئی ہندوستانی بندرگاہوں میں انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے جہاز
 اٹھا رہیوں صدی تک بنتے رہے اس کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ ملا بار میں بہترین ساگون
 کی لکڑی پائی جاتی تھی ہندوستان میں بنے جہاز مغرب میں بنے جہازوں سے بہتر ملنے
 جاتے تھے لیکن جہاز رانی کے بارے میں ہندوستانی کافی حد تک ناجانکار اور نوجیم
 رہے۔ اس کی ایک مثال تھیونو کے سفر کی تفصیل سے ملتی ہے ہندوستانی جہاز کے
 کپتان کو سمندر میں سمت طے کرنے کی مناسب جانکاری تھی۔ یس کے نتیجے میں بحر
 عرب سے سورت پہنچنے کی بجائے جہاز دمن بندر گاہ پہنچ گیا۔ جہازی بیڑوں کی جنگ میں
 ہندوستانی اور بھی اناری تھے۔

مغربی سائنس و تکنیک کو ٹھکرا نا وسطی دور کے سماج اور حکمران طبقے کے نظریات
 میں موجود تھا اس کی تمام تر ذمے داری وسطی دور کی روایتوں پر ہے حقیقت
 میں سائنس کی ترقی عرب ممالک میں بارہویں صدی سے قبل بے جاں ہو چکی تھی۔ اور
 ہندوستان میں یہ روایت اس سے پہلے ہی مردہ ہو گئی تھی۔

سائنسی نقطہ نظر سے پچھڑنے کے ساتھ ہی ساتھ سترہویں صدی کے آخری
 نصف حصے میں اقتصادی انتظامی و سیاسی خطرات واضح طور پر دکھائی دیتے
 ہیں۔ اس کی تفصیل ہم باب اول میں پیش کر چکے ہیں۔ جہاں تک مغلیہ حکمران

طبقے کا سوال ہے یہ کہنا کہ مغلیہ سلطنت کا زوال امیر طبقے کی بدکرداری کی وجہ سے ہو اٹھیک نہیں لگتا۔ مغلیہ حکمران طبقے کا متحد ہونا اور اس میں الگ الگ قوموں اور مختلف مذاہب میں یقین رکھنے والے لوگوں کی شمولیت مغلیہ حکمران طبقے کی کمزوری کی وجہ سے نہیں کہا جاسکتا۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ گروہ بندی کی بنیاد ذات برادری و مذہب نہ ہو کر ذاتی مفادات تھے حاکم طبقے میں مختلف برادریوں اور مختلف مذاہب کے لوگوں کے ہونے کی وجہ سے مغل حکومت میں آزاد خیالی اور آزاد پالیسی کو سہارا ملا حکومت کو ایک خاص طبقے کی پالیسی پر منحصر کرنے کی کوشش بیکار رہی۔ حاکم طبقے میں مختلف عناصر کو شامل کرنا اور ان میں ایک مشترکہ سماجی و ثقافتی احساس بیدار کرنا مغلیہ سلطنت کا ایک بڑا کارنامہ کہا جاسکتا ہے اس طرح کے مشترک حاکم طبقے کا اس زمانے کے سماج و تہذیب پر اپنا خاص اثر پڑا جس کی وجہ سے افراط و تفریق سے بالاتر آزاد خیال عناصر کو قوت ملی یہ رجحان اٹھارہویں صدی میں کمزور ہونے کی نسبت اور زیادہ قوی ہو گیا اٹھارہویں صدی کے آخری نصف حصے میں شاہ ولی اللہ جیسے علمائے اسلام کے نام پر مسلمانوں کے اتحاد کا نعرہ لگایا لیکن اس کا کوئی خاص اثر اس زمانے میں نہیں پڑا۔

جہاں تک کہ اقتصادی و مالی حالت کا سوال ہے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس زمانے میں پیداوار پہلے کی نسبت کم ہو گئی تھی راجستھان میں زراعت سے متعلق دستاویزات وغیرہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ سیاسی کشمکش کے باوجود اٹھارہویں صدی کے درمیان تک زراعت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ ملکی اور غیر ملکی تجارت پر مغل سلطنت کی مصیبتوں کا کیا اثر پڑا اس کا ابھی تک مناسب مطالعہ نہیں کیا گیا ہے اورنگ زیب کے زمانے سے ہی حکومت میں مالی خطرہ بڑھتا چلا جاتا ہے بہادر شاہ نے آگرے کے قلعے میں جمع شدہ قدیم خزانے کو تقریباً خالی کر دیا اس کی دور حکومت میں جاگیرداری کی رسم کا خطرہ اور بھی بڑھ گیا۔ چھوٹے منصب داروں کی حالت خراب ہو گئی کیونکہ جاگیر ملنے پر بھی اس کی آمدنی بہت ہوتی تھی بہادر شاہ نے امیروں کو بڑے بڑے منصب اور ترقی دے کر حالات کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا۔ غالباً زمین کو جاگیر میں تبدیل کرنے کے رجحان کی ابتدا اسی وقت سے ہوتی ہے۔

جہاندار شاہ کے زلزلے میں حالت اور خراب ہو گئی پرانے قاعدوں اور دستوں کو بالائے طاق رکھ دیا گیا خالص زمین بھی اچارے پر دی جانے لگی جس سے کسانوں کی حالت اور انتہر ہو گئی اور حکومت کی آمدنی کم ہو گئی خانہ جنگی نے مالی مشکلات کو اور بڑھادیا۔ سید برادران انتظامی امور میں ہوشیار نہیں تھے عہد اللہ خاں نے حکومت کا سارا بار اپنے دیوان رتن چند پر ڈال دیا تھا اور اجارے کی بُری روایت عام ہو گئی ننھی گروہ بندی کی وجہ سے نظم و نسق کمزور ہو گیا خفازمینداروں کو سراسر اٹھانے کا موقع ملا اور ان میں سے بہتوں نے مال گزاری ادا نہیں کی۔ دکن میں چوستھ و سریش سکھی کے نام پر مرہٹوں نے آدھی مال گزاری پر قبضہ کر لیا۔ جاٹوں اور سکھوں نے بالترتیب آگرہ اور لاہور کے علاقے میں لوٹ مار شروع کر دی۔ سید برادران کے زوال کے بعد نظام نے سارے منصبوں اور جاگیروں کو نئے سرے سے معائنہ کرنے اور نااہل لوگوں کو ہٹانے یا ان کے منصب کم کر کے کی تجویز رکھی لیکن مخالف عناصر کی وجہ سے وہ ناکام رہا اس کے بعد قابل و لائق صوبے داروں میں اپنے اپنے صوبوں پر اپنا اثر بڑھانے اور وہاں کی آمدنی کو خود خرچہ کرنے کا رجحان بڑھ گیا۔ بادشاہ کا کنٹرول حقیقت میں ایک محدود علاقے تک رہ گیا۔

اس طرح مالی مشکلات اور انتظامی مشکلات ساتھ ساتھ چلتی ہیں جیسے سلطنت کی مالی حالت کمزور ہوتی اس کا اثر اندرونی انتظام پر پڑا تو بھی مرہٹوں اور تاجداروں کے خلاف مغل افواج کی شکست کی وجہ ذرائع کی کمی بتانا مناسب نہیں۔ مالی مشکلات کا اثر سیدھا تعلق سیاسی خطرات سے قائم کرنا تاریخی نقطہ نظر سے حقیقت پسندانہ نہیں ہے۔ مندرجہ بالا تفصیلات کو مد نظر رکھتے ہوئے مغل سلطنت کے زوال کی بڑی ذمہ دار اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی پر رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا اورنگ زیب کی بہت سی پالیسیوں کو نقصان دہ مانتے ہوئے بھی اس بات کو ہشیاری سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ان پالیسیوں کا مغل سلطنت پر حقیقت میں کیا اثر پڑا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اورنگ زیب کی موت کے چھ برس بعد جزیرہ اٹھایا گیا اور ہندوؤں پر لگائی گئی پابندی (عربی، ایرانی گھوڑوں پر سواری نہ کرنا اور مقدس مقامات پر ٹیکس وغیرہ) ہٹا لے گئے، اجہ... ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱

منصب اور عہدے دے جانے لگے بندید راجپوتوں کو بھی رعایتیں دی گئیں 1715 میں جے سنگھ و بندیلوں وغیرہ نے مالوہ میں مسٹوں کو ہرا دیا اس طرح راجپوت دوبارہ مغل سلطنت کی حفاظت میں لگ گئے۔ میواڑ کے رانا سنگرام سنگھ کے ساتھ بھی مغل بادشاہ کے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے جے سنگھ و اجیت سنگھ نے مغل دربار کی سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، مرہٹوں کے ساتھ بھی 1709ء تا 1710ء اور 1712ء میں صلح ہوئی اور ان کا خاص مطالبہ دکن کی چوتھ و سرحدیش مکھی تسلیم کر لیا گیا۔

اورنگ زیب کی تنگ نظری کی پالیسی کو بالائے طاق رکھ دینے پر بھی مغل حکومت کو نئی زندگی نہیں ملی اس کی خاص وجہ دور وسطیٰ کی سماجی مشکلات تھیں زمینداروں اور کسانوں میں سے کسی کے بھی مفادات مرکز سے متعلق نہیں تھے جب تک مغلیہ حکومت کسانوں کو امن و انتظام دے سکتی تب تک کسان اس کے حلال نہیں ہوئے جب مرکزی عنان حکومت کمزور ہو گئی تب وہ کسی بھی لائق مقامی حاکم کا ساتھ دینے کے لیے تیار رہتے تھے تجارت پیشہ لوگ جن کا مفاد بڑی اور طاقتور حکومت کے ساتھ منسلک تھا دور وسطیٰ میں سیاسی پیمانے پر زیادہ با اثر نہیں تھے اس لیے مرکزی حکومت کی حفاظت کی ذمہ داری امیر طبقے پر آتی ہے امیر طبقہ رفتہ رفتہ مغلیہ حکومت کے محافظ کی بجائے مخالف بن گیا۔ اس تبدیلی کے بارے میں ہم گزشتہ ابواب میں لکھ چکے ہیں مغل سلطنت کے زوال میں امیر طبقے کی ذمہ داری کتنی ہے اور مرہٹوں، جاٹوں، سکموں، راجپوتوں کی کتنی اس معاملے پر مختلف رائیں ہو سکتی ہیں لیکن امیر طبقے کا کافی ہاتھ ہے یہ بلا شک و شبہ کہا جاسکتا ہے۔

بنیادی طور پر مغلیہ سلطنت کے زوال کی وجہ دور وسطیٰ کی سماجی و اقتصادی حالت ہے جس کی وجہ سے ہندوستان میں صنعت و تجارت کی ترقی کی رفتار بہت دھیمی رہی اور سائنس و تکنیک کے نقطہ نظر سے ہندوستان دنیا کے ترقی یافتہ ممالک سے پیچھے رہ گیا۔ اس کی وجہ سے جاگیر داری کی روایت کی مشکلات پڑھیں جس کی وجہ سے حکومت میں کمزوری امیر طبقے میں بے اطمینانی اور گروہ بندی

نچلے طبقے میں رشوت خوری بڑھ گئیں، ابھی جاگیر حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا یا گروہ بنانا ضروری تھا اس گروہ بندی کی وجہ سے آپسی رنجشیں بڑھتی چلی گئیں اور آخر میں لائق اور اولوالعزم امیروں نے اپنی الگ الگ ریاستیں قائم کرنا شروع کر دیا۔ اس سے قبل مرہٹوں کی بلند خواہشات کو سمجھنے میں مغلیہ حاکم طبقہ ناکام رہا ان سب کا اثر دربار کی پالیسی اور شمالی مغربی سرحد پر پڑا۔ اس زمانے کے لوگوں کی پالیسیاں اور کردار کی کمزوریاں مغل سلطنت کے زوال کے تجزیے میں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں لیکن انہیں اس وقت کے سماجی و اقتصادی حالات اور رجحانات کے حوالے میں جانچنا ضروری ہے۔

اختتامیہ تصریحات

گذشتہ صفحات میں زیر مطالعہ حالات کی روشنی میں، اورنگ زیب کی وفات کے بعد امرائے کردار و عمل اور اٹھارہویں صدی میں سیاسیات کے رخ کے خاص خاص پہلوؤں پر توجہ مبذول ہو سکتی ہے۔

سب سے پہلے تو اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ آخری مغلوں کے دربار میں امرائے کامل اور کردار قومی یا سیاسی گروہ بندی پر مبنی تھا۔ اورنگ زیب کے دور حکومت کے اواخر میں، دربار میں جو گروہ بندیاں وجود میں آئیں وہ یا تو قبیلہ اور خاندان یا تعلقات وابستگی اور شخصی مفادات پر بنیاد رکھتی تھیں۔

چنانچہ ذوالفقار خاں جو ایرانی تھا۔ اس کی پشت پناہی بہ عبدالصمد خاں جیسے تورانی امراء، داد و دغاں پتی جیسے افغان امراء اور رام سنگھ باڑا اور دلپت بندیلہ جیسے ہندو سردار بھی تھے۔ سید برادران جو ہندوستانیوں کے ہمدرد کہے جاتے تھے۔ انہوں نے ایسے تورانی امراء جیسے نظام الملک، محمد امین خاں اور عبدالصمد خاں وغیرہ کی وابستگی کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن فرخ سیر کی معزولی کے بعد نظام الملک نے تسلط جمانے کی کوشش کی اس نے قومیت اور مذہب کے نعرے بلند کیے، اور یہ کہا کہ سید برادران کھلف ہم تمام مغلوں کی عزت و ناموس کی خاطر چھیڑی گئی تھی چاہے وہ ایرانی ہوں یا تورانی اور یہ کہ و۔ سلطنت اور اسلام، سید برادران اور ان کے اہل ہندو ہمدردوں کے سبب سے خطرے میں پڑ گئے تھے بہر حال دوراچوت راہا ہے سنگھ اوراچیت سنگھ میں سے اول الذکر سیدوں کا سخت ترین قائل تھا، چھیلارام ناگر اور دیابھاد نے سید برادران کی حاکمیت کا طاقت کی ٹوک پر مقابلہ کیا، جہاں تک سر ہٹوڑ سے سیدوں کی مفاہمت کا تعلق ہے، خود کٹر مذہبی نظام الملک نے بھی 1724 اور اس کے بعد مرہٹوں سے مفاہمت کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا اور یہ

سب کچھ اس نے اپنے سیاسی مقاصد کے لیے کیا۔ اس کے بعد کے عرصے میں وزیر قمر الدین خاں، سعادت خاں، برہان الملک (اودھ کی ریاست کا بانی) ممد خاں، بخش جو ایک افغان تھا اور جو دھپ پور کے راجہ ایسے سنگھ کا وغیرہ کا ایک اپنا الگ گروہ تھا جب کہ خان دوراں (تورانی نسل کا وارث) اور راجہ جے سنگھ کچھ دوسرے افغان سرداروں کے ساتھ اپنا ایک علیحدہ گروہ بنائے ہوئے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قومیت نسل اور مذہب کے نعرے انفرادی طور پر خود غرض امراء کے بلند کیے ہوئے تھے اور اصل گروہ بندی قومیت نسل اور مذہب سے قطعاً متاثر نہیں تھی۔

دربار میں گروہوں کے وجود میں آنے کا پس منظر، شہنشاہیت کے وقار کے زوال کے سبب سے تھا جو سر ہٹوں، جاٹوں اور مرہٹوں کی مخالفت تحریکوں سے اطمینان بخش مدد کے نہ پٹنے کی وجہ سے معرض وجود میں آیا۔ اور اورنگ زیب کی وفات کے بعد کی فساد جنگی نے حکومت کی صورت حال کو مزید کمزور کر دیا خصوصاً اس لیے بھی کہ اس کے بعد سے کوئی کامیاب حکمران تخت نشین نہ ہوا۔ اسی کے ساتھ ساتھ جاگیر کی نظام کے زوال پدید ہونے نے جس کی حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی جاگیروں کی بخشش میں دیر لگنے لگی اور اگر کوئی جاگیر دے بھی دی جاتی تھی تو اس کی دستاویز اور اس کی آمدنی کے درمیان طویل وقفہ حائل ہو جاتا تھا۔ دربار میں گروہ بندیوں کا ایک سبب، آسان اور قابل حصول جاگیروں کو حاصل کرنے کی کوشش میں بھی متحرک تھا۔ جو سب سے زیادہ بااثر گروہ ہوتا اسی کے ساتھ اچھی سے اچھی اور زیادہ سے زیادہ جاگیریں لگ جاتیں۔ ہر گروہ بااثر امراء اور اس کے وابستگان پر مشتمل تھا۔ وزارت کے لیے جو کش مکش تھی وہ ایسے ہی بااثر گروہوں کے درمیان تھی۔ یہ بااثر گروہ ملک کے سیاسی حالات پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے تھے اور وہ اس صورت میں کہ دربار کے اعلیٰ عہدوں پر قبضہ کر لیتے خصوصاً وزارت اور میر بخشی والے منصبوں پر۔ اسی کے ساتھ ساتھ شہنشاہ پر بھی اثر انداز ہونے کی کوشش کی جاتی اور صورت حال پر قابو رکھنے کے لیے حریف امراء سے شہنشاہ کے میل ملاپ کو محدود کرنے کی کوشش میں رہتے تھے۔ چنانچہ وہ ان عہدوں پر بھی قبضہ جمانے کی کوشش میں رہتے تھے جو شہنشاہ

کی رسائی سے وابستہ تھے۔

وزارت کے لیے کش مکش سلطنت اور امراء کے درمیان کی کشمکش نہ تھی کیونکہ امراء کا کوئی مشترک مفاد یا مقصد نہ تھا۔ درحقیقت وہ چند امور جو ان کے درمیان مشترک تھے ان میں سے ایک تیموریوں کے حکومت کرنے کا پیدائشی حق تھا کیونکہ امراء میں سے کوئی گروہ نئی حکومت قائم کرنے لائق مضبوط نہ تھا لیکن تیموری ابھی تک کافی وقار اور عزت کے ستھی سمجھے جا رہے تھے۔ لیکن وزارت کی کوشش میں طاقت اور عہدوں کی کش مکش ہی کو کارفرما سمجھنا غلط ہے۔ ذوالفقار خاں اور سید برادران نے جو عرصہ تک ایک با اثر صورت حال قائم کیے رہے، ایسے اقدامات کرنے کی کوشش کی جس سے کہ منغل حکومت کی عمر میں کچھ اور اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہ امراء محض خود اپنے لیے طاقت و اثر اندازی کے خواہاں نہ تھے لیکن ان کی اعلیٰ منصبی کے سبب سے باقی امراء کو ان سے حسد ہونے لگی جنہوں نے ان کے شر اور ان کے عہدوں میں توڑ پھوڑ کرنے کی کوشش کی۔

یہ بحر ان ٹل گیا، ہوتا اگر وزراء کو اپنے حکمرانوں کا اعتماد حاصل ہوتا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو وزراء سلطنت کو زندہ رکھنے والی اصلاحات اور صورت حاصل پر عمل پیرا ہو سکتے تھے لیکن چونکہ وزراء اپنا منصب اپنی سیاسی اور فوجی طاقت پر حاصل کرتے تھے تو سلاطین کو خود غرض لوگ یہ سمجھا دیتے تھے کہ ایک با اثر اور طاقت ور وزیر سلطان کو بے اثر اور بے کار کر سکتا تھا اور یہ کہ وہ کسی نئی نسل کو تخت نشین کرنے میں بھی کامیاب ہو سکتا تھا۔ اس لیے سلاطین بجائے توازن و استحکام کا سبب بننے کے خود اپنے وزراء کے خلاف سازشوں کا ایک مرکز بن گئے۔ وزارت کی طرف اس رجحان سے زبردست اندرونی خلفشار پیدا ہونے لگی جس سے کہ پورے دربار اور امراء میں گروہ بندی ہوتی گئی اور یہ گروہ ایک دوسرے کے مخالف ہو کر تسلط جمانے کی کوشش کی طرف راغب ہو گئے۔ یہی حالات تھے جن سے فائدہ اٹھا کر سید برادران نے تخت نشین شہنشاہ کو معزول کرنے کی جرات کی تاکہ اس کی جگہ اپنی پسند کا کوئی دوسرا حکمران تخت نشین کر سکیں اور حکومت کی اصل باغ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھال لیں۔ لیکن یہ اقدام خود اپنے مقصد کی

ناکامی کا ذریعہ ثابت ہو اکیونکہ تمام ممتاز امراء ان کے خلاف متحد ہو گئے جس سے بالآخر سید برادران کا زوال ہو گیا۔

چونکہ سید برادران سلاطین کی پشت پناہی حاصل نہ کر سکے، انھوں نے اپنے ایسے مددگاروں کی ایک جماعت تیار کرنی شروع کر دی جو اپنے حریفوں نیز شہنشاہ کو مرعوب کر سکے۔ اس سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ ایک کامیاب وزیر ایک نئے خاندان کو تخت نشین کر سکتا تھا لیکن امراء میں سے کوئی اور جماعت اتنا مضبوط نہ بن سکی کہ باقی پر حاوی ہو سکے۔ اس لیے کسی نئے خاندان کو تخت نشین کرنے کا سوال پیدا نہ ہو سکا اب اتنا ضروری تھا کہ کوئی بیرونی طاقت مداخلت کر کے حکمران خاندان کو معزول کر دے۔

لیکن اگر کوئی لائق حکمران حکومت کو چلانے کے قابل نہ ہوتا یا اگر کوئی طاقتور وزیر اپنے فرائض کی انجام دہی کے لائق نہ ہوتا تب یہ خطرہ ضرور لاحق ہوتا کہ طاقتور امراء آزادانہ طور پر اپنے لیے علاقے انتخاب کر لیتے اور اس طرح حکومت کو تقسیم کر دیتے ہیں معاون ہو جاتے تھے۔ اس طرح شہنشاہوں کے سامنے یہ مسئلہ رہا کہ ایک طاقتور وزیر سلطنت کو تقسیم کر دینے کا سبب بننا رہا۔

نظام الملک کے سامنے سیدوں کے زوال کے بعد یہی صورت حال سامنے آگئی اور سیدوں کو نظام الملک نے حکمران خاندان کا دشمن قرار دے دیا تھا۔ اس کو دربار کے قوی گروہوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور شہنشاہ کی خفیہ دشمنی سے بھی سابقہ کرنا پڑا۔ نظام الملک نے دربار کو چھوڑ دینا پسند کیا اور اس نے دکن میں اپنے لیے ایک الگ علاقہ انتخاب کر لیا اس عمل کا دوسرے امراء نے بھی ارتکاب کیا۔ ان امراء نے بڑے بڑے علاقوں کو اپنی تحویل میں لے لیا اور شہنشاہ کے لیے برائے نام وفاداری کا اظہار، بیماری رکھا۔

اس طرح وہ ممتاز امراء جو حکومت کو مستحکم و مضبوط بنانے میں معاون و مددگار ہو کر دکھاتے، وہی سلطنت کی تخریب کے ذرائع ثابت ہوئے وزارت کے لیے مدد و جہد کا تجربہ ثابت کرتا ہے کہ مغل شہنشاہوں کی جیسی استعماری سیاست شایستگی کسی ایسی قسم کی طرز شہنشاہیت میں محدود نہ جانے کی اہلیت

درکعتی جس میں کہشہنشاہ محض حکومت کر کے اتحاد کی علامت بن سکتا اور وزیر حکومت کی مشین کے مرکزی پرزہ کا کام کرتا رہتا۔ مغل استعماریت کی جگہ یا تو کوئی دوسری استعماریت لے سکتی تھی یا اس کی جگہ مرکزی طاقت کے توازن کے ماتحت ملک کی تمام ریاستیں خود کو منظم کر لیتیں۔ وہ سماجی طاقتیں جنہوں نے کہ انگلستان میں ایک آئینی بادشاہت کو ممکن الوجود بنا دیا تھا۔ وہ سترہویں صدی کے ہندوستان میں نہایت کمزور اور بے بضاعت تھیں اس لیے جاگیردارانہ نظام میں جو مخرب کاروائی طاقتیں ہوتی ہیں وہ یہاں پر پوری طرح کارفرما تھیں۔

وزارت کی جدوجہد سیاسی صورت حال سے متعلق جدوجہد بھی تھی۔ اس الجھاؤ کا تعلق کچھ ایسے بنیادی مسائل سے تھا جن کو مغل سلطنت کو اس وقت سے سابقہ پڑ رہا تھا جب سے اس کا آغاز ہوا تھا اور خاص طور پر اس دوران میں جبکہ اورنگ زیب حکمران تھا۔ چنانچہ راجپوت ریاستوں اور انفرادی راجپوت راجاؤں کی طرف رجحان، ہندوؤں کا شہری مرتبہ اور جزیہ لگانے کا سوال سے مرہٹوں کے لیے کس قسم کا انداز اختیار کیا جائے اور ایسے جنگجو گروہوں جیسے کہ جاٹ قوم ان سب سے کس سیاسی صورت حال کو وقوع میں لا کر بننا چاہتے، یہ سب مسائل سیاسی گروہوں کے زیر نظر رہتے تھے۔ بنیادی طور پر یہ سوال تھا کہ کیا سلطنت کی بنیاد مسلمانوں پر یعنی مذہبی اور ملی نظریات پر اٹھائی جائے یا یہ کہ اس کی بنیاد وسیع النظری، ہندو مسلم اتحاد اور غیر مذہبی اصولوں پر رکھی جائے۔ بہادر شاہ کے دوران حکومت میں سبھی جاٹوں اور راجپوتوں کی طرف ایک نرمیت کا رجحان تھا۔ چنانچہ جزیہ جمع کرنے کے سلسلے میں کافی پچک سے کام لیا جاتا تھا۔ جہاندار شاہ کی حکومت کے زمانے میں ذوالفقار خاں نے جزیہ منسوخ کر دیا اور راجپوت راجاؤں کو اونچے ہندو اور بڑے بڑے منصبوں کا یقین دلایا۔ اس نے پہلے ہی شاہو سے دکن کی چوتھ اور سرحدیش مکھی کی ادائیگی کے بارے میں معاہدہ کر رکھا تھا۔ ذوالفقار کی معزولی کے بعد اس کی طرز سیاست کو سید برادران نے اختیار کیا۔ انہوں نے دوبارہ سلطنت کو ہندو اور مسلم اتحاد کی وسیع النظریہ بنیاد پر تعمیر کرنے کی کوشش کی اور مسلمانوں، راجپوتوں اور مرہٹوں کی ملی جلی

حکومت کو قائم کرنے کے سخت اقدام کا آغاز کیا۔ انھوں نے جاٹ سرداروں کو بھی مراعات دینی شروع کر دیں۔ (البتہ سکھوں کے لیے اس قسم کا کوئی اقدام نہیں کیا گیا) اس بات کی تفصیل میں جانا ہمارے سیاق و سباق سے غیر متعلق ہے کہ حالات کے دباؤ میں آکر ان کو بھی اس قسم کی مراعات دینی پڑیں اور یہ مراعات کسی سوہمی سمجھی پالیسی کا نتیجہ نہ تھیں بلکہ ایک قسم کی کمزوری کا مظہر تھیں۔ خیر حالات جو بھی رہے ہوں وہ اس وقت میں کارفرما سماجی طاقتوں کا ایک مؤثر اشاریہ ضرور ہیں یہ نئے رجحانات امرار کی چند ان جماعتوں کی خواہشات کے برعکس تھے۔ جو سیدوں کی مخالفت تھیں اور جوان کو ہندو نواز اور سلطنت اور بادشاہت اور ”مذہب و ایمان“ کے منافی کہتے تھے۔ لیکن نظام الملک کی وہ کوششیں جن کے ذریعہ وہ اورنگ زیب کی پالیسی کی طرف واپس لوٹ کر جانا چاہتا تھا۔ امرار کی کثیر جماعتوں کی طرف سے اختلافات اور ناراضی کا نشاہ بن گئیں اور ان ماتحت اہل کاروں اور ہمدیداروں نے بھی اس سے اختلاف کیا اور کہا جاتا ہے کہ ماتحتوں میں ہندوؤں اور ہندوستانیوں کی تعداد کثیر تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نظام الملک دربار سے رخصت ہو گیا اور اس نے دکن میں اپنے لیے ایک نیم آزاد ریاست کی تخلیق کر لی۔

چنانچہ یہ واضح ہے کہ اورنگ زیب کے نام سے منسوب علیحدگی کی پالیسی صرف مختصر مدت تک ہی جاری رہ سکی۔ مغل حکومت کے ایک سو ستانوے سال کے عرصہ میں جو 1526ء سے لے کر نادر شاہ کے 1739ء کے حملے کے درمیان میں گزرا، جزیرہ صرف 57 سال ہی وصول کیا جاسکا۔ اگرچہ اس سے ہندوؤں کی طرف حکومت کے رجحان اور کٹر مذہبی عناصر کے جھکاؤ کا جو اس مدت کے درمیان کی حکمرانی میں شامل تھے کوئی مستقل اشاریہ نہیں ہے پھر کم از کم ایک قسم کا جائزہ ضرور ہے ہندوؤں اور مسلمانوں میں مفاہمت کو ممکن الوقوع بنانے والی طاقتیں اور ہندوؤں اور مسلمانوں پر مشترک تمدن یہ سب چیزیں متعدد دھیلیں سے کارفرما تھیں اور یہ انہی طاقتور ہوجکی تھیں کہ عارضی سیاسی مسائل ان کے رخ کو موڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اٹھارہویں صدی کی نمایاں تصویر یہ نہیں ہے

کہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کے خلاف تختہ پھینک دیا تھا۔ جماعتیں بنا کر کسی تہمتیں بلکہ یہ لوگ تمدنی اور سماجی زندگی میں باہم اشتراک سے کام لیتے تھے اور ان کے سیاسی اختلافات میں مذہبی عصبیت کا عنصر قطعاً کا العدم رہتا تھا۔ البتہ اتفاقیہ واقعات ایسے ضرور ملتے ہیں جن میں مذہبی تفریق جہدات کا رفرماہوں کچھ مذہبی مفکرین نے معاصر سیاسی کش مکش کی مذہبی اصطلاحات میں تشریح کرنے کی کوشش کی چنانچہ شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کو مغل حکومت کی بقا کے لیے منظم ہو جانے کو کہا اور انہوں نے مرہٹوں کو مذہب اسلام کا دشمن قرار دیا۔ ایسا دیکھا کہ ہندوؤں میں ان کے جیسے متوازی اور ہم مثل مفکرین نہ تھے اگرچہ ہندوؤں میں کسی ایک ممتاز شخصیت کا نام لے دینا ممکن نہیں ہے لیکن منہج طور پر شمالی ہندوستان پر تسلط جمانے کی مرہٹوں کی جدوجہد سماجی زندگی کے معمولات کو غیر متوازن نہ کر سکیں اور نہ اس سے شمالی ہندوستان کے ہندو اور مسلمان کے تعلقات پر کوئی غیر معمولی برا اثر ہی پڑا۔

سیاسی وفاق اور سیاسی اختلافات کی بنیاد کے پیچھے سیاسی مفادات کا رفرما ہوتے تھے۔ چنانچہ اپنے مفادات کے پیش نظر اور اپنی ضرورت کی مناسبت کے مطابق نظام الملک بھی مرہٹہ طاقتوں کے خلاف مغل سلطنت کی بقا کے حق میں جنگ آزمایا ہونے کو تیار ہو جاتا تھا دوسری طرف مغل شہنشاہ اور اس کے ہم نوا جب ضرورت دیکھتے خود مرہٹوں کو نظام الملک کے خلاف بھڑکا دیتے تھے۔ شروع شروع میں راجپوتوں اور ہندیلوں نے مرہٹوں کی شمالی ہندوستان کی طرف دست درازی کو روکنے کی کوشش کی اس کے بعد ہندیلوں نے کبھی تحفظ کی خاطر اور کبھی حملہ آور ہوتے وقت مرہٹوں کے ساتھ رابطہ اٹھا دیا قائم کر لینے کو مناسبت جانا دوسری طرف سوائی جے سنگھ، مغل دربار اور اس کے حریفوں کے درمیان صلح اور امن قائم رکھنے میں مددگار ہونے کا فرض انجام دیتا رہا۔ ادھر راجپوت حکمران، ایسے سنگھ مرہٹہ حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا رہا۔ حد یہ ہے کہ جے سنگھ نے بھی کبھی مرہٹوں کے ساتھ کوئی رابطہ اٹھا مستقل طور پر قائم نہیں کیا اگرچہ اس قسم کے بے بنیاد الزامات غلط مسلط مواد کی بنیاد پر اس کے خلاف لگائے گئے ہیں۔

اس کے ایک عرصے کے بعد ایسا وقت بھی آیا کہ جاٹوں اور اودھ کے نواب نے مرہٹوں سے دوستی قائم کی لیکن موخر الذکر کی لوٹ مار سے تنگ آکر عین جنگ پانی پت کے موقع پر ان سے رشتہ منقطع کر لیا۔

مرہٹوں نے بھی اپنی جانب سے ہند و پد پد شاہی کے فلسفہ کو خیر باد کہا اور اب صرف یہ خواہش رہی کہ ملک پر شہنشاہ کے نام میں حکومت کی جائے اور ہر ممکن طور پر دوسرے مغل امراء کی طرح طرز اور انداز اختیار کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اٹھارہویں صدی کی سیاسیات کا بنیادی رجحان قطعاً غیر مذہبی تھا۔ تمدن کے میدان میں بھی تعصب اور رنگ نظری کا کوئی وجود نہ تھا۔ مرہٹوں نے پوری طرح اور لمبے پیمانے پر مغل دربار کے طرز کو اختیار کر لیا تھا، اس سے مرہٹہ سماج میں شمالی ہندوستان کی بہت سی رسومات اور اعمال و افعال داخل ہوتے چلے گئے۔

اٹھارہویں صدی کے دوسرے اور تیسرے اعشاریے (decade) میں شمالی ہندوستان کی طرف مرہٹوں کی تیز قدمی اور مغل دربار کی ان کا مقابلہ کرنے اور ان کو روکنے میں بے بعناہتی اور ذہنی انتشار اس خیال سے ذمہ دار ہے کہ سن جلد طور پر مغل امراء زوال پذیر اور بے روح ہو چکے تھے۔ مغل امراء کے اس نام نہاد زوال کے لیے متعدد اور مختلف اسباب بتائے گئے ہیں مثلاً اٹھائی عیش پرستی، لمبے چوڑے پیمانے پر حرم سراؤں کا قیام، ہندوستان کی جرات کش آب و ہوا اور رنگ زیب کی مذہبی پالیسی جس نے مسلمانوں کو جنگ آزمائی کے دقیقہ منشی میں محدود کر دیا تھا۔ مغل امراء کی گونا گوں نوعیت، اور رنگ زیب کے بعد وسط ایشیا کی جنگ جو اقوام کی شمولیت کا خاتمہ وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے اکثر اسباب تو بالکل ہی بے اصل اور بے بنیاد ہیں اور انفرادی اور اجتماعی طور پر الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ اس نظر سے پیش کیے گئے ہیں کہ قرون وسطیٰ میں غوریوں کے حملے کے بعد سے جو تبدیلیاں آئیں ان کی تشریح کی جاسکے۔ لیکن زوال پذیر کی کو سماجی حالات کا نہیں بلکہ اقتصادی حالات کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ تاریخ میں ایسا کوئی عہد نہیں گذرنا کہ راجہ کر دار اور قابلیت و اہلیت کے جوہر رکھنے والی شخصیتوں کا مکمل فقدان ہو گیا ہو۔ چنانچہ

اگر اسی اصول پر پرکھا جائے تو اٹھارہویں صدی کے نصف اول کو شاید ہی زوال پذیری کا عہد قرار دیا جاسکتا ہو، کیونکہ اس عہد میں ہمیں قابل حکمرانوں، سپہ سالاروں اور صاحبان علوم و فنون کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے۔

یہی وہ زمانہ ہے جس میں بادی النظر ہی میں ہمیں ایسے ممتاز لوگوں کے نام ملتے ہیں جیسے سید برادران، نظام الملک، عبدالصمد خاں اور ذکر یا خاں سعادت خاں اور صفدر جنگ، مرشد علی خاں اور جے سنگھ سوانی وغیرہ وغیرہ یہ دوسری بات ہے کہ ان حضرات کی قابلیتیں سلطنت کے استحکام کے لیے استعمال نہ ہو سکیں۔ بلکہ انھوں نے اپنے تمام جوہر اپنے انفرادی مفادات اور اپنے علیحدہ علیحدہ علاقے حاصل کرنے میں خرچ کر دیے۔

اس لیے تاریخی اعتبار سے زوال پذیری ضرور ہے۔ اگر اس کا مطلب ایک ایسے سماج سے مراد لیا جائے جو اقتصادی طور پر ترقی پذیر نہ رہا ہو۔ ایسے سماج کے اپنے علیحدہ ہی خدوخال ہو کرتے ہیں۔ مثلاً ایک نہایت عمیق مالی بحران، قنولیت اور مستقبل میں یقین کا فقدان جس سے کہ اکثر غیر معقول اور غیر رجائی فلسفوں کی بنیاد پڑ جاتی ہے نیز سائنسی اور تکنیکی عمل میں ٹھہراؤ آجاتا۔ وغیرہ وغیرہ اس زوال پذیری کے بہت سی علامات تو سترہویں صدی کے

ع۔ ان امراء کے عین حیات میں جلد طور پر ایک ہندو منظم حکمرانی کے فرائض اپنے اپنے علاقوں میں بخیر خوبی انجام دیتے رہے۔ وہ ”عظیم لاقانونیت“ جس کی طرف برطانوی مورخین بار بار اشارہ کرتے آئے ہیں اور جس کو وہ ہندوستان پر برطانوی حکومت کے توازن کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ ذوق مقدور طبع و طویل تھا و اس قدر طویل المدت، جتنا کہ ان لوگوں نے بتایا ہے ان علاقوں میں جو کسی ایک ”ذوق“ کے زیر انتظام لائے جا چکے تھے یا جو مرٹوں کے اقتدار میں آگئے تھے جو طرز انتظام پہلے سے چلا آ رہا تھا۔ وہی بغیر کسی تبدیلی کے جاری رہا۔ خصوصاً اصلاحات اور برہمنوں میں اور یہی علاقے بعد میں برطانوی انتظام کے ماتحت آگئے۔ دراصل زیادہ تر علاقوں میں بد نظمی اور لاقانونیت کی تاریخ پانی پت کی تیسری جنگ سے شروع ہوتی ہے اور خصوصاً اس وقت سے جبکہ برطانوی لوگوں اور دیگر غیر ملکیوں نے ہندوستانی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کا آغاز کیا۔

نصف دوم اور اٹھارہویں صدی کے اوائل میں بھی ملتی ہیں لیکن یہ امر اس کتاب کے سیاق و سباق سے غیر متعلق ہے کہ اس عہد کے اقتصادی رجحانات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور اس زوال کی حقیقت یا اس کے اسباب کی تفصیل میں جایا جائے۔ تاؤفیکد اہل تحقیق کسی اس قسم کی تحقیق کو مکمل کر کے ہمارے سامنے رکھیں۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے سیاسی و سماجی رجحانات سے متعلق ہمارے نتائج کو محض اندازے کی سمجھنا چاہیئے۔

بہر حال یہ کہہ دینا بھی بہت زیادہ غلط نہ ہوگا کہ مغل سلطنت کا زوال صرف اس کے امراء کے کردار یا اہلیتوں کی گراؤ کا نتیجہ نہ تھا اور نہ ہی یہ امر اس تمدنی تہذیبی، مذہبی یا سماجی عناصر کے باعث وقوع پذیر ہوا۔ وہ گروہ اور جماعتیں جو بعد کی مغل سیاسیات پر اثر انداز ہوئیں۔ ان کو قوم پرستی کے یا تمدن و تہذیب یا معاشرہ کے اصولوں پر ترتیب نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ تہذیبی، تمدنی، معاشرتی اور مذہبی عناصر کے اختلافات نے تو وسیع النظری اور فیاضانہ طرز سیاست کو ممکن بنایا اور کسی ایک گروہ یا جماعت کے علیحدگی پسندانہ تسلط کے قیام کو ممکن الوقوع ہونے سے روک دیا کیونکہ اگر اس قسم کا تسلط قائم ہو جاتا تو بھی مغل شہنشاہیت کے لیے کچھ کم ضرر رساں ثابت نہ ہوتا اور اس سے شاید بہت زیادہ مضرت کم کے نتائج مرتب ہوتے۔ ان مختلف عناصر کا کامیابی سے کسی ایک گروہ کی شکل میں ترتیب پا جانا اور اس جماعت میں ایک مشترک نظریہ اور مشترک معاشرتی اقدار کا اختیار پا جانا اور ان امور کو مغل شہنشاہوں کا زیر دست کار نامہ سمجھنا چاہیئے۔ ایک ایسی حکمران جماعت کی تخلیق جم عصر ہندوستانی تمدن اور معاشرہ پر بہت معتمدانہ طریقہ سے اثر انداز ہوئی جس سے معاشرہ میں ایک وسیع النظرائہ اور ایک آفاقی اور ایک متحدانہ نظریہ پیدا ہوا۔ یہ نظریہ اور رنگ زیب کے دور حکومت میں بھی حم نہ ہو سکا بلکہ اس کو واضح طور پر اٹھارہویں صدی میں بھی کار فرما دیکھا جاسکتا ہے۔

وہ اقتصادی اور مالی بحران جو سترہویں صدی کی ایک خصوصیت تھی درجہ اور رنگ زیب کی حکومت کے دوران ایک نازک شکل اختیار کر گیا۔

وہ اٹھارہویں صدی میں ایک شدید ترین مسئلہ بن گیا۔ بہادر شاہ کی وفات کے وقت تک (1712ء) پچھلی نسلوں کے جمع کردہ خزانے ختم ہو چکے تھے چھوٹے درجہ کے منصب داروں کے لیے تو اپنی جاگیروں کی آمدنی سے اپنی گزیر بسر کرنا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ اور یہ آمدنی ان کی کاغذ پر رکھی ہوئی آمدنی کا ایک عشرِ عشر بھی نہ تھی اور یہ بھی سال بسال بہت مختلف اور غیر معتبر رہتی تھی۔ انعامات اور جاگیریں لٹانے میں بہادر شاہ کا عدم احتیاط یا تو منصوبوں کو بے معنی کیے دے رہا تھا۔ کیونکہ افواج وغیرہ رکھنے کی لازمی تعداد کو برقرار رکھنے کے لیے ذرائع میسر نہ تھے ایسا اس سے خالصہ کی زمینوں کے خوردبرد ہوجانے کا خطرہ لاحق ہوا جا رہا تھا۔

جہاندار شاہ کے زمانے میں یہ عمل اور تیز ہو گیا۔ تجارت کے مقرر کردہ اصولوں کی دھجیاں اڑائی جا چکی تھیں اور خالصہ زمینوں کو زیر کاشت لے آنا بھی گویا عام ہو گیا تھا۔ ایسے حالات میں کاٹھکاری کی اصلاح اور اس کی توسیع پر زیادہ توجہ مبذول دی جاسکی۔ اس کے برخلاف مال گزاری کی کاشت سے بٹائی کی کرایہ داری کی رسم پڑ گئی جس سے کاشت کاروں پر بہت بُرا اثر پڑا۔ اس سے مال گزاری کی اصل رقم اور بھی قلیل ہو گئی بخلاف جیگوں سے رہے سہے خزانوں کا اور بھی خاتمہ ہو گیا سیدوں نے کسی موقع پر بھی مالی اور انتظامی معاملات میں کسی کامیاب پالیسی کا ثبوت نہیں دیا۔ عبداللہ خاں نے اپنے تمام معاملات کو رتن چند کے ہاتھوں میں دے دیا تھا اور رتن چند خالصہ زمینوں کی کاشت کی غلط رسم پر ڈٹا رہا۔ دربار میں جماعتوں اور گروہوں کی تقسیم سے زمیندار اور باغی عناصر کی بہت ہمت افزائی ہوئی اور انھوں نے مال گزاری و محصول کی ادائیگی کو بند کرنا شروع کر دیا۔ دکن میں مرہٹوں نے تقریباً کل کا نصف محصول وصول کرنا شروع کر دیا اور آگرہ اور لاہور میں جاٹوں اور سکھوں نے بد امنی پیدا کر رکھی تھی۔

سیدوں کے زوال کے بعد نظام الملک نے یہ ایک جرات مندانہ اقدام کیا کہ ان جاگیروں کی تفتیش شروع کر دی جو امرا اور ماتحت اہل کاروں کے ہاتھ میں تھیں اور اس نے خالصہ زمینوں کی کاشت کو منسوخ قرار دیا۔ لیکن وہ اپنے منصوبوں پر عمل درآمد نہ کر سکا اور اسے حکومت میں اصلاح کرنے کی کوشش کو چھوڑ دینا پڑا۔

اس کے بعد صوبے داروں اور امراء نے نیم آزاد ریاستوں کو قائم کرنا اور زمینداروں نے محصول دینا بند کر دیا۔ تینشا شہنشاہ کا اصل اثر و رسوخ دہلی کے قریب وجواری تک محدود ہو کر رہ گیا اس کی آمدنی کا صرف یہی محدود ذریعہ رہ گیا تھا یا وہ خراج جو اس کے ”ماحت“ حکمران اس کو کبھی کبھی بھیج دیا کرتے تھے۔ اس طرح سیاسی بد حالی کے ساتھ مالی اور انتظامی بحران تیز ہوتا گیا اور اس کے نتیجے میں سیاسی صورت حال بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔

اس عرصے کے حالات کی تبدیلیوں کے پیش نظر مغل شہنشاہیت کے زوال کا سب سے بڑا سبب اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کو قرار دینا غیر تاریخی اور غیر واقعی معلوم ہوتا ہے۔ ان جدید ذہنوں کو جن کی پرورش بے تعصبی کے غیر مذہبی ماحول میں ہوئی ہے، اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کے کچھ خدوخال کتنے ہی غیر مناسب اور زوال پذیر اذ معلوم ہوتے ہوں، تاریخ کی جانب ایک حقیقت پسندانہ نظریے کا تقاضا ہے کہ اسباب اور نتائج کے درمیان کی حد فاصل کو گرا دیا جائے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بمشکل تمام چند ہی برسوں کے بعد اس قسم کے متعصبانہ اور تفسیری رسوم کو ترک کر دیا گیا تھا جیسے کہ جزیرہ ہندوؤں کو عراقی اور عربی گھوڑوں کے استعمال کی اجازت نہ ہونا یا گلال یار میں ان کے پالکی کے استعمال پر پابندی ہونا وغیرہ وغیرہ جو دھپور سے مغل افواج کو واپس بلا لیا گیا تھا اور راجپوت راجاؤں کو دوبارہ اپنے اپنے منصب اور جاگیریں دی جانے لگی تھیں۔ 1713ء میں جے سنگھ اور چندلیوں نے، ماوہ میں مرہٹوں کو شکست فاش دینے کے لیے باہمی اتحاد قائم کر لیا تھا۔ مغل دربار کی سیاست میں جے سنگھ اور اجیت سنگھ دونوں کو کچھ کم اثر نہ تھا۔ مرہٹوں کا جہاں تک تعلق ہے۔ شاہو کو نظر بندی سے رہا کر دیا گیا تھا۔ اور اسے شواجی کے سواراجیہ کی سرحدوں کا اختیار سونپ دیا گیا تھا 1718ء میں مرہٹوں کو باقاعدہ طور پر دکن کی چوتھ اور سردیش مکھی ادا کی جانے لگی تھی۔ نیز اس زمانے میں مندروں کے انہدام اور زبردستی سے تبدیل مذہب کروانے کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اورنگ زیب کی پالیسیوں سے یکسر دست بردار ہو جانے سے بھی

اب مغل شہنشاہیت کو کوئی طاقت نہ دال نہ دیر ہوئے سے نہیں بچا سکتی تھی۔ اس حکومت کی شکست و ریخت کے لیے متعدد عناصر ذمہ دار تھے۔ ہندوستان کے قرون وسطیٰ کے سماج میں شہروں اور دیہی علاقوں میں لازمی اور بنیادی اقتصادی اعتماد کی سخت کمی تھی۔ گھاؤں کی خود کفیل اکائیوں میں جو ایک اقتصادی علیحدگی تھی وہ سیاسیات میں بھی علیحدگی کا سبب بنتی گئی، مغلوں نے متعدد سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی طریقوں سے اس علیحدگی سے پیدا شدہ غلیجوں کو پاٹنے کی کوشش کی۔ اگرچہ ان طریقوں اور پالیسیوں کی تفصیل میں جانا اس موقع پر ممکن نہیں ہے۔ یہ بات پوری تسلیم سے کہی جاسکتی ہے کہ مغلوں نے اس ملک کے تمدن کے خود کو وابستہ کرنے کی کوشش کی جہاں تک ممکن ہوا۔ انہوں نے یہاں کے عوام کے مذہب سے رجحانات اور رسوم میں دخل اندازی سے گریز کیا اور ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں پر مشترک ایک حکمران جماعت کے قیام کو مستقل طور پر ترقی دیتے چلے گئے۔ اور رنگ زیب کے دوران حکومت اس عمل کو کچھ صدمہ ضرور پہنچا پھر بھی پوری سترہویں صدی میں اس پالیسی کو عام طور پر اختیار کیا جاتا رہا۔ مغلوں نے کاشتکاری تجارت اور پیداوار کو متعدد اور مختلف طریقوں سے طریقہ دینے اور ان کا تحفظ کرنے کی کوشش کی۔ اقتصادی ترقی کے زیر اثر تجارتی شہر معروض وجود میں آتے گئے۔ چنانچہ آگرہ، دہلی، لاہور اور احمد آباد اس حد تک ترقی کر گئے تھے، جہاں تک اس وقت کی دنیا کے بڑے سے بڑے شہر ترقی کر چکے تھے۔ لیکن یہ تبدیلیاں دیہی اقتصاد کے بنیادی کردار پر بہت زیادہ اثر انداز نہ ہو سکیں اور دیہی اقتصاد ہی خود کفیل کاشتکاری پر قائم رہا۔ سوائے اس کے کہ کسی کسی علاقے میں کچھ اسٹیشن ضرور موجود ہے اس لیے کاشتکار نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ ایک ایسی چوڑی مرکزی حکومت میں اس کا سبھی کوئی اہم مقام تھا اور بدامنی اور طوائف مالوکی کے زمانے میں کبھی بھی اس طاقت کی طرف جھک جاتا تھا جو بھی اس کو سہارا

ملا۔ ملاحظہ ہو تصنیف ”جہاں گیر کا ہندوستان“ از پال زریٹ صفحہ 7 و 16 اور ”سفر نامہ“

از تھیوٹوف صفحہ 44-46 و نیز Jahangir's India by Palseart
Travels by Tavernot

دے سکتی تھی۔ کاشتکاروں کے علاوہ کافی تعداد اور گہری جڑوں والی زمینداروں کی جماعت تھی جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے اور جو کسی بھی مضبوط اور مرکزی حکومت کو استحکام دینے کے حق میں نہ تھے۔ اس کے برعکس وہ جماعتیں تعداد میں بھی قلیل اور طاقت میں بھی نسبتاً کمزور تھیں جو استحکام اور اتحاد میں دلچسپی رکھتی تھی تجارت اور سوداگر جنہیں سب سے زیادہ استحکام اور پُر امن حالات کی ضرورت تھی، وہ خود جاگیردار طبقہ پر اس قدر منحصر تھے کہ وہ آزادانہ طور پر کوئی کردار ادا کرنے کی جرات نہ رکھتے تھے۔ اس سے امراء کا کردار نہایت ہی اہم ہو گیا تھا۔ جب تک امراء حکمران کے ساتھ امن و استحکام برقرار رکھنے میں مددگار رہتے اور حکومت کو تجارت، صنعت و حرفت اور کاشتکاری کے فروغ دینے کے نظریے سے چلتے رہتے تھے تب تک انھیں کاشتکاروں اور تاجروں کی حمایت حاصل رہتی تھی۔ ان عظیم جماعتوں کی حمایت ملنے لگے پسند اور بغاوت آمادہ زمینداروں، راجاؤں اور دوسرے قسم کے سرگردوں کو قابو میں رکھنے میں بہت کام آتی تھی۔ لیکن جب امراء اور حکمرانوں کے درمیان ایسی اعتماد اور مفاہمت ختم ہو جاتی تھی اور امراء حکومت کی خدمت گزاری کے درپے اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہ جاتے تھے تو مغلوں کا تئیر کیا بوازبر دست مرکزی امراء (امراء پر منحصر) نظام تیزی سے ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہونے لگتا تھا۔

ہم نے موجودہ تصنیف کے اوراق میں چند ان اسباب کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے جنہوں نے مغل امراء کی جماعت کو اتحاد و استحکام کا وسیلہ بننے کی بجائے عدم استحکام اور حکومت کی شکست و ریخت کا ذریعہ بنا دیا۔ حکومت کی اس شکست و ریخت میں کہاں تک امراء کا حصہ ہے اور کس حد تک مرہٹوں، راجپوتوں اور جاٹوں وغیرہ جیسے عناصر اس کے لیے ذمہ دار ٹھہرائے جاسکتے ہیں۔ اس سوال پر رایوں پر اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے شاید کم لوگوں کو اختلاف ہوگا کہ امراء کا بھی اس سلسلے میں کچھ کم حصہ نہیں رہا ہے۔ عین اس تاریخ کا نو پتہ لگانا دشوار ہے جب حکومت کی خدمت گزاری میں رہ کر امراء نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے امکان کو دشوار سمجھنا شروع کر دیا۔ یہ ہم نے ضرور دیکھی ہے کہ جاگیرداری نظام کا بحران سترہویں صدی کے وسط سے ہی ظاہر ہونے لگا تھا

اور اورنگ زیب کی حکمرانی کے طویل عہد میں یہ بد سے بدتر ہوتا چلا گیا تھا۔ اٹھارہویں صدی کے اوائل سے یہ بحران اپنے نقطہ غروج کو چھو چکا تھا اور اس کے نتیجے میں یا مکمل تباہی یا کسی نئے طرز کے نظام کا امکان صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن دوبارہ منظم ہو جانے کے امکان سے آخری زوال صرف کچھ عرصہ کے لیے ٹل ہی سکتا تھا تاوقتیکہ ہم عصر ہندوستانی سماج کے اقتصادی اور صنعتی بٹھراؤ پر قابو پا لینے کے ذرائع وضع کر لیے گئے ہوتے۔

چنانچہ مغل شہنشاہیت کے زوال کے اسباب کو ہندوستان کے قرون وسطیٰ کے اقتصاد میں پوشیدہ پایا جاسکتا ہے۔ تجارت، صنعت و حرفت کا بٹھراؤ اور اس اقتصاد کے حدود امکان میں سائنسی ترقی کی زوال پذیری وہ بڑھتا ہوا مالی بحران جس نے جاگیرداری کے نظام کے بحران کی شکل اختیار کر لی اور حکومت کے افعال و اعمال کے ہر پہلو کو متاثر کیا۔ ان حالات میں حکومت کی خدمت گزاری کے ذریعہ امراء کا اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام ہو جانا اور اس کے نتیجے میں گروہوں کی کشمکش اور سرکردہ اور حریف امراء کا آزاد علاقوں کی تخلیق کے درپے ہو جانا مغل شہنشاہوں کا مرہٹوں کے مسائل سے خاطر خواہ طور پر عہدہ برآ ہونے میں ناکام ہو جانا اور ان کے مطالبات کو مغل شہنشاہیت کی حدود میں رہتے ہوئے پورا نہ کر سکتا اور اس کے نتیجے میں ہندوستان میں ایک مشترک حکمران جماعت کی تخلیق کرنے کی کوشش کا پسپا ہو جانا اور ان تمام حالات کا دربارگی سیاسیات اور ملک کی پالیسیوں پر اثر انداز ہونا اور ان تبدیلیوں کے نتیجے میں شمالی مغربی دروں کے تحفظ کا کمزور ہو جانا یہ وہ عوامل اور عناصر ہیں جو مغل حکومت کے زوال کا باعث ہوئے۔ انفرادی کمزوریوں اور خامیوں نے بھی اپنے اثرات دکھائے لیکن ان کا مطالعہ بھی لازمی طور پر ان زیادہ عمیق اور غیر انفرادی عوامل کے پس منظر ہی میں کیا جانا چاہیے۔

بیور کی مطبوعات

اصول تعلیم اور میں تعلیم	خام غلام السیدین
تاریخ فلسفہ اسلام (تیسرا ایڈیشن)	ڈی. ایس. محمد دین / خلیل الرحمن / سنی پری
تاریخ ہندی فلسفہ	ڈی. جی. دوہنر / سید عابد حسین
تعلیمیں جفانجہ	ایس. این. داس گپتا / رائے شوہر میں مل ماسٹر
تعلیم اور اس کے سماجی پس منظر	محمد ضیاء الدین طوی
تعلیم سماج اور کچھ	سلامت اللہ
تعلیم کی تکنیکی نوکے مسائل (دوسرا ایڈیشن)	اے. کے. سی. اناوے / اختر انصاری
تعلیم میں انصاف کی اہمیت	خواجہ غلام السیدین / ایم. ابوبکر
تعلیم ہندوستان کے مسلم عہد حکومت میں	برٹ سوریسن / سلامت اللہ
(دوسرا ایڈیشن)	ایس. ایم. جعفر / سعید انصاری
تعلیمی رہنمائی اور صلاح کاری	عبدالمعین مدبر شمس
تعلیم کی انصافی اساس	عبداللہ ولی بخش قادری
تعلیم حاصل	حرم. ایس. برادر / معین الدین
عہد ہندوستان میں فاضلات	ایم. این. سرینواس / شہباز حسین
عہد ابتدائی منطق	ایل. جی. سن شینگ / سلطان علی شیدا
سماج اور تعلیم	محمد عبدالقادر عماد
نثریہ سمجھوتہ گیتا (دوسرا ایڈیشن)	قریم: حسن الدین احمد
فلسفہ کے بنیادی مسائل	اے. سی. ہینگ / محمد ولی الد

ملنے کا پتہ
ترقی اردو بیورو، محکمہ تعلیم (حکومت ہند)
ویسٹ بلاک آر کے پورم ٹی دہلی - 66

